READING SECTION
Online Library For Pakistan
WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

Click on http://www.Paksociety.com for More

9

18 دسمبر 1998

لائن آف کنٹرول پر موجود آخری پوسٹ گلتری کو برف کے تا حد نظر پھیلے سلسلے نے اپنی مکمل گرفت میں لیا ہوا تھا۔ منفی 30 ڈگری سنٹی گریڈ سردی کا تصور ہی ہڈیوں میں گودا جما دینے کے لئے کافی ہے جبکہ انہیں اس کا گزشتہ کئی دنوں سے سامنا تھا۔ ایک پہاڑی کے دامن میں چھپی اس پاکستانی پوسٹ پر زندگی کی واحد علامت کیروسن آئل سے جلتا وہ دیا تھا جس نے ''اگلو'' میں بند ان مٹھی بھر جانثاروں کو اپنے ہونے کی ساری رات گواہی دی تھی۔

یہاں رات اور دن کی اذیت ناکیوں میں کچھ فرق نہیں تھا۔ سورج نکلنے کا منظر ڈوبنے سے زیادہ تکلیف دہ تھا۔ برف پر جب سورج کی کرنیں پڑتیں تو آنکھیں اندھی ہونے کا احساس ہوتا تھا۔ وہ دن کے اجالے میں عموماً آنکھوں پر بڑے شیشوں کی سیاہ عینک لگا کر رکھتے تھے۔

تینوں نے نماز با جماعت ادا کی تھی اور اب اس سفر کی تیاری پر کمر باندھ رہے تھے جس کا انہیں آج رات ہی ہیڈ کوارٹر سے حکم ملا تھا۔ اس سفر کی نوعیت کیا تھی؟

اس کا پس منظر کیا تھا؟ پیش منظر کیا ہوگا؟

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http: / /www.Paksociety.com for More

ان کے پاس کسی سوال کا جواب نہیں تھا۔فوجی تربیت کے مطابق انہیں کسی حکم کا جواز تلاش بھی نہیں کرنا ہوتا۔بس حکم پر اپنی تمام تر استعداد کے ساتھ عمل کرنا ہوتا ہے۔

یہ بھی ایسا ہی حکم تھا۔

لائن آف کنٹرول یاد کرو؟۔دشمن کے علاقہ میں جتنی دور تک جا سکو جاؤ۔تین دن گزارنے کے بعد صورتحال کی مکمل رپورٹ دو۔دشمن کی نقل وحرکت۔موجودگی۔موسمی صورتحال جو کچھ بھی ان کے مشاہدے میں آتا وہ بیان کرنا تھا۔

12 نادرن لائٹ انفنٹری کے کیپٹن علی،کیپٹن ندیم اور حوالدار لالک جان کے ذمہ یہ مہم آن پڑی تھی۔گزشتہ سات سال سے انہوں نے ''ڈومیل'' میں پڑاؤ ڈال رکھا تھا سات سال طوفان باد وباراں کا سامنا کرنے کے بعد جب وہ لوگ امید کر رہے تھے کہ اب انہیں گرم میدانی علاقوں کی طرف بھیجا جائے گا اچانک نیا حکم آ گیا کہ انہیں ڈومیل سے زیادہ ٹھنڈے اور موسمی شدائد سے گھرے ''گلتری'' کے علاقے میں جانا اور وہاں اپنی صف بندی کرنی تھی۔فوج میں معمول کے مطابق ایسا نہیں ہوتا لیکن یوں محسوس ہوتا تھا جیسے 12 نادرن لائٹ انفنٹری کو خصوصی صورتحال سے نمٹنے اور اس میں دھکیلنے کی مشق کی جا رہی ہے جس کا ثبوت اچانک آنے والی یہ مہم تھی جس پر وہ روانہ ہو رہے تھے۔

کیپٹن علی نے طائرانہ نظر اپنے دونوں ساتھیوں پر ڈالی جنہوں نے اس کی تقلید میں اپنی کمر پر معمول سے زیادہ بوجھ لاد رکھا تھا۔اس میں خیمہ، کھانے پینے کا سامان، فسٹ ایڈ، ایمونیشن اور اچانک درپیش صورتحال سے نمٹنے کے لئے باقی سامان شامل تھا۔

''تیار...... علی نے کیپٹن ندیم اور حوالدار لالک جان کی طرف دیکھا دونوں نے اثبات میں سر ہلائے اور تینوں ''اگلو'' سے باہر آ گئے جہاں برفیلی موت چیختی چنگھاڑتی پھر رہی تھی کہ کب کوئی کمزور شکار ملے اور وہ اس پر جھپٹے۔

ان کے لئے اس نوعیت کے موسمی شدائد گو کہ معمول کی بات تھی اور گزشتہ سات سال سے وہ جس

طرح کے موسمی عذاب جھیلتے آ رہے تھے اس کے بعد یہ معمول کی پریکٹس تھی لیکن اس بات کا تینوں کو احساس تھا کہ وہ دشمن کے علاقے میں دور اندر تک ''ریکی'' کرنے جا رہے ہیں اور تین دنوں میں انہیں جو بھی چیلنج درپیش ہوا اس کا سامنا انہیں خود ہی کرنا ہے۔خود ساختہ ہی سہی لیکن بین الاقوامی سرحد عبور کر کے کوئی ان کی مدد کو نہیں آئے گا۔یہ ''ہدایت'' بطور خاص کی گئی تھی کہ اپنی نقل وحرکت کو محفوظ رکھنے کے لئے وہ ''وائرلیس'' کے استعمال سے حتم الوسیع گریز کریں گے۔ظاہر ہے دشمن نے جو کچھ مدت کے لئے اس علاقے سے پیچھے ہٹ گیا تھا۔یہاں اپنی کمیونی کیشن کا انتہائی جدید اور حساس نظام قائم کر رکھا تھا اور وہ کسی بھی مشتبہ حرکت پر بڑی چوکسی سے نظر رکھے ہوئے تھا۔اگر کسی موجودگی کا یہاں معمولی سا شک بھی گزرتا تو بھارتی ہیلی کاپٹر حرکت میں آتے اور چند منٹ کے اندر وہ زمین پر بیٹھی بطخوں کی طرح اس کا نشانہ بن جاتے جس کے بعد ان کی لاشیں بھی شاید کبھی اپنے لوگوں تک واپس نہ پہنچ پاتیں۔

کیپٹن علی اور کیپٹن ندیم نے اس خطرناک مہم جوئی میں شمولیت اس لئے اختیار کی تھی کہ وہ فوج کی روایت Lead From The Front کو حرز جان بنائے ہوئے تھے۔عین ممکن تھا کہ ان کے تیسرے ساتھی بھی کوئی جونیئر آفیسر ہی ہوتے لیکن حوالدار لالک جان جو چیتے کی سی پھرتی اور سخت جان کے لئے خاص شہرت رکھتا تھا اور جسے قدرت آنے والے وقت میں ایک عظیم الشان منصب سے نوازنے کے لئے تیار کر رہی تھی، خواہش کر کے ان کے ساتھ شامل ہوا تھا۔

علی الصباح سفر آغاز ہوا۔تینوں تربیت یافتہ عساکر تھے۔جذبہ شہادت سے سرشار لیکن اس مہم کے کچھ خصوصی تقاضے بھی تھے جن میں سب سے اہم خود کو آخری لمحات تک دشمن کی نظروں سے محفوظ رکھنا اور ٹکراؤ سے حتی الوسع اجتناب کرنا۔ان کے لئے یہ فوجی سے زیادہ جاسوسی مہم بن گئی تھی اور وہ جان ہتھیلی پر رکھے اس مہم کو سر کرنے نکلے تھے۔(اس ''قراولی ٹیم'' کو 22 کلومیٹر تک کے علاقے میں گشت لگا کر صورتحال کا جائزہ لینا تھا۔پہلے دن کے سفر کے آغاز پر وہ بہت محتاط تھے۔ریڈیو انہوں

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

نے آف کر دیا تھا اور اس بات کا مصمم ارادہ رکھتے تھے کہ بدترین حالات میں بھی ریڈیائی رابطے سے اجتناب کریں گے۔

کیپٹن علی کی قیادت میں ترتیب اور تنظیم کے مطابق موسمی عذاب کا سامنا کرتے برف کے اس جہنم زار میں تینوں سرفروش رواں دواں تھے۔منفی 40 سینٹی گریڈ سردی میں کہ جہاں سانس بھی نالی میں جمتا محسوس ہو رہا تھا وہ دو تین گھنٹے مسلسل چلتے رہے جس کے بعد ایک سنگلاخ برف میں ڈوبی پہاڑی کے دامن میں انہوں نے اپنے حلقوم میں جمی زندگی کو حرارت دینے کے لئے چائے اور کافی کے کچھ گرم گھونٹ انڈھیلے اپنے پاس موجود نقشے میں نشانات لگائے۔ اردگرد صورتحال کا اندراج کیا اور اگلی منزل کی طرف عازم سفر ہوئے۔احتیاط اور رازداری کو برقرار رکھنے کے لئے انہوں نے شام ڈھلنے تک اس طرح چلتے چلے جانے کا ارادہ کیا تھا شام ڈھلنے پر جس کا اندازہ صرف ہاتھوں پر بندھی گھڑیوں سے ہی ممکن تھا۔انہوں نے ایک محفوظ پناہ گاہ میں اپنے کندھوں پر لدا برفانی خیمہ نصب کیا اور محفوظ خوراک کے استعمال کا ارادہ باندھا۔

رات اپنی مکمل قہر سامانیوں سمیت ان پر مسلط تھی۔تینوں نماز کی ادائیگی کے بعد آپس میں صورتحال پر تبصرہ کرتے اور اگلے دن کی پلاننگ کرنے کے بعد اپنے سلیپنگ بیگز میں گھس گئے لیکن تینوں کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی جب کہ دن بھر برف کے اس جہنم میں جہاں بسا اوقات ان کے قدم دھنس گئے تھے اور شدید سردی سے سانس لینا دوبھر ہو رہا تھا وہ بہت تھکے ہوئے تھے اور تھکاوٹ کے بعد نیند معمول کی بات ہے لیکن یہ احساس کے وہ دشمن کے علاقے میں موجود ہیں جہاں اس کی خفیہ کمین گاہیں بھی یقیناً موجود ہوں گی۔ مواصلاتی نظام بھی ایکٹو ہوگا اور کسی بھی لمحے وہ دشمن کے بچھائے جال میں پھنس سکتے ہیں۔

ان احساسات اور خدشات نے انہیں بہت چوکنا کر دیا تھا۔تربیت کے مطابق انہوں نے رات باری باری پہرہ اور نیند میں گزاری اور اگلے روز نماز پڑھنے کے بعد چائے کے کچھ گرم گھونٹ حلق میں

اتار کر دوبارہ عازم سفر ہوئے۔ یہ سارا دن بھی ایسے ہی گزرا۔انہیں دور دور تک دشمن کی جسمانی موجودگی کے کوئی آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے۔اس برفیلے جہنم میں کسی ذی روح کی موجودگی کا تصور بھی محال تھا۔دوسری رات بھی انہوں نے دشمن کے علاقے میں اپنی سرحد سے تقریباً 20 کلومیٹر دور گزاری اور اگلے روز صبح نماز سے فراغت کے بعد واپس کے لئے عازم سفر ہوئے۔دشمن ایریا میں اپنی موجودگی کے دوران انہوں نے دو راتیں بسر کی تھیں لیکن اپنی تربیت اور انتہائی احتیاط کے ساتھ کوئی ایک بھی ایسا کلو نہیں چھوڑا تھا جو اگلے دنوں میں دشمن کی کسی پٹرول پارٹی کے ہاتھ لگے اور وہ اسی لمحے انہیں اپنا نشانہ بنا لے۔خوراک کے وہ خالی ڈبے اور سگریٹ کے خالی پیکٹ تک انہوں نے اپنے پاس محفوظ رکھے تھے جو استعمال کے بعد خالی ہو گئے تھے۔

تین روز بعد اب وہ واپسی کے لئے کمر باندھ رہے تھے۔ایک طویل اور تھکا دینے والے جان لیوا سفر کا اختتام ہو گیا تھا۔تیسرے روز تینوں بحفاظت اپنے ٹھکانے ''گلتری'' پر پہنچ گئے۔رپورٹ ہیڈ کوارٹر پیش کر دی گئی۔اس رپورٹ میں انہوں نے ہیڈ کوارٹر کو بتایا تھا کہ سامنے حد نگاہ سے بھی آگے صرف برف ہے۔کوئی درخت بھی اس برف کی شدت سے زندہ نہیں رہ سکا۔علاقہ ایسا کھلا اور موسم اتنا بے رحم کہ پناہ کو کسی پتھر کا سایہ بھی میسر نہیں۔موسمی شدائد یہاں کے ناقابل بیان ہیں اور یہاں ایوالانچ یعنی برفانی طوفان معمول کی بات ہے عین ممکن ہے آپ اپنے ''اگلو'' میں بظاہر محفوظ رات کو سوئیں اور صبح وہاں نہ خیمہ ہو نہ اس کے مکین۔ایسے علاقوں میں تو پٹرولنگ کرنے کے لئے بھی فارمیشن ہیڈ کوارٹر سے اجازت لینی پڑتی تھی رپورٹ روانہ کرنے کے بعد بظاہر وہ مطمئن ہو کر بیٹھے رہے۔ یہاں فی الوقت صرف ''انتظار کرو اور دیکھو'' والی صورتحال ہی تھی۔کیونکہ سامنے دور دور تک دشمن کا نام ونشان نہیں تھا۔البتہ یہاں کی زمین، پہاڑ، درخت، پودے سب موسمی شدائد کے سامنے ان کی طرح بے بس تھے۔ایوالانچ کا خطرہ ہر لمحہ دامنگیر رہتا تھا۔کسی بھی لمحے ''لانی'' (مقامی زبان میں ایوالانچ کو کہتے ہیں) آتی اور برف پر موجود زندگی کی ساری علامتوں کو چند سکینڈ میں اس طرح

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

ملیامیٹ کرتی کہ جیسے یہاں کبھی ان کا وجود تھا ہی نہیں۔

اس ''لانی'' کا صرف ایک ہی علاج تھا اور وہ تھی ''اذان'' جی ہاں۔ تجربے اور مشاہدے نے یہاں موجود افسروں اور جوانوں کو بتایا اور دکھایا تھا کہ جب ''لانی'' آتی تو صرف ''اذان'' کی آواز پر ہی رکتی تھی۔ اس کے علاوہ دنیا کی کسی دھات یا کنکریٹ سے اس کے سامنے کوئی بند باندھا نہیں جا سکتا تھا۔

''قراولی'' سے واپسی پر قریباً ایک ہفتہ انہوں نے اگلے احکامات کے انتظار میں بسر کیا۔ اس دوران صرف معمول کی سرگرمیاں جاری رہیں جن میں سب سے اہم جوانوں کو موسمی شدائد سے محفوظ رکھنے کے انتظامات تھے۔

8 ویں روز کے احکامات نے انہیں چونکا کر رکھ دیا۔ ہیڈکوارٹر کی طرف سے ایک اور پراسرار حکم موصول ہوا جس میں کہا گیا کہ بڑی رازداری سے 200 افراد کے لئے اسلحہ، گولا بارود، راشن، خوراک، کیروسن آئل، خیمے غرض فوجی استعمال کی ہر شے جمع کر لی جائے۔ یہ سارا سامان ''بٹاکولین'' میں جمع کرنے کی ہدایت موصول ہوئی تھی۔ جو لائن آف کنٹرول پر موجود ہے۔ فوجی نقشوں میں اس جگہ کا نام پوائنٹ ون ٹو ون رکھا گیا ہے۔ جس تک پہنچنے کے لئے کوئی ڈھنگ کا راستہ نہیں بنایا گیا تھا۔

برف کے اس جہنم زار میں جوانوں اور افسروں کو بٹاکولین تک سامان پہنچانے کے لئے بار برداری کے فرائض بھی خود ہی ادا کرنے تھے۔ اس ہدایت اور خصوصی حکم کے پیش نظر کے ان کی نقل و حرکت بالکل پوشیدہ رہے۔ وہ عموماً رات کے اندھیرے میں Move کرتے تھے۔ دن کی روشنی میں بہت کم مدت کے لئے یہ کام انجام پاتا جس میں ان کا واحد مددگار مقامی بیل نما جانور جسے ''زوہ'' Zwa کہا جاتا ہے تھا۔ ''زوہ'' پہاڑی بکریوں کی طرح چٹانوں اور برف پر قدم گاڑ کر چلنے میں خصوصی مہارت رکھتا ہے اور قدرت نے اس جانور کو ایک اور خاص خوبی سے نوازا ہے کہ یہ کبھی اس

جگہ قدم نہیں رکھتا جہاں برف کے نیچے کوئی کھائی یا گڑھا موجود ہو بلکہ بالکل تربیت یافتہ فوجیوں کے سے انداز میں جو عموماً وہ بارودی سرنگوں والے علاقے میں اپناتے ہیں اپنی منزل تک پہنچ جاتا ہے۔

''زوہ'' مقامی جانور ہونے کے ناطے سردی کو خاطر میں نہیں لاتا رات اور دن اس کے لئے کوئی فرق نہیں رکھتے۔ اس لئے اسے رات کو بھی بخوبی کام میں لایا جا سکتا ہے۔ رات کو اسے باہر میدان ہی میں چھوڑ دیا جاتا ہے اور اپنے مالک کے نزدیک ہی قیام کرتا ہے۔

جان ہتھیلی پر رکھ کر بڑی رازداری سے اللہ کے ان شیروں نے یہ فریضہ ادا کیا جن جونیئر افسروں اور جوانوں کو اس سعادت سے بہرہ مند ہونے کا اعزاز نصیب ہوا ان میں میجر زکریا یوسف، میجر اسداللہ، کیپٹن کرنل شیر خان، کیپٹن اعظم اقبال، کیپٹن علی الحسینی، کیپٹن ندیم بخش، صوبیدار شکور خان، حوالدار لالک جان، حوالدار ذوالفقار، حوالدار فقیر شاہ، حوالدار نثار، نائیک عبدالقادر، نائیک عباس اور دیگر شامل تھے۔

یہ عشق بلاخیز کا وہ قافلہ جاں فشاں تھا جس نے برف کے جہنم زار میں کئی فٹ اونچائی پر اپنے عزم لازوال سے راستے تراشے۔ ان جانبازوں نے اپنے جذبہ حریت سے پہاڑیوں کی چوٹیوں کو زیر کیا اور ان کے ناقابل تسخیر ہونے کا بھرم توڑ ڈالا۔ یکم جنوری 1999ء کو اس مہم کا باقاعدہ آغاز ہوا جس کے متعلق ان جیالوں کو قطعاً کچھ نہیں بتایا گیا تھا۔ نہ ان کی جونیئر قیادت کو اعتماد میں لیا گیا نہ ہی وہ ابھی تک یہ جان پائے تھے کہ اس سعی مسلسل کا حاصل کیا ہے اور انہیں اس برفیلی آگ میں کیوں دھکیلا جا رہا ہے۔ میجر زکریا یوسف نے سب سے پہلے یہاں ''زکریا بیس'' قائم کیا جس نے بعد میں اس معرکہ جان لیوا میں اہم کردار ادا کیا۔ جیسے ہی ذخیرہ اندوزی کا کام مکمل ہوا۔ ''سٹینڈ بائی'' احکامات جاری ہو گئے۔ کیوں؟ اس سوال کا جواب کسی کے پاس نہیں تھا۔ اچانک ایم آئی۔17 ہیلی کاپٹروں کی آمد ہوئی اور انہیں پلدرم بیس میں زکریا پوسٹ تک جسے ''پوائنٹ ون ٹو ٹو'' کا نام دیا گیا پہنچا دیا گیا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http: / /www.Paksociety.com for More

میجر یوسف زکریا نے لائن آف کنٹرول سے قریباً چار کلومیٹر آگے یہ مستقر قائم کیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی نئے احکامات موصول ہوئے کہ لائن آف کنٹرول سے سات کلومیٹر آگے بھارتی علاقے میں ''مڈل پوائنٹ'' قائم کیا جائے۔ جوانوں نے اپنے افسروں کے شانہ بشانہ موسم کی تباہ کاریوں کی خاطر میں لائے بغیر یہاں بھی پوسٹ قائم کر دی۔ موسم کے تیور کے خلاف توقع بہت زیادہ خطرناک ہو رہے تھے۔ برف باری کے طوفان امڈ امڈ آتے جس سے بار بار مواصلاتی نظام تباہ ہو جاتا لیکن ان کوہ شکن ارادوں والے مجاہدوں کے سامنے موسم بھی بالآخر زیر ہو جاتا تسلیم کرنا پڑتی۔ انہیں فی الوقت اپنی پوزیشنیں مستحکم کرنے، خوراک اور ایمونیشن کی مناسب مقدار ذخیرہ کرنے اور خود کو کسی بھی ناگہانی صورتحال کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہنے کے احکامات ملے تھے گو کہ یہ بڑے مختصر احکامات تھے لیکن یہ بڑے آزمودہ کار جانباز تھے جنہیں یہ علم اور احساس ہو چکا تھا کہ انہیں میدان کارزار میں اتار دیا گیا ہے اور جلد ہی وہ دشمن کے مقابل ہوں گے۔ موسمی تباہ کاریوں سے فرار حاصل کرنے کے لئے بھارتی فوجی وقتی طور پر نچلی اور محفوظ پناہ گاہوں میں چلے گئے ہیں لیکن جلد ہی وہ واپس آئیں گے اور جب اپنے علاقے میں پاکستانی فوج کو دیکھیں گے تو ان کا ردعمل انتہائی خوفناک اور تباہ کن ہو گا۔

ماضی میں بھارت نے سیاچن میں ایسے ہی کیا تھا اور پاکستانی علاقے میں اپنی پوسٹیں قائم کر لی تھیں۔ لیکن عالمی سطح پر بھارت کو کسی مشکل کا سامنا نہیں ہوا تھا اور پاکستانی فوج اپنی شجاعت کے بل بوتے پر ان کے مقابلے میں پوسٹیں قائم کیں اور انہیں رگیدا تھا پاکستان کا معاملہ الگ تھا۔ ساری دنیا ہاتھ دھو کر ہمارے پیچھے پڑی تھی۔ افغانستان میں طالبان سے متعلق عالمی سطح پر بڑا غلط تاثر قائم ہو رہا تھا اور یہ سمجھا جاتا تھا کہ طالبان کو پاکستان کی مکمل پشت پناہی حاصل ہے۔ بھارت وہ طوفان کھڑا کرتا کہ پاکستان کے لئے جس کے سامنے ٹھہرنا مشکل ہوتا لیکن ایک سولجر کو سیاست سے کیا لینا دینا۔ یہ تو احکامات کے پابند اور کسی بھی حکم پر کسی بھی لمحے اپنی جان سے گزر جانے پر تیار رہتے تھے۔

15 فروری 1999ء تک انہوں نے دشمن کے علاقے میں اپنی صف بندی کر لی تھی اور اب اگلے احکامات کے منتظر تھے۔ دشمن نے کب واپس لوٹنا تھا؟ انہیں کب ایک اندھی، تباہ کن اور انتہائی خونی جنگ لڑنی تھی۔ یہ تمام سوالات ابھی جواب طلب تھے۔

چھ اور تیرہ این ایل آئی بھی طویل عرصے سے بنیال اور گلتری میں موجود تھی۔ 6 این ایل آئی کی کمانڈ کرنل منصور کر رہے تھے جو اپنی دلیری کی وجہ سے فوج میں خصوصی شہرت کے حامل اور کافی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ انہیں بھی لائن آف کنٹرول کے ساتھ ساتھ دشمن کے علاقے میں پوسٹیں قائم کرنے کا حکم ملا۔ ان کے کام کا آغاز نومبر 1998ء میں ہوا اور یکم جنوری 1999 تک انہوں نے جاری احکامات کے مطابق پوسٹیں قائم کر لیں۔

2 جنوری کو کور کمانڈر لیفٹیننٹ جنرل محمود احمد بنیال میں یونٹ ہیڈ کوارٹر کا معائنہ کرنے آئے تو انہوں نے ان کے سامنے ایک نیا چیلنج رکھ دیا۔ جو قریباً ناممکن تھا۔ جنرل صاحب نے اپنی سٹک سے سامنے نظر آنے والے سنگلاخ پہاڑ کے پوائنٹ 5140 کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہاں پوسٹ قائم کی جائے جس کے بعد وہ تشریف لے گئے۔

سطح سمندر سے 5140 میٹر کی بلندی پر موجود اس پہاڑی چوٹی تک پہنچنا انسان تو کیا کسی مشین کے بس میں بھی نہیں تھا۔ عمودی اور سنگلاخ نوکدار چٹانیں جن پر پڑنے والا ایک غلط قدم یا ہاتھ جسم کے اس حصے کو سارے جسم سے الگ کر سکتا تھا اور چڑھائی کے لئے اس کے اردگرد کہیں بھی کوئی جگہ میسر نہیں تھی۔ اس چوٹی پر ہیلی کاپٹر کے ذریعے اترنے کا تو صرف خواب ہی دیکھا جا سکتا تھا۔ لیکن ناممکن کو ممکن بنانے والے اللہ کے ان پراسرار بندوں نے یہ بھی کر دکھایا۔

کیپٹن افتخار نے اس چیلنج کو قبول کیا اور میجر تاشفین سے اسی حوالے سے بات کی دونوں نقشوں کی مدد سے کافی سر کھپائی کرتے رہے لیکن کسی طرف راستہ دکھائی ہی نہیں دے رہا تھا۔ بالآخر انہوں نے اللہ کی نصرت کے ساتھ اپنی ہمت کے بل بوتے پر یہ مہم سر کرنے کی ٹھانی اور کچھ جوانوں کو لے کر

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

نکل پڑے۔ انتہائی دشوار اور ناقابل عبور راستوں اور پہاڑی سلسلوں سے گزرتے ایک ایک قدم پر انتہائی احتیاط کا مظاہرہ کرتی یہ ریکی پارٹی 11 جنوری کو اپنے مشن پر نکلی تھی لیکن 26 جنوری تک انہیں کوئی ڈھنگ کا راستہ دکھائی نہیں دیا۔ اس دوران انہوں نے انسانی وہم وگمان سے آگے کی مہمات سر کیں اور 26 جنوری کو آخر کار قدرت کو ان کے عزم لازوال پر ترس آ ہی گیا اور انہیں ایک راستہ سجھائی دیا۔ جہاں انہوں نے کشمیر آبزرویشن پوسٹ قائم کی جس کے نیچے انہوں نے پہلے ہی سے تاشفین پوسٹ قائم کردی تھی۔ انہوں نے اپنی پوزیشن مضبوط کی اور متعلقہ سامان ذخیرہ کرنے کے بعد 5140 کی چوٹی تک پہنچنے کی ٹھانی۔ پے در پے ناکامیوں کے بعد بالآخر 31 جنوری کو انہوں نے ناممکن کو ممکن کر دکھایا اور 5140 کی چوٹی پر پہنچنے میں کامیاب ہو ہی گئے جہاں افتخار آبزرویشن پوسٹ کا قیام عمل میں آیا جہاں سے وہ مقبوضہ کشمیر میں شمال کی طرف بمباٹ اور جنوب میں مراد باغ اور دراس تک کے علاقے پر باآسانی نظر رکھ سکتے تھے یہ بڑی اور اہم شاہراہ تھی جہاں سے گزر کر بھارتی فوج کے دستے اس طرف آتے تھے۔ افتخار او پی قائم کرنے کا مطلب تھا کہ انہوں نے بمباٹ دراس اور مراد باغ کی طرف سے آنے والی بھارتی فوج کا داخلہ یہاں ناممکن بنا دیا تھا۔ اس پوسٹ پر قبضہ برقرار رکھ کر وہ جب چاہتے سامنے موجود بھارتی فوج کی مین لائن کاٹ کر رکھ دیتے۔ یہ بلاشبہ بڑی عظیم کامیابی تھی جوان افسروں اور جوانوں کی جہد مسلسل انتھک قربانیوں کے بعد ہی ممکن ہو سکتی تھی۔ دنیا کی کسی بھی فوج کے لئے ایسے موسم میں ان حالات میں یہاں تک پہنچنا ممکن ہی نہ تھا۔

کرنل طاہر منصور نے اس ساری جدوجہد کو اس کا حصہ بن کر دیکھا تھا ان کے ذہن میں جو خدشات پل رہے تھے بعد میں ان کی تصدیق ہوگئی وہ نہیں چاہتے تھے کہ کسی ممکنہ ایڈونچر کی صورت میں ان کے جوانوں کو محض قربانیوں کی تاریخ مرتب کرنے ہی کیلئے مختص کر دیا جائے۔ ہیڈ کوارٹر کی طرف سے مکمل اندھیرا تھا لیکن ان کی حقیقت شناس نظروں نے آنے والے وقت کو پہلے سے دیکھ لیا

تھا۔

''میرے خیال سے یہ پوسٹ بالکل غیر محفوظ ہے۔ دوسروں سے الگ تھلگ۔ ممکنہ حملے کی صورت میں ان تک امداد پہنچنا بھی ممکن نہیں رہے گی۔'' انہوں نے طارق پوسٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کیپٹن افتخار سے کہا۔

کیپٹن افتخار نے اپنے سی او کے اندیشے کو سمجھتے ہوئے صورت حال کا جائزہ لیا اور اپنے جوانوں کے ساتھ ریکی پر نکل گئے۔ طارق پوسٹ کے اردگرد کوئی بھی ایسی جگہ دکھائی نہیں دے رہی تھی جہاں اس کی حفاظت کے لئے ایک اور مورچہ قائم کیا جاتا۔ اس جوانمرد کپتان نے ہمت ہارنا سیکھا ہی نہیں تھا۔ راستے تراش خراش کر انہوں نے بالآخر طارق پوسٹ کے شمال میں غلام جان پوسٹ قائم کر دی۔

طارق پوسٹ کے گرداگرد سات راستے نکلتے تھے جن کی پوزیشن ایسی تھی کہ ان میں کسی بھی ہوائی یا توپخانے کے حملے کی صورت میں پناہ لی جا سکتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اس کے گرداگرد کشمیری مجاہدین نے بھی اپنی پناہ گاہیں بنا رکھی تھیں اور قدرتی طور پر وہ اس چوکی کے محافظ بھی بن گئے تھے۔ طارق پوسٹ کی طرف آنے اور جانے والے راستوں کی حفاظت زیادہ تر ان ہی مجاہدین کے ذمہ تھی چونکہ ابھی نائن الیون کا عذاب نازل نہیں ہوا تھا اس لئے حکومت پاکستان بھی ساری دنیا کی طرح اپنی آزادی کے لئے جاری اس جہاد کو جائز اور مجاہدین کو برحق قرار دیتی تھی البتہ فوج نے کبھی ان کے معاملات میں مداخلت نہیں کی۔

5- این ایل آئی کو چار پوائنٹس پر پوسٹیں قائم کرنے کا حکم ملا۔ ان چار پوسٹوں میں ملاپ قائم رکھنے کے لئے فائیو این ایل آئی کے جانبازی او نے لائن آف کنٹرول کے قریباً ایک کلومیٹر آگے اپنا ملاپ ہیڈ کوارٹر قائم کیا جس کو بدر پوسٹ کا نام دیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے اپنے جوانوں کو لائن آف کنٹرول سے آگے 21 تا 24 کلومیٹر ایریا میں پھیلا دیا ان شیر دلوں نے اس ایریا میں 26

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

پوسٹیں بنالیں ہر پوسٹ پر پانچ سے 25 تک افسر اور جوان موجود تھے۔ کمانڈنگ آفیسر نے صورتحال کی سنگینی کو محسوس کرتے ہوئے مکمل منصوبہ بندی کی اور آخر میں صورتحال یہ تھی کہ ایک یونٹ کے قریبا 95 مربع کلومیٹر کے علاقے کو اپنے کنٹرول میں لیا ہوا تھا۔ ایک پوسٹ پر عموماً تین دن کی خوراک رکھی جاتی ہے۔ یہاں کے بے رحم موسم کے پیش نظر بسا اوقات یہ بھی ناممکن ہو جاتا ہے کہ ان تین دنوں میں مرکزی مستقر سے کسی پوسٹ پر خوراک بھیجی جائے حالت جنگ میں تو اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ جنگ کی صورت میں تو یہاں تک کمک پہنچنا عام حالات میں بالکل ہی ناممکن ہو جاتا ہے جنگ کی تو بات ہی اور تھی یہاں عموماً حالت امن میں جوانوں کو کئی کئی دن فاقے کرنے پڑتے تھے خصوصاً کھلے آسمان تلے موجود جوان اور افسر کھانا پکانے کے لئے ''فیول ٹیبلٹ'' ہی استعمال کرتے تھے جو ایک خاص مدت کے بعد ختم ہو جاتی ہیں۔

13 این ایل آئی کو 18 کلومیٹر پر پھیلے ایریا کی حفاظت ممکن بنانی تھی انہوں نے کافر پہاڑی کے گرد تین پوسٹیں قائم کر لی تھیں۔

131 اے کے رجمنٹ ''وانکو'' میں تھی جہاں وہ براہ راست دشمن کے توپوں کی زد میں رہتے تھے اور ساری رجمنٹ ایک بڑے پہاڑی تودے کے نیچے چھپ کر دشمن کا مقابلہ کرتی تھی جب بھی وہ اپنی کمین گاہوں سے نکلتے ان پر دشمن فائرنگ شروع کر دیتا۔ اسی لئے ان کی تمام نقل و حرکت رات کے اندھیرے میں ہوتی تھی اور ہر لمحہ اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر ہی وہ یہاں موجود تھے۔ اس لڑائی کا ایک اہم کردار 24 سندھ رجمنٹ بھی تھی جسے جنوری 1999 میں ڈومیل سیکٹر کی حفاظت کے لئے بلایا گیا۔ اس محاذ کی چوڑائی قریباً 45 کلومیٹر ہے۔ جسے کرنل طاہر اکبر نے تین حصوں میں تقسیم کر دیا۔ اس شیر دل یونٹ نے پندرہ پندرہ ہزار فٹ کی بلندی پر 8 پوسٹیں بنائیں جہاں عام حالت میں آکسیجن کی کمی کی وجہ سے سانس لینا بھی دشوار ہو جاتا ہے۔ ان کے دائیں بائیں 12 اور 10 این ایل آئی تعینات تھیں۔ جو لوگ اس میدان کو سجا رہے تھے ان کے نزدیک اب میدان لگ گیا تھا۔ کسی بھی لمحے کچھ بھی

ممکن تھا۔ اب ان جوانوں اور افسروں کو اس دشمن کا انتظار کرنا تھا جس سے دو دو ہاتھ کرنے کے لئے انہیں میدان میں اتارا گیا تھا اپنی دانست میں جس جرنیل نے دشمن کو سرپرائز دینے کا اہتمام کیا تھا شاید اس کا گزر بھی کبھی ان علاقوں سے نہ ہوا ہو۔ یہاں ایک ایک سانس اپنا مول چکاتی تھی۔ دنیا میں سب سے زیادہ ''ایوالانچ'' اس علاقے میں آتے تھے۔ ان صف شکنوں نے کب تک موسم کی عذابناکیاں برداشت کرنی تھیں۔ کب تک انہیں اس برفیلے جہنم میں رہنا تھا۔ کسی کو علم نہیں تھا شاید ان کے کمانڈنگ افسروں سے بھی یہ سب کچھ پوشیدہ رکھا جا رہا تھا۔

کیوں؟

اس سوال کا جواب فی الوقت کسی کے پاس نہیں تھا۔ 12 این ایل آئی کو قریباً 22 کلومیٹر مربع کے دفاع کی ذمہ داری سونپی گئی تھی اور اپنی پوسٹیں قائم کرنے کے بعد اب وہ ان دیکھے دشمن کے انتظار میں بیٹھے تھے جو وقت کے ساتھ ساتھ لمبا ہوتا جا رہا تھا۔ ابھی تک بھارتی اس علاقے میں واپس نہیں لوٹے تھے اور نیچے کسی محفوظ علاقے میں بیٹھے تھے۔ یہ لوگ کبھی کبھی یہاں گشت کرنے آتے یا پھر وقتی طور پر دو چار دن کے لئے کوئی پوسٹ قائم کر کے واپس لوٹ جاتے۔ ان کے افسر شاید اتنی شدید سردی میں انہیں موت کی اس وادی میں دھکیلنے کا خطرہ مول لینے سے ڈرتے تھے اور یہ ایک طرح سے بے آباد سا علاقہ ہو چکا تھا۔ جسے اب گرمیوں میں ہی آباد ہونا تھا۔

بھارتی فوجیوں کے برعکس پاکستانی افسر اور جوان اس بلاخیز موسم کا جبر برداشت کرتے انتظار کا کرب سمیٹ رہے تھے۔ دن کو تو نیند کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ رات کو یہ خوف ان کے لاشعور میں ہمیشہ موجود رہتا کہ کسی بھی لمحے کوئی ایوالانچ آئے گا اور انہیں اپنے ساتھ ہزاروں من برف تلے لے جائے گا۔ جہاں سے شاید ان کے پیاروں تک کبھی ان کی لاشیں بھی نہ پہنچ سکیں۔

24 اور 25 فروری کی درمیانی رات ایک ایسا ہی عذاب لے کر آئی۔ 12 این ایل آئی کی پوزیشنوں میں سے ایک پر سپاہی سرور اور افسر جان سنتری ڈیوٹی دے رہے تھے جب انہوں نے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

ایک برفانی تودہ گرنے کی آواز سنی۔ افسر جان کا تعلق اسی علاقے سے تھا اس لئے اس خطرے کو اس کے حساس کانوں نے سب سے زیادہ اور سب سے پہلے محسوس کیا۔ اس نے اپنے قریبی ساتھی سرور کو جو کچھ فاصلے پر دوسری سمت پہرہ دے رہا تھا۔ آواز دے کر اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے اس خطرے کا احساس دلانا چاہا۔

''سرور......سرور' لانی'' آ گئی'' اس نے اپنے پھیپھڑوں کی پوری طاقت سے چلاتے ہوئے کہا۔

سرور نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

''وہ دیکھو......وہ دیکھو'' اس نے ہاتھ کی انگلی سے دور اوپر اشارہ کیا جہاں سے برفانی تودہ برق رفتاری سے انہیں نگلنے کے لئے ان کی طرف بڑھ رہا تھا۔

''سرور، تم اذان دو، اذان دو، میں باقی ساتھیوں کو خبردار کرتا ہوں'' افسر جان چلایا۔ یہ بات ان کے ایمان کا حصہ بن چکی تھی کہ ایوالانچ کو دنیا کی کوئی طاقت تو نہیں روک سکتی لیکن ''اذان'' کی آواز پر وہ رک جاتا ہے۔

سپاہی سرور نے اس پوزیشن میں اذان دینے کے لئے گن کندھے سے لٹکاتے ہوئے کانوں میں انگلیاں دے لیں۔ افسر جان بھاگتا ہوا ''اگلو'' تک گیا اس نے اپنی دانست میں بہت ہمت کی تھی لیکن بے رحم لانی کے سامنے وہ ہار گیا۔ عین ان لمحات میں جب افسر جان نے ''اگلو'' کا دروازہ کھول کر اپنے افسروں اور ساتھیوں کو ہوشیار کرنا چاہا ''لانی'' اس کے سر پر پہنچ چکی تھی۔ بے رحم ایوالانچ نے پلک جھپکتے ان سب کو نگل لیا۔ حیرت انگیز طور پر سپاہی سرور جس نے اذان کا آغاز کر دیا تھا اس سے محفوظ رہا۔ وہ اس پوسٹ پر واحد زندہ بچنے والا جوان تھا۔ ایوالانچ نے میجر اسد اللہ، کیپٹن اعظم اقبال، صوبیدار غلام مہدی، نائب صوبیدار شکور خان، نائیک عبدالوکیل، لانس نائیک محمد علی، سپاہی افسر جان، سپاہی بابر علی، سپاہی محمد علی، سپاہی غلام قادر، سپاہی محمد عباس، سپاہی شکور جان، سپاہی

رحمت جان اور سپاہی غلام محمد کو مرتبہ شہادت سے سرفراز کیا۔

''حیدران'' کی شہادتوں کا سفر آغاز ہو چکا تھا۔ انہوں نے ابتدا ہی میں جتنی جانوں کے نذرانے پیش کر دیئے تھے اس سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ ان کی انتہا کیا ہوگی اور آنے والے وقت نے یہ دکھا بھی دیا۔

اس علاقے میں موجود باقی جوانوں کو بھی اس سے کچھ مختلف صورتحال کا سامنا نہیں تھا۔ صبح سے شام کرنا کار دارد ہو رہا تھا۔ سب سے زیادہ تکلیف دہ بات یہ تھی کہ ابھی تک وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھے کہ اس مہم جوئی کا مقصد کیا ہے؟ اگر انہیں یہ علم ہوتا کہ وہ سری نگر پر قبضہ کرنے جا رہے ہیں تو ان کا مورال آسمان کی بلندیوں کو چھو رہا ہوتا۔ یہ تو ان کے اپنے انداز تھے کہ یہاں نہیں کیا ہونے والا ہے ابھی تک نہ تو ان کے کمانڈنگ افسروں کو بریف کیا گیا تھا نہ ہی انہیں کچھ بتایا گیا تھا۔

مارچ کے آغاز تک زندگی کا یہی معمول رہا۔ اس دوران ایسا کوئی موسمی عذاب نہیں تھا جو ان پر نازل نہ ہوا ہو۔ 12 مارچ کو میجر جنرل جاوید حسن نے انہیں سرپرائز وزٹ دیا اور وہ 12 این ایل آئی کے ''زکریا بیس'' پھر مڈل پوائنٹ تک گئے اور انہوں نے کنٹرول لائن کے پار دشمن کے علاقے میں داخل ہونے والا پہلے اعلیٰ فوجی افسر کا اعزاز بھی حاصل کر لیا۔ میجر جنرل جاوید حسن نے دور دراز تک پھیلی پوسٹوں پر موجود قریباً ہر جونیئر افسر سے ملاقات کی یا فون پر بات کی ان کی ہمت کی داد دی۔ ان کی حوصلہ افزائی کی اور واپس لوٹ گئے۔

26 مارچ کو تین چار مزید اعلیٰ افسران نے دورہ کیا۔ جوانوں سے ملاقاتیں کیں ان کی حوصلہ افزائی کی اور انہیں ڈٹے رہنے کی تلقین کی اب یہاں موجود چھوٹے اور بڑے افسران، سردار صاحبان اور جوان کم از کم یہ ضرور سمجھ گئے تھے کہ بھارت کیساتھ کوئی بڑا معرکہ ہونے کے امکانات ہیں۔ اس مرحلے پر جوانوں کے دلوں میں یہ بات گھر کر گئی کہ ضرور انہیں سری نگر پر قبضے کے لئے تیار کیا جا رہا ہے۔ جوان کے لئے ایک خواب تھا جس کی تعبیر اپنی زندگی میں دیکھنا ان کی سب سے بڑی

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

خواہش تھی۔

مقبوضہ کشمیر میں مجاہدین کی بڑھتی سرگرمیوں نے لائن آف کنٹرول پر بھی حالت جنگ کا سماں باندھ رکھا تھا آئے روز بھارتی اور پاکستانی فوجوں میں جھڑپیں معمول بنتی جارہی تھیں اور پاکستانی فوج کی جونیئر قیادت جلد از جلد دشمن سے روبرو مقابلہ کرکے 1971ء کا بدلہ چکانے کی آرزومند تھی۔ ان کی یہ خواہش پوری ہوگی۔ یہ جان کر جوانوں کا مورال بڑھنے لگا تھا جس نے اپنی انتہاؤں کو 28 مارچ 1999ء کو چھوا جب حیرت انگیز طور پر گلتری پوسٹ پر صبح قریباً دس بجے ایک ہیلی کاپٹر لینڈ ہوا۔ ابھی تک کسی کو علم نہیں تھا کہ اس میں سوار کون ہیں؟ گلتری پر موجود جونیئر افسران اور جوان حیرت سے دنگ رہ گئے جب انہوں نے دیکھا ہیلی کاپٹر سے اتر کر آنے والا پہلا شخص کوئی اور نہیں تھا۔ پاکستانی آرمی کا چیف جنرل پرویز مشرف ہے جس کے عقب میں ٹن کور کے لیفٹیننٹ جنرل محمود چیف آف جنرل سٹاف جنرل عزیز خان اور میجر جنرل جاوید حسن ہیں جو چند روز پہلے یہاں کا دورہ کر کے گئے تھے۔ جنرل جاوید حسن اپنے ٹروپس کی کامیابی پر بڑے خوش دکھائی دے رہے تھے۔ انہوں نے چیف آف آرمی سٹاف اور ان کے ہمراہیوں کو بریفنگ دی اور انہیں بتایا کہ قریباً ہر قابل ذکر جگہ پر ان کا قبضہ ہے اور سری نگر دراس روڈ کا ہدف ان کی توپوں کی زد میں ہے۔ مجاہدین پہلے ہی سے اس علاقے میں سرگرم عمل تھے۔ پاکستانی فوج کی موجودگی سے انہیں مزید تقویت ملی اور وہ بھارتی فوج کے لئے لاینحل مسائل پیدا کرنے لگے۔ جنرل مشرف نے 1971ء میں ایک خواب دیکھا تھا جب وہ کپتان یا میجر تھے اور آج وہ اس خواب کو حقیقت میں ڈھلتا دیکھ رہے تھے۔ ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا انہوں نے شاید اپنی زندگی کا سب سے خطرناک فیصلہ کرلیا تھا۔ انہوں نے تمام احتیاطیں بالائے طاق رکھ کر کنٹرول لائن عبور کی اور دشمن کے علاقے میں قریباً 12 کلومیٹر کے فاصلے پر موجود ''زکریا بیس'' پر جا پہنچے جہاں 12 این ایل آئی کے سی او لیفٹیننٹ کرنل امجد شبیر اور ان کے ماتحتوں نے چیف آف آرمی سٹاف اور ان کے ساتھیوں کا استقبال کیا۔

دشمن کے علاقے میں 12 کلومیٹر اندر فوج کے چیف آف سٹاف کی موجودگی نے جونیئر افسر، سردار صاحبان اور جوانوں کے بدن میں بجلیاں بھر دیں ان کے جذبات دیدنی تھے۔ نعرہ ہائے تکبیر نعرہ ہائے حیدری پاکستان زندہ باد اور پاک آرمی زندہ باد کے نعروں سے برفیلے پہاڑ بھی گونجنے لگے۔

جنرل مشرف اس سے بھی آگے کی سوچ رہے تھے انہوں نے جوانوں اور افسروں کو مزید سرپرائز دیا کہ وہ رات یہاں گزاریں گے اور اگلے روز عید کی نماز اپنے جوانوں کے ساتھ یہاں پڑھنے کے بعد ہی واپس روانہ ہوں گے۔ اس خبر نے تو اس محاذ پر موجود جوانوں اور افسروں میں ہلچل مچا دی۔ چیف آف آرمی سٹاف کے کسی فیصلے کے سامنے کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں تھی لیکن 12 این ایل آئی کے لئے یہ سوچ ہی سوہان روح بنی ہوئی تھی کہ اگر خدانخواستہ دشمن باخبر ہوگیا؟ وہ رات ہر جوان، سردار صاحب اور افسر نے جاگ کر گزاری، جب تک فوج کا چیف آف آرمی سٹاف یہاں موجود تھا ان کے لئے ایک لمحے کی غفلت بھی تباہ کن ثابت ہوسکتی ہے۔

جنرل مشرف اور ان کے ساتھیوں نے اگلے روز عید کنٹرول لائن کے بارہ کلومیٹر دور بھارتی علاقے میں اپنے جوانوں کے ساتھ منائی انہوں نے ان سے مختصر خطاب کیا ان کے حوصلوں کی بے پناہ داد دی اور انہیں آگاہ کیا کہ وہ نئی تاریخ رقم کرنے جارہے ہیں۔ وہ تاریخ جو حالات کا دھارا ہی بدل کر رکھ دے گی۔ اس مجاہدانہ خطاب نے جوانوں کا مورال آسمان کی بلندیوں تک پہنچا دیا۔ انہوں نے جنرل صاحب سے وعدہ کیا کہ وہ اس مرتبہ بھارتیوں کو ایسا سبق سکھائیں گے کہ دوبارہ وہ کبھی پاکستان یا کشمیر کی طرف میلی آنکھ سے دیکھنے کی جرات بھی نہ کرسکیں۔ جنرل صاحب نے گھوم پھر کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ جن کے دلوں کی دھڑکنیں بے قابو ہورہی تھیں دس بجے تک کا وقت گزارا جس کے بعد اپنے جوانوں اور افسروں کے فلک شگاف نعروں میں ان کی ہیلی کاپٹر کے انجنوں کی آواز بھی دبتی محسوس ہورہی تھی۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :۔

- ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مُختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
  سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابنِ صفی کی مُکمل رینج
- ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا

- ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور رژیوم ایبل لنک
- ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- مشہور مصنفین کی کُتب کی مُکمل رینج
- ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر مُتعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

fb.com/paksociety

Click on http: / /www.Paksociety.com for More

جنرل مشرف اور ان کے ساتھیوں کی روانگی کے بعد یہاں کی جونیئر کمانڈ کو کوئی شک باقی نہیں رہا تھا کہ وہ ایک خوفناک اور تباہ کن جنگ لڑنے جا رہے ہیں۔ جس کا انجام صرف اور صرف ان کی فتح ہے کیونکہ فتح کے علاوہ انہوں نے کسی دوسرے آپشن کا سوچا بھی نہیں تھا۔

o

کیپٹن انوج کے لئے شیپالی کی آمد سے زیادہ اہم اور کوئی خبر نہیں تھی۔ دونوں کی ملاقات آج تین ماہ بعد ہوئی اور یہ تین ماہ جس کرب میں کیپٹن انوج نے گزارے اس کا اندازہ وہی لگا سکتا تھا۔ وہ گزشتہ چھ ماہ سے سری نگر میں تھا۔ ریٹائرڈ بریگیڈئر کا بیٹا ہونے کے ناطے یوں تو اسے فوج میں دوسروں کے مقابلے میں ایج حاصل ہی تھا لیکن اپنی ذہانت سے بھی اس نے اپنے لئے دوسروں کے دلوں میں بڑی جگہ بنالی تھی۔ براہمن گھرانے سے انوج کا تعلق ضرور تھا اور خصوصاً اس کی ماں جو دلی کے ایک کالج میں انگریزی کی پروفیسر تھی بڑی ہی قدامت پسند عورت تھی اس کا خاندان اعلیٰ سرکاری افسروں سے اٹا پڑا تھا لیکن ہر گھر میں ایک مندر ضرور موجود تھا۔ دو تین ماہ بعد کسی نہ کسی بڑے مندر کی یاترا اور وہاں کوئی بڑا چڑھاوا چڑھانا ان کا معمول تھا۔

شیپالی سے اس کی ملاقات بھی اس چکر میں ہوئی تھی۔ اس روز اچانک ہی اسے پتا جی کا فون آ گیا۔

''ہم لوگ ماتا رانی کے درشنوں کے لئے ویشنو مندر جا رہے ہیں تم کٹڑہ کے آفیسرز میس پہنچ جاؤ وہاں کرنل ملہوترا تمہارا منتظر ہوگا۔''

انوج کے لئے کسی سوال کی گنجائش موجود ہی نہیں تھی اس کی وجہ بھی اس کے پاپا جی ہی تھے۔ جو ریٹائرمنٹ کے بعد بھی خود کو بریگیڈیئر ہی سمجھتے تھے۔ وہ بس آرڈر کرتے تھے اور اس بات کا تکلف ہی نہیں کرتے تھے کہ دوسری طرف اپنی بات کا جواب تو سن لیں۔ انوج کے لئے یہ کوئی پہلا تجربہ نہیں تھا کہ اتنے شارٹ نوٹس پر اسے سری نگر سے بریگیڈیئر صاحب کے حکم پر جموں جانا پڑ رہا تھا۔ ایسا اس

کے ساتھ اکثر ہوتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے ''پاپا'' نے اس کی چھٹی کا بندوبست پہلے ہی کر لیا ہوگا۔ کیونکہ اس کا کمانڈنگ افسر بریگیڈیئر شکلا کا شاگرد خاص تھا اور آج تک استادی شاگردی کے اس رشتے کو بخوبی نبھا رہا تھا۔

کیپٹن انوج شکلا کے لئے اس کا او۔سی ہی نہیں۔ بھارتی فوج کا ہر دوسرا افسر ''انکل'' کی حیثیت رکھتا تھا۔ کیونکہ بریگیڈیئر شکلا پانچ سال تک کمانڈر اینڈ سٹاف کالج کے کمانڈنٹ رہے تھے۔ شاید ہی کوئی ایسا افسر اسے اپنی گزشتہ تین سالہ نوکری میں ملا ہوگا جو انہیں نہ جانتا ہو۔

ان دنوں اسے اپنی یونٹ کے ساتھ سری نگر پہنچے ابھی دسواں ہی روز تھا۔ ان دس دنوں میں اسے سوائے معمول کی پٹرولنگ کے اور کوئی کام نہیں تھا۔ اس دوران ایک مرتبہ اس کا ٹکراؤ ''آتنک وادیوں'' سے ہوا تھا جنہوں نے گھات لگا کر حملہ کیا لیکن آرمڈ کار میں ہونے کی وجہ سے وہ فائرنگ سے محفوظ رہا البتہ اس کا کورس میٹ کیپٹن بھاٹیا جو جیپ میں ڈرائیور کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھا تھا زخمی ہو گیا۔ وہ تو قسمت اچھی تھی گولی اسے براہ راست نہیں لگی ورنہ ڈرائیور کے ساتھ وہ بھی ''سورگباش'' ہو جاتا۔ فائرنگ اتنی اچانک اور تیز تھی کہ تین چار منٹ تک تو آرمڈ کار سے باہر نکلنا کیپٹن انوج کے لئے ممکن ہی نہیں تھا لیکن وہ ڈرا اور گھبرایا نہیں اس نے اپنے ساتھیوں کو للکارا جنہوں نے اندھا دھند جوابی فائرنگ کی دو تین منٹ بعد انوج کو احساس ہوا کہ وہ ہوا میں گولیاں چلا رہا ہے۔

حملہ آور تو غائب ہو چکے تھے البتہ وہاں سہمے ہوئے کشمیری بچے عورتیں اور مرد کونوں کھدروں میں اپنی جان بچانے کے لئے ضرور چھپے ہوئے تھے۔

''ان کا پیچھا کرو۔'' اس نے اپنے ساتھیوں کو للکارا۔

اپنی گن سنبھال کر وہ سامنے گلی کی طرف بڑھا جس طرف اس نے حملہ آور کو بھاگتے دیکھا تھا لیکن اچانک ہی میجر بٹھل نے اسے روک دیا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

"سر۔وہ اس طرف......!"

اس نے ہاتھ کی انگلی سے ایک سمت اشارہ کیا۔

"Its trape۔I know"۔

انہوں نے انوج کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

انوج چونکے بغیر نہ رہ سکا۔واقعی اگر وہ اندھا دھند ان کے تعاقب میں جاتا اور اس تنگ گلی میں داخل ہوتا تو اس کے کسی ساتھی کا کیپٹن انوج سمیت ان اندھی گلیوں سے سلامت باہر آنا کبھی ممکن نہ ہوتا۔

"......thank-u سر" اس نے میجر کی طرف دیکھ کر احساس تشکر سے سر ہلایا۔

تھوڑی دیر بعد وہ زخمی کیپٹن بھاٹیہ اور تین ساتھیوں کی لاشیں لے کر واپس جا رہے تھے۔

کیپٹن انوج کے لئے پہلا تجربہ ہی بڑا بھیانک تھا۔اس نے اپنی یونٹ کے یہاں آنے سے پہلے ان افسروں اور جوانوں کی باتیں سنی تھیں جو سری نگر میں ڈیوٹی کر کے گئے تھے۔ان میں سے بیشتر تو اسے ذہنی مریض دکھائی دیتے تھے۔

میں کہاں پھنس گیا ہوں؟"

اس نے اپنے آپ سے پہلا سوال کیا۔جواب میں فوراً بریگیڈیئر صاحب اس کی آنکھوں کے سامنے آ گئے اور وہ اپنی اس بزدلانہ سوچ ہی پر لعنت بھیجنے لگا۔وہ بریگیڈیئر شکلا کا صاحبزادہ تھا اس کے باپ کے سینے پر ملٹری اعزازات کی قطار سجی ہوئی تھی اور اس کا شمار بھارتی فوج کے چنیدہ افسروں میں ہوتا تھا اس روز کیپٹن انوج نے ڈٹ کر سری نگر میں رہنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

"بریگیڈیئر صاحب کا میسج تو مل گیا ہو گا"

اس کے سی۔او نے فون آنے کے کچھ ہی دیر بعد اس سے پوچھا۔

"یس سر!" کیپٹن انوج نے قدم جماتے ہوئے کہا۔

"آج شام کو نکل جاؤ۔ایک یونٹ واپس جا رہی ہے۔تمہیں راستے میں ڈراپ کر دیں گے"

کمانڈنگ آفیسر نے تو سارا مسئلہ ہی حل کر دیا تھا۔

"But sir"۔وہ سر!"

"یہ تمہارا پرابلم نہیں ہے۔انہوں نے کہا اور آگے بڑھ گئے۔اس روز کیپٹن انوج کے دل میں اپنے باپ کے لئے عزت دو چند ہو گئی۔ان حالات میں جبکہ کس کو ایک گھنٹے کی چھٹی نہیں ملتی تھی اسے تین دن کی چھٹی مل چکی تھی۔

o

شام گئے جب سری نگر سے جموں کی طرف جانے والی بی ایس ایف کی ایک کمپنی کی جیپ میں وہ عازم سفر تھا تو یہ سوچ کر حیران ہو رہا تھا کہ آخر اتنی پڑھی لکھی اور ایڈوانس فیملی کے لوگ اتنے "دھارمک" کیوں ہیں۔خود اسے کبھی دھرم سے کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی وہ مندر کے بجائے اپنا وقت کسی اور جگہ گزارنا زیادہ پسند کرتا تھا لیکن والد کے حکم پر اسے "ویشنو یاترا" کے لئے جانا پڑ رہا تھا۔

رات کے آخری پہر وہ "کٹڑہ" پہنچا جہاں پہلے سے سڑک کنارے ایک اور گاڑی اس کی منتظر تھی۔جو اسے آفیسرز میس میں لے آئی۔انوج نے اپنے لئے پہلے سے ریزرو کمرے کا رخ کیا اور لمبی تان کر سو گیا۔کیونکہ وہ جانتا تھا خواہ حالات کیسے ہی کیوں نہ ہوں اس کے "پاپا جی" ساڑھے آٹھ بجے اسے ناشتے کی میز پر دیکھنا چاہیں گے اور ایسا ہی ہوا۔ٹھیک آٹھ بجے میس حوالدار نے اسے جگا دیا۔

"سر! بریگیڈیئر صاحب کا حکم ہے آپ کو ساڑھے آٹھ بجے "بریک فاسٹ" کے لئے ان کے پاس پہنچا دیا جائے۔"

"اچھا یار"Give me 15minutes'

(مجھے پندرہ منٹ دو)

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

میس حوالدار سلیوٹ مار کر چلا گیا۔

پندرہ منٹ بعد وہ سویلین ڈریس میں تیار ہو کر وہاں موجود تھا۔ اور ایک جیپ اسے پہاڑی کے دوسری طرف ''فیملی رومز'' کی طرف لے جا رہی تھی۔ دس منٹ بعد جب وہ فیملی رومز پہنچا تو دروازے پر اس کے پاپا جی استقبال کے لئے موجود تھے۔

''جے ہند۔''

اس نے باپ کو دیکھتے ہی ہاتھ جوڑے اور جھک کر ان کے پاؤں چھو لئے۔

''جے ہند'' بریگیڈئیر شکلا نے اس کی کمر تھپتھپاتے ہوئے اسے چلنے کا اشارہ کیا

''مما کیسی ہیں پاپا؟'' چلتے چلتے ہی اس نے سوال کیا تھا۔ وہ جانتا تھا بریگیڈئیر صاحب کم از کم اس سے بات کرنے کے معاملہ میں خاصی کنجوسی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

''ایک دم شاندار۔ زبردست مل کر دیکھ لینا۔ تمہارا سفر کیسا رہا۔ کب پہنچے۔'' بریگیڈئیر نے جواب کے ساتھ ہی سوال بھی کر دیا۔

''رات تین بجے پاپا''

"Its ok" سولجر کے لئے نیند ضروری نہیں''

بریگیڈئیر صاحب نے اس کی طرف دیکھے بغیر بڑے سرد لہجے میں جواب دیا۔ دونوں لان سے گزر کر اب برآمدے تک آ گئے تھے۔ جہاں اس کی ماں دونوں بازو پھیلائے اس کی منتظر تھی۔ قریب آنے پر اس نے انوج کو اپنی بانہوں میں سمیٹا جیسے مرغی اپنے بچوں کو بلی سے بچانے کے لئے سمیٹتی ہے۔ وہ انوج کا منہ چومنے لگی تھی۔

"Enough" بریگیڈئیر صاحب کا حکم موصول ہوا ''یہ بچہ نہیں ہے۔ کیپٹن ہے انڈین آرمی کا آفیسر''۔

''میرے لئے تو وہی انوج ہے ابھی تک جسے میں اپنے ہاتھ سے کھانا کھلایا کرتی تھی'' مسز شکلا

نے اس کی بلائیں لیتے ہوئے کہا۔

''ماں بیٹے کا Love سین اگر ختم ہو گیا ہو تو ناشتہ کر لیں۔ وہاں کچھ اور شریف لوگ موجود ہیں''

بریگیڈئیر صاحب نے انہیں چلنے کا اشارہ کیا ڈائننگ ہال میں موجود ''شریف لوگوں'' کو دیکھ کر کیپٹن انوج کی تو باچھیں کھل گئیں۔

''شیپالی'' میجر جنرل کلونت کی بیٹی نے اپنا تعارف کرانے کے لئے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

''انوج'' اس نے شیپالی کو گرمجوشی سے جواب دیا۔

''کیپٹن انوج شکلا'' بریگیڈئیر صاحب نے تعارف مکمل کیا تو یہاں موجود میجر جنرل کلونت اس کی پتنی اور شیپالی تینوں نے زوردار قہقہہ لگایا تھا۔

''یار شکلا تو کبھی ریٹائر نہیں ہو سکتا'' میجر جنرل کلانت نے ہنستے ہوئے کہا۔

''صرف یونیفارم سر۔ اتاری ہے۔ باقی سب کچھ تو ویسا ہی ہے''

مسز شکلا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

ناشتے کی ٹیبل پر کیپٹن انوج اس طرح ناشتہ کر رہا تھا جیسے دوران تربیت وہ ڈیرہ دون اکیڈمی میں کیا کرتا تھا۔ وہ جانتا تھا اگر فوجی اصولوں کی ذرا سی بھی خلاف ورزی ہوئی اس کے پاپا سب کے سامنے ڈانٹ دیں گے۔ نجانے کیوں اسے یوں لگ رہا تھا جیسے شیپالی اس کے دلی جذبات سمجھ رہی ہے کیونکہ وہ مسلسل مسکرا رہی تھی اور کن اکھیوں سے ان کی طرف دیکھتی بھی جاتی تھی۔

''میں سری نگر میں ہی رہتا ہوں؟ کنٹونمنٹ ایریا میں۔ جب تک سری نگر میں ہو اپنا گھر سمجھ کر آتے رہنا۔ تمہارے باپ کا کورس میٹ ہوں فرق صرف اتنا ہے کہ میری ریٹائرمنٹ میں ایک سال باقی ہے'' اس کے ساتھ ہی اس نے قہقہہ لگایا۔

کیپٹن انوج حیران تھا کہ اس کے والد کے اتنے قریبی دوست اتنے زندہ دل بھی ہو سکتے ہیں۔

''تین ماہ سے میرے پیچھے پڑا ہوا تھا'' ویشنو یاترا'' کرنے کے لئے۔ آج پھنسا ہی لیا مجھے'' اس

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

نے پھر قہقہہ لگایا۔

جنرل کلونت مسلسل بول رہا تھا اس نے ماحول کی ساری ٹنشن ختم کردی تھی ناشتہ ختم ہونے تک وہ اپنی بیٹی، بیٹے، بیوی اور اپنا ہی نہیں انوج کے باپ کا بھی مکمل تعارف کروا چکا تھا۔

شیپالی نے فائن آرٹس میں ماسٹر کیا تھا اور اب سری نگر کے آرمی سکول میں پڑھاتی تھی۔ اسے کشمیر بہت پسند تھا اور اس نے اپنے والد سے کہہ دیا تھا کہ وہ ان کے کشمیر سے بھارت واپس جانے کے بعد بھی یہیں رہے گی۔ اس بات کا علم بھی اسے جنرل کلونت ہی سے ہوا تھا۔

ناشتے کے بعد سب لوگ آپس میں باتیں کرنے لگے۔ شیپالی اسے لان کے ایک کونے میں لے آئی تھی۔

''لگتا ہے آپ بولنے سے پہلے تولتے ضرور ہیں'' اس نے انوج کی سنجیدگی پر طنز کی۔

''نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں وہ دراصل پاپا کے سامنے'' انوج نے معذرت پیش کی۔

''What؟''۔ بھئی میں تو اپنے ''باؤ جی'' کے ساتھ پندرہ بیس منٹ بات نہ کروں تو وہ میرا انٹرویو شروع کردیتے ہیں'' شیپالی نے ہنستے ہوئے کہا۔''

''بہت گریٹ بندے ہیں۔ پہلے سنا تھا آج دیکھ بھی لیا'' کیپٹن انوج نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اور اب دیکھتے ہی رہیں گے۔ میرا مطلب ہے ہمارے ہاں آنا جانا تو لگا رہے گا ناں......''

شیپالی بھی مسکرا گئی۔

"OH Shoure"۔ انوج نے کہا۔

دونوں کے والدین نے انہیں ڈسٹرب نہیں کیا شاید لاشعوری طور پر کورس میٹ ہی نہیں بہت قریبی دوست بھی تھے اور ایک دوسرے سے ان کی رفاقت کی مثالیں انڈیا آرمی میں دی جاتی تھیں۔

تھوڑی دیر بعد ہی وہ ''ویشنو یاترا'' پر جا رہے تھے۔ کنٹڑہ سے ''ویشنو ماتا'' کے مندر تک کا سفر پیدل اور پانچ سے چھ گھنٹوں پر مشتمل تھا۔ پہاڑی راستہ جس پر حکومت نے بہت سہولیات بھی فراہم کی تھیں

لیکن پھر بھی اتنا طویل سفر۔ یوں تو اب یہاں جیپ کے لئے سڑک بنادی گئی تھی۔ لیکن ''یاتری'' اس کا کم ہی استعمال کرتے تھے ''ماتارانی'' کے ''شردھالو'' پیدل چلنے کو ترجیح دیتے۔ راستے میں تھک کر ستانے بیٹھ جاتے۔ دونوں فوجی افسران نے جو ''ماتا ویشنو'' کے بھگت تھے اس پر عمل کیا اور پیدل ہی چلنے کو ترجیح دی۔ ان کا سامان البتہ ایک پورٹر نے اٹھا رکھا تھا۔

کیپٹن انوج اور شیپالی کے لئے تو کوئی خاص مسئلہ نہیں تھا لیکن وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ان کے بزرگوں نے کسی بھی لمحے کمزوری کا مظاہرہ نہیں کیا۔ کیپٹن انوج نے حال ہی میں آرمی کا انٹیلی جنس کورس پاس کیا تھا۔ اس لئے وہ بخوبی اندازہ لگا سکتا تھا کہ کچھ سادہ پوش ''یاتریوں'' کے روپ میں ان کی حفاظت کے لئے ان کے آگے پیچھے چل رہے ہیں۔ بھارتی آرمی اپنے افسران کو اس طرح ''اگروادیوں'' کے رحم وکرم پر تو چھوڑ نہیں سکتی تھی۔

''بھیرو مندر'' تک کا فاصلہ انہوں نے بمشکل دو گھنٹے میں طے کر لیا تھا یہاں ستانے اور چائے پینے کے بعد وہ ''ہاتھی متھا'' کی طرف جا رہے تھے جہاں پہنچ کر انہوں نے ''بھوجن'' کیا اور آگے چل دیئے۔ سورج غروب ہونے سے پہلے وہ ''ماتارانی کے مندر'' پر پہنچ گئے تھے۔

چار ساڑھے چار گھنٹے کے اس راستے کا حاصل کیپٹن انوج کے لئے شیپالی اور شیپالی کے لئے کیپٹن انوج تھے۔ دونوں نے جی بھر کے باتیں کیں۔ ایک دوسرے سے مکمل آگاہی حاصل کی اور اب دونوں ایک دوسرے کے اتنے قریب آ چکے تھے جس کا شاید انہوں نے زندگی میں کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔ دونوں کے لئے یہاں ہونے والی رسومات اور عبادات کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھیں وہ ایک دوسرے میں مگن تھے۔

رات کو جب سرائے میں باقی گھر والے تھک ہار کر لمبی تان کر سو رہے تھے تو دونوں سرائے کے باہر پہاڑی بھول بھلیوں میں ایک بڑے پتھر پر آلتی پالتی مارے ایک دوسرے میں گم تھے۔ کیپٹن انوج کو سری نگر میں قیام کا جواز مل چکا تھا اور شیپالی کو اپنا جیون ساتھی۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

یہاں سے واپس اور پھر کٹڑہ سے سری نگر تک کا سفر کیپٹن انوج نے جنرل کلونت کی فیملی کے ساتھ کیا تھا اپنی یونٹ میں پہنچ کر بھی وہ ابھی تک ماتا ویشنو کی پہاڑی بھول بھلیوں میں کھویا ہوا تھا۔

شیپالی اور کیپٹن انوج کی محبت بانس کے درخت کی طرح پروان چڑھی ابھی اسے سری نگر واپس لوٹے بمشکل دو ماہ گزرے تھے جب اس کی ڈیوٹی ایڈوانس انٹیلی جنس یونٹ کے ساتھ لگ گئی وہ اپنی بٹالین کی انٹیلی جنس یونٹ میں شامل ہو گیا۔ جہاں اسے شیپالی سے ملاقات کے زیادہ مواقع میسر آنے لگے۔ انٹیلی جنس یونٹ میں آنے سے کیپٹن انوج کو حالات زیادہ قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا۔ اس نے بڑی محنت سے سری نگر میں اپنا نیٹ ورک پھیلایا تھا اور مجاہدین سے برگشتہ دو ایسے ''مجاہد'' ڈھونڈ لئے تھے جن کے ذریعے اسے کئی اہم اطلاعات اتنی بروقت مل جاتی تھیں کہ اس کے افسران بھی بسا اوقات حیران رہ جاتے۔ دو مرتبہ تو ایسا ہوا کہ کیپٹن انوج کے ''سورس'' نے اسے ''مجاہدین'' کی طرف سے ہونے والے حملوں سے بمشکل پندرہ بیس منٹ پہلے خبردار کیا جس سے کئی جانیں بچ گئیں۔

زندگی اپنے ڈھنگ سے بڑی شاندار گزر رہی تھی۔ کہ اچانک شیپالی کو ایک خصوصی کورس کے لئے دلی جانا پڑا۔ تین ماہ کا یہ کورس شیپالی کی ڈاکٹریٹ کے لئے ضروری تھا۔ انوج نے اسے بادل نخواستہ ہی ''ہاں'' کی تھی ورنہ تو وہ ایک دن بھی اس کے بغیر گزارنے کا تصور نہیں کر سکتا تھا۔ ہوائی اڈے پر اس نے خود شیپالی کو رخصت کیا تھا اور بڑے بوجھل دل سے واپس یونٹ میں آیا۔ تین ماہ اس نے تین صدیوں کی طرح گزارے، اس دوران گو کہ کام کا دباؤ بہت زیادہ تھا۔ ''مجاہدین'' کی کارروائیاں اپنے نقطہ عروج کو چھو رہی تھیں۔ ہر روز وہ کسی نہ کسی آرمی کنوائے پر گھات لگاتے اور اپنا کام کر کے نکل جاتے تھے۔ انوج کا بنایا نیٹ ورک اس ایریا میں سب سے کامیاب جا رہا تھا۔ پل پل کی خبر مل رہی تھی اور اس کی عزت و وقار میں مسلسل اضافہ ہو رہا تھا۔ اس دوران اسے تین مرتبہ اعلیٰ سطحی میٹنگز کے لئے دلی جانا پڑا۔ تینوں مرتبہ اس نے شیپالی سے ملاقات کی اور دل کی بھڑاس نکالی

تھی۔ تین ماہ کیسے گزرے؟ اس کا احساس شیپالی کو نہ ہو سکا اور آج وہ اپنا کورس کامیابی سے مکمل کر کے سری نگر واپس جا رہی تھی۔ ایئرپورٹ پر کیپٹن انوج بے چینی سے اس کا منتظر تھا جس نے اس کی آمد پر تمام احتیاطیں بالائے طاق رکھتے ہوئے اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔ دونوں نے وہ رات جاگ کر گزاری تھی۔

شیپالی کی آمد کے تیسرے ہی دن کیپٹن انوج کمار کو وہ حکم ملا جس کے نہ ملنے کی وہ ہمیشہ دعائیں کیا کرتا تھا۔ اس کی بٹالین دراس کارگل سیکٹر جا رہی تھی گو کہ یہ فاصلہ اتنا زیادہ نہیں تھا لیکن اب وہ شیپالی کو بہت مس کرنے لگا تھا۔ اگلے روز اپنی یونٹ کے ساتھ وہ دراس کارگل سیکٹر جا رہا تھا جہاں بڑی آزمائشیں اس کی منتظر تھیں۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

نیا باب

کچھ لمحوں کے لئے تو اس خبر نے کیپٹن انوج کو چکرا کر رکھ دیا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کرے؟ کدھر جائے؟ شیپالی سے تین ماہ بعد اس کا ملاپ ہوا تھا اور اب اسے لائن آف کنٹرول پر دھکیلا جا رہا تھا۔ جہاں سے واپسی کی امید تو ضرور کی جا سکتی تھی لیکن تاریخ نہیں دی جا سکتی تھی۔

اس روز شام کو آفیسرز کلب میں جب شیپالی اور وہ ایک کونے میں بیٹھے کافی سے دل بہلا رہے تھے تو اس نے شیپالی کو یہ دل دہلا دینے والی خبر سنائی۔

"Waht?"۔شیپالی نے دکھ اور حیرت کے ملے جلے جذبات سے ردعمل ظاہر کیا۔

''ہاں شیپالی۔Its part of duty۔سولجر حکم کا تابع ہے۔اگر مجھے ''نرک'' میں چھلانگ لگانے کا حکم ملے تو میں وہاں بھی کود جاؤں گا۔'' اس نے تاسف بھرے لہجے میں کہا شیپالی اس کی محبوبہ ضرور تھی لیکن تھی جرنیل کی بیٹی۔اس مرحلے پر وہ اپنے محبوب کو کمزور نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔

"Be Brave"۔اس نے انوج کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔تم جہاں کہیں بھی رہو۔ میری دھڑکنوں میں بسے رہو گے۔ ہر لمحہ میرے دل کے نزدیک رہو گے۔ یہاں''۔اس نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر اس کی طرف جھکتے ہوئے کہا۔

''اور تم بھی شیپالی۔ میں تمہیں بہت مس کروں گا۔ مجھ سے روزانہ فون پر بات کرنا۔ اور جب بھی موقعہ ملا میں تم سے ملنے آیا کروں گا۔'' کیپٹن انوج سنبھل گیا تھا۔

''تم ہی کیوں۔why not me?(میں کیوں نہیں)''

شیپالی نے کہا۔

''نہیں شیپالی تم جانتی ہو یہاں حالات اچھے نہیں۔ آرمی کے لوگ تو بالکل غیر محفوظ ہیں۔ پاکستانی انٹیلی جنس نے ہمیں دیوار سے لگانے کا مکمل انتظام کر لیا ہے شیپالی۔''

کیپٹن انوج نے اسے سمجھایا۔

''نہیں انوج۔ میں جنرل کلونت کی بیٹی ہوں۔ ان باتوں سے ڈرنے والی نہیں''۔شیپالی نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"Be practical"(حقیقت پسند بنو) انوج نے طنزیہ مسکراہٹ اچھالی۔

''انوج پلیز کبھی Give up نہ کرنا''شیپالی کچھ سیریس ہو رہی تھی۔

''شیپالی کیسی بات کر رہی ہو۔ میں بھی بریگیڈیئر شکلا کا بیٹا ہوں۔''

انوج کے جواب سے شیپالی کو محسوس ہوا جیسے وہ بھی سیریس ہو رہا ہے۔

''چھوڑو یار کس چکر میں پڑ گئے ہم دونوں۔ چلو جو وقت ملا ہے اس کو انجوائے کریں۔''

وہ کیپٹن انوج کا ہاتھ پکڑ کر ڈائننگ روم میں آ گئی جہاں فوجی افسروں کی بیگمات اور محبوبائیں ایک دوسرے کی بانہوں میں بانہیں ڈالے مصروف رقص تھے۔ دونوں اس کا حصہ بن گئے۔

O

کیپٹن انوج کو ''دراس'' روانگی کے وقت مسز کلونت اور شیپالی دونوں ملنے آئی تھیں انہوں نے جنرل صاحب کی طرف سے اسے ''شبھ کامنائیں'' بھی پہنچائی تھیں۔ صبح بریک فاسٹ کے بعد ''دوبار'' ہوا جس میں سنی۔ اونے انہیں بریفنگ دی اور پھر یونٹ ''دراس'' کی طرف روانہ ہو گئی۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

اپریل کا آغاز تھا۔

موسم کھلنے لگا تھا۔ درختوں پر سرخ رنگ کے پتے اپنی بہار دکھا رہے تھے اور کشمیر کے چنار دن کی روشنی میں سورج کی طرح دمکتے دکھائی دیتے تھے۔ یونٹ کو اس بات کی قدرے خوشی تھی کہ کم از کم انہیں ہڈیوں میں گودا جما دینے والی سردی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ یہ بات تو ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ آگے کس طرح کے حالات اور موسم کا جبر ان کا منتظر تھا۔ دراس تک کا سفر بخیریت گزرا تھا لیکن صرف ان کے لئے۔ اور اس کی وجہ تھی یونٹ کے ''انٹیلی جنس ونگ'' کے حفاظتی اقدامات کیپٹن انوج کمار شکلا نے ایک روز پہلے ہی ایڈوانس پارٹی بھیج دی تھی۔ جس سے مسلسل ریڈیائی رابطے کے بعد اختیار کردہ حفاظتی اقدامات نے ان کا سفر محفوظ کر دیا تھا ورنہ تو ان سے پہلے جانے والے اور بعد میں آنے والی ہر رجمنٹ کو کہیں نہ کہیں کشمیری مجاہدین نے انگیج ضرور کیا تھا۔

کیپٹن انوج کمار شکلا نے دراس پہنچتے ہی اپنی پیشہ ورانہ سرگرمیوں کا آغاز کر دیا تھا۔ وہ کنٹرول لائن سے پندرہ کلومیٹر کی دوری پر خیمہ زن ہوئے تھے یہاں پہلے سے محفوظ بیرکس موجود تھیں جوان کے لئے خالی کی گئی تھیں۔ انوج کمار نے ایسی ہی ایک ''بیرک'' کو اپنا آفس بنا لیا تھا اور اب وہ اپنے کیبن میں اپنے سامنے نقشہ پھیلائے یہاں کی جغرافیائی صورتحال پر غور کر رہا تھا یہاں نزدیکی دیہاتوں کی قریباً اسی فی صد آبادی مسلمان تھی۔ یہ وہ بدقسمت لوگ تھے جو 1965ء اور 1971 کی نئی سرحد بندیوں کے بعد پاکستان اور مقبوضہ کشمیر کے درمیان تقسیم ہو گئے تھے اور اب انتہائی قابل رحم زندگی بسر کر رہے تھے۔ بھارتی فوج کے لئے ان کا وجود ناقابل برداشت تھا لیکن اس تلخ حقیقت نے ان کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے تھے کہ یہاں ہندو آبادی کہاں سے لا کر آباد کی جائے۔ ہندو اور کافی تعداد میں سکھ بھی مقبوضہ کشمیر کے دیگر شہروں سے دلی جا چکے تھے۔ کشمیری پنڈتوں نے تو دلی اور جموں کو اپنا مسکن بنا لیا تھا اور حکومت کے لئے مستقل مسئلہ بنے ہوئے تھے۔ اس صورتحال نے بھارتی انٹیلی جنس ایجنسیوں کے ہاتھ باندھے ہوئے تھے کیونکہ ان کے لئے ان کا اجتماعی قتل عام ممکن نہیں

تھا۔

اس کمزوری پر قابو پانے کے البتہ بھارتی انٹیلی جنس نے دوسرے راستے نکال لئے تھے۔ انہوں نے کنٹرول لائن کے ساتھ ساتھ موجود ان تمام دیہاتوں کے مکینوں کا مکمل ریکارڈ محفوظ کر لیا تھا اور ایسا نظام یہاں بنا لیا تھا کہ کسی بھی شہری کی پورے دن میں ہونے والی کوئی بھی نقل و حرکت ان سے محفوظ نہیں رہتی تھی۔

شام کو ایک مخصوص وقت کے بعد یہاں کرفیو نافذ کر دیا جاتا تھا دن کو یہ لوگ فوج اور انٹیلی جنس کی سخت نگرانی میں کاروبار حیات چلاتے تھے۔ ان کی غربت اور دیگر کمزوریوں کو ایکسپلائٹ Expoliet کرتے ہوئے انہوں نے قریباً ہر دوسرے تیسرے گھر میں اپنا ایک ''مخبر'' بنا لیا تھا۔

یہ ''سورس'' انہیں اپنے گاؤں کی ایک ایک پل کی خبر دیتا اور اپنا الو سیدھا رکھتا تھا۔ ''مخبروں'' کا ہر جال بڑی مضبوطی، ترتیب اور حکمت عملی کے تحت پھیلایا گیا تھا جس کے بعد یہ علاقہ ان کے لئے قدرے محفوظ ہو گیا تھا لیکن جب سے کشمیری مجاہدین کی سرگرمیاں بڑھنے لگی تھیں بھارتی فوج کے لئے خدشات بھی بڑھنے لگے تھے اور جلد ہی انہیں یہ احساس ہو گیا کہ نزدیکی جنگلات اور پہاڑیوں میں مجاہدین پناہ لیتے ہیں۔ انہوں نے اپنی خفیہ کمین گاہیں بھی تیار کر رکھی ہیں اور وہ سامان خورد و نوش ان ہی دیہاتوں سے حاصل کرتے ہیں سب سے بڑھ کر تشویشناک بات یہ تھی کہ ان دیہاتوں میں مجاہدین کے حمایتیوں کی تعداد تیزی سے بڑھنے لگی تھی یوں محسوس ہوتا تھا جیسے یہ لوگ عرصے سے ایسے ہی کسی وقت کے منتظر تھے جواب آ گیا تھا۔

کیپٹن انوج کمار کی تربیت اپنے گھر سے شروع ہوئی تو اس کے باپ نے اپنی فوجی زندگی کے قریباً دس سال ان علاقوں میں گزارے تھے اور وہ اپنی سٹوڈنٹ لائف میں سری نگر اور کپواڑہ میں اپنے والد کے پاس چھٹیاں گزارنے آتا رہا تھا۔ لڑکپن ہی سے اس نے یہاں جاری جدوجہد کی کہانیاں اپنے باپ سے سنی تھیں۔ فوج میں کمیشن اور بعد میں انٹیلی جنس کے خصوصی کورس پاس کرنے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

سے اس کا سوچنے کا انداز خاصا پریکٹیکل ہو چکا تھا۔ وہ اندازوں اور سنی سنائی خبروں کو کبھی اپنی معلومات کی بنیاد نہیں بناتا تھا بچپن سے اس کے لاشعور میں اپنے باپ کی کہی یہ بات محفوظ تھی کہ یہ مسلمان مجاہدین ناقابل تسخیر ضرور ہیں لیکن صرف میدان جنگ میں۔ میدان جنگ کے باہر ان پر فتح پانے کے لئے انہیں ان کے ''سیاسی بزرگوں'' نے بڑے مضبوط اور کامیاب ہتھیار فراہم کئے تھے۔ یہ تھے ''سام۔ کام۔ ڈنڈ۔ بھیت'' جس کا مطلب تھا کہ ان کو لالچ، جنس، طاقت اور نفاق کے ہتھیاروں سے فتح کرلو۔ یہ وہ کمزوریاں تھیں جو ان مجاہدوں کو زمین چاٹنے پر مجبور کر دیا کرتی تھیں۔ بھارتی انٹیلی جنس ایجنسی خصوصاً ''را'' نے یہ تمام ہتھیار بڑی کامیابی سے استعمال کئے۔ یہی وجہ تھی کہ دلی سے اسلام آباد تک ان کا ایک مضبوط نیٹ ورک ہمیشہ سے موجود رہا۔

کیپٹن انوج کمار کے انسٹرکٹر نے ''را'' کی اکیڈمی میں انہیں پڑھاتے ہوئے متعدد مرتبہ یہ بات دہرائی تھی کہ اگر وہ اس زعم میں مبتلا ہوں گے کہ ان کے پاس پاکستان سے کئی گنا زیادہ مضبوط اور بڑی فوج موجود ہے تو یہ احمقوں کی جنت میں رہنے والی بات ہے۔ کشمیر میں جاری ''آتنک واد'' کے حوالے سے وہ ایک ہی بات کہتے تھے۔

''آپ لوگ طاقت کو ایک Option (آپشن) کے طور پر تو ان کو کچلنے کے لئے استعمال کر سکتے ہیں لیکن صرف Force سے انہیں ختم نہیں کیا جا سکتا۔ انہیں ختم کرنے کا زیادہ بہتر طریقہ ہے۔ ان میں پھوٹ ڈالو۔ پیسے کا بے دریغ استعمال کرو۔ ان کی ''منوکامنا'' (خواہشات) پوری کرو اور انہیں یقین دلاؤ کہ ہم پاکستانیوں سے زیادہ ان کے ہمدرد ہیں اور ان کا (Survial) زندہ رہنا صرف تمہارے ساتھ ہے، تمہاری وجہ سے ہی ممکن ہے۔ ان کے پاس اور کوئی ''آپشن'' نہیں ہے۔ اگر تم نے انہیں یہ احساس دلا دیا تو جنگ جیت جاؤ گے۔''

کیپٹن انوج کمار نے اس سبق کو حرز جان بنایا ہوا تھا۔ اس نے سری نگر میں اپنے تین ''سورس'' بنائے تھے۔ یہ تینوں مختلف مجاہد تنظیموں کے سرکردہ ممبران اور اپنی کمیونٹی میں ہیروز کا درجہ رکھتے تھے

لیکن اس نے بڑی ''چتورائی'' (ہوشیاری) سے ان کی کمزوریاں تلاش کر کے ان ''کمزوریوں'' کو ان کے خلاف بطور ہتھیار استعمال کیا اور انہیں مستقبل کے شاندار لالچ دے کر اپنے ساتھ کام کرنے پر مائل کیا تھا۔

کیپٹن انوج کمار کے تجربے نے اسے بتایا تھا کہ ان کی سب سے بڑی کمزوری ''غربت'' ہے اور اس نے خفیہ فنڈز کا بے دریغ استعمال کر کے بہترین نتائج حاصل کئے۔ اس کا ''سی۔ او'' بھی تجربہ کار اور حقیقت شناس تھا اس نے کیپٹن انوج کمار کو ''فری ہینڈ'' دیتے ہوئے کہا تھا ہمارا انٹیلی جنس کا بنیادی اصول "Betray" (دھوکہ دینا) ہے۔ لیکن ان کے ساتھ کبھی ایسا نہ کرنا جو وعدہ کرو۔ پورا کرو۔ ان کو اپنا دوست بناؤ۔ ان پر اعتماد کرو اور بہترین نتائج حاصل کرو۔

اپنے اس سی۔ او صاحب کے ساتھ اس نے ''دراس'' میں بھی اپنے کام کا آغاز کیا تھا۔ وہ کارگل سیکٹر میں موجود تھے۔ جو 1971 کے بعد سے کبھی میدان جنگ نہیں بنا تھا۔ سیاچن میں صورتحال بہت حساس ہو جاتی تھی لیکن اس سیکٹر میں زیادہ سرگرمی نہیں دکھائی دیتی تھی جس کی بڑی اور اہم وجہ یہاں کا انسان دشمن موسم اور ناقابل عبور پہاڑی اور زمینی سلسلے تھے۔ بظاہر تو کارگل سیکٹر میں آکر اس کی یونٹ خود کو سری نگر سے زیادہ محفوظ خیال کرتی تھی لیکن اس کے سی۔ او کا نقطہ نظر کچھ مختلف تھا۔

''میرا من کہتا ہے کہ جلدی یہ علاقہ میدان جنگ بنے گا'' اس نے دراس پہنچنے کے بعد کیپٹن انوج کمار اور اس کی ٹیم کو بریفنگ دیتے ہوئے کہا تھا۔ میرے پاس اپنی بات کے لئے ابھی کوئی Reasons نہیں ہیں۔ But کبھی کبھی دل کی بھی مان لینی چاہیے۔'' کرنل گریوال نے کہا تھا۔

کیپٹن انوج کمار کو یہاں آتے ہی ایک بڑا تحفہ ''بشیر بکروال'' کی صورت ملا۔ یہاں سے Move کر کے واپس بہار جانے والی گورکھا رجمنٹ کے انٹیلی جنس یونٹ کے کرنل نے روانگی سے پہلے یہ ''تحفہ'' کیپٹن انوج کمار کو منتقل کرتے ہوئے کہا تھا۔

''میں تمہارے ڈیڈی کا شاگرد ہوں۔ ایک بڑے آدمی کے بیٹے کو جو میرا ''گورو'' بھی ہے میں

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http: / /www.Paksociety.com for More

اس سے بڑا تحفہ نہیں دے سکتا۔''

''تھینک یو سر''۔ اس نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کرنل صاحب کا شکریہ ادا کیا۔

بشیر بکروال کنٹرول لائن کے اس طرف موجود پہلے بھارتی علاقے کے دیہات کا رہنے والا تھا۔ اس کا جنم اور ابتدائی جوانی پاکستانی علاقے میں گزری لیکن نئی سرحد بندیوں کے بعد وہ ''بھارتی ناگرگ'' بن گیا۔ کیپٹن انوج کمار نے پہلی ہی ملاقات میں اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ انتہائی چالاک اور پھرتیلا ہے۔ بکریاں چرانے کنٹرول لائن تک جانا اس کا معمول تھا اور کئی دفعہ وہ پاکستانی علاقے میں بھی ''بھول'' کر چلا جاتا تھا جہاں سے پاکستانی فوجی اسے بکریوں سمیت واپس دھکیل دیتے تھے ان کے لئے ان لوگوں کے دل میں ہمیشہ نرم گوشہ رہا اور پاکستانی فوج کی اسی ''سادگی'' کو ''را'' نے اپنا بہترین ہتھیار بنا لیا تھا۔

O

بشیر بکروال بڑا منجھا ہوا کھلاڑی تھا۔

اس کے لئے یہ کوئی نیا کھیل نہیں تھے۔ گزشتہ دس سال سے وہ بھارتی انٹیلی جنس کے لئے کام کر رہا تھا لیکن کسی کو کانوں کان بھنک نہیں پڑنے دی تھی۔ اپنے گاؤں کا ''کونسلر'' ہونے کے ناطے اس کی مقامی تھانے میں اچھی ''دعا سلام'' بھی تھی اور ارد گرد کے دیہاتیوں کے تھانے کچہری کے کئی کام اس کے ذریعے انجام پاتے تھے۔ یہی اس کی آمدن کا اچھا ذریعہ بھی تھا۔

''دراس'' پولیس سٹیشن کے ہر انچارج کو پہلے ہی سے یہ پیغام مل جاتا تھا کہ بشیر بکروال کی حیثیت مقامی وی آئی پی جیسی ہے اور اس کی ہر ممکن مدد کریں۔

یہ پیغام جہاں سے آتا تھا۔ پولیس والے اچھی طرح جانتے تھے اس لئے بشیر بکروال سے تعلقات بگاڑنے کا خطرہ مول نہیں لیا کرتے تھے۔

''صاحب جی آپ کے زیر کنٹرول علاقے میں ایک چڑیا بھی اگر اڑ کر دوسرے ٹھکانے پر جائے

گی تو آپ کو فوراً اس کی خبر ملے گی'' اس نے بڑے یقین سے کیپٹن انوج سے کہا تھا۔

کیپٹن انوج کمار کو مقامی آبادی سے معاملات کرتے قریباً ایک سال ہونے کو آیا تھا اس لئے اسے یہ تو یقین ہو چلا تھا کہ بشیر بکروال جو کچھ کہہ رہا ہے وہ کرنے کی سکت بھی رکھتا ہے۔

''تم مجھے اپنا اچھا دوست پاؤ گے۔'' اس نے بشیر سے مسکراتے ہوئے کہا اس روز اس نے بشیر کو ''ناں ناں'' کرنے کے باوجود اپنے ساتھ لنچ کروایا۔ کیپٹن انوج کمار کا سارا گھرانا ''ساکاہاری'' (ویجیٹیرین) تھا لیکن وہ صرف اپنے والدین کی موجودگی میں ''ساکاہاری'' بنتا تھا خصوصاً کشمیری کھانوں نے تو اسے مکمل گوشت خور بنا دیا تھا۔ اس نے بطور خاص بشیر بکروال کے لئے ''تندوری چکن'' مقامی مسلمان باورچی سے تیار کروایا اور دم رخصت دو ''رم'' کی بوتلیں بھی اس کے ساتھ کر دی تھیں۔ جنہیں دیکھتے ہی بشیر بکروال کی باچھیں کھل گئیں۔

''تھینک یو صاحب جی۔ تھینک یو۔''

''نو پرابلم یار۔ دوست ہو ہمارے۔ کوئی خدمت ہو بلا تکلف بتانا۔ تمہارے لئے تو اپنی جان بھی حاضر ہے''۔ کیپٹن انوج نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے بڑے دوستانہ انداز میں کہا تھا۔

اس نے اپنی دانست میں بشیر بکروال کو پوری طرح ''قابو'' کر لیا تھا۔ کیپٹن انوج کی خوش قسمتی تھی کہ اسے بشیر بکروال جیسا مخبر مل گیا تھا جو آزمودہ کار اور قابل اعتبار تھا ورنہ تو یہاں کے لوگ ان کے لئے قطعاً قابل اعتبار نہیں تھے اگر یہ قابل اعتبار ہوتے تو اب تک اس علاقے سے ''اگروادیوں'' کا خاتمہ ہو چکا ہوتا۔ یہ تمام مجاہدین جو سرحد پار سے آتے تھے ان کے پاس ہی پناہ لیتے تھے یا پھر انہیں ان کے ٹھکانوں کی خبر ضرور ہوتی تھی۔ بہر حال وجہ کچھ بھی رہی ہو۔ انوج کے لئے یہ اندھے کے ہاتھ بٹیر لگنے کے مصداق تھا۔

O

بخت خان اور اس کے ساتھی گزشتہ دو ماہ سے فارغ بیٹھے مکھیاں مار رہے تھے۔ اگر وہ چاہتے تو اس

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

دوران کم از کم اس مرتبہ بھارتی کنوائے کو نشانہ بنا چکے ہوتے لیکن ان کو ''کمانڈر صاحب'' کی طرف سے سختی سے حکم دیا گیا تھا کہ جب تک اگلے احکامات نہ ملیں وہ خاموشی سے اپنے ''ہیڈ آؤٹ'' Hide out میں چھپے رہیں البتہ بھارتی فوج کی نقل وحرکت کی روزانہ رپورٹ ان کی طرف سے اپنے مخصوص اور محفوظ طریقے سے جاتی رہے گی۔

بخت خان کا شمار مجاہد تنظیموں کے ان سرکردہ کمانڈروں میں ہوتا تھا جن کو ان علاقوں میں افسانوی حیثیت حاصل ہو چکی تھی۔ سری نگر سے کپواڑہ، بارہ مولا اور مقبوضہ کشمیر کے دیگر علاقوں میں متعدد مرتبہ اس نے بھارتی فوجیوں کو ناکوں چنے چبوائے تھے۔ گھات لگا کر حملے کرنے والے تو اور بھی کمانڈر تھے لیکن جس دیدہ دلیری اور بے خوفی کے ساتھ اس نے بھارتی فوجیوں کی عارضی چھاؤنیوں کو نشانہ بنایا تھا وہ کچھ اسی کا حصہ تھا۔ کپواڑہ میں اس کے تین معرکوں پر تو مقامی گیت بھی تیار ہو چکے تھے۔ ان تینوں معرکوں میں اس نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ بھارتی فوجیوں کی وردیاں پہن کر ان کی چھاؤنیوں میں گھسنے کے بعد ان سے بدلہ لیا کامیاب کارروائیوں کے بعد واپس آ گیا تھا۔ ایک معرکہ تو دن کے اوقات میں ہوا جس کا سارا شہر گواہ تھا۔

دو ماہ سے جب کمانڈر صاحب نے اسے دراس سیکٹر میں کنٹرول لائن کے نزدیک ٹھکانہ بنانے اور وہاں اسلحہ گولہ بارود جمع کرنے کی ہدایت کی تو وہ یہی سمجھا تھا چونکہ بھارتی فورس اور انٹیلی جنس ایجنسیاں ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑی ہیں اس لئے فی الوقت اسے پردہ سکرین سے ہٹا لیا گیا ہے تاکہ دشمن کی توجہ ہٹ جائے لیکن اب تو وہ بوریت محسوس کرنے لگا تھا۔

اب تک کا حاصل صرف ''سکینہ'' تھی۔

سکینہ۔ جس سے ملنے کے بعد اسے یقین ہو گیا تھا کہ قرون اولیٰ میں مسلم عورتوں کے جو واقعات اس نے سنے تھے وہ سب سچے تھے۔ سکینہ کی صورت میں اللہ نے بخت خان ہی نہیں تمام مجاہدین پر بڑا احسان کیا تھا۔

یہ ان کی آمد کا پہلا دن تھا۔ ایک گائیڈ تین دن اور راتوں کے سفر کے بعد بخت خان اور اس کے نو ساتھیوں کو بحفاظت ادھر پہنچا گیا تھا اور اب وہ بمباٹ نالے کے نزدیک ایک اونچی برف میں ڈھکی لیکن اپنوں اور غیروں کی نظروں اور دسترس سے محفوظ پہاڑی پر اپنا ٹھکانہ بنا چکے تھے۔ دوپہر کے بعد بخت خان نے نیچے اتر کر ''ریکی'' کرنے اور اس علاقے کو سمجھنے کا عندیہ دیا تھا۔

اس کے ساتھیوں کی رائے تو یہ تھی کہ فی الوقت یہ خطرہ مول نہ لیا جائے اور یہاں آٹھ دس روز چھپ کر صورتحال کا جائزہ لینے کے بعد ہی نیچے اتر کر باقی معاملات دیکھے جائیں۔ اس کے پاس آٹھ دس روز کا راشن ابھی موجود تھا۔ اپنے ساتھیوں کے بضد ہونے پر وہ کسی نہ کسی طرح تین چار روز تو وہاں رکا رہا۔ پانچویں دن اس نے ''ریکی'' کرنے کا تہیہ کر ہی لیا۔

''سوکھے دودھ کی چائے اب مجھ سے نہیں پی جاتی۔ یہاں چاروں طرف بکریاں موجود ہیں۔ دودھ حاصل کرنے کا بندوبست کرتا ہوں۔ آخر ہمیں مزید چار پانچ روز بعد راشن بھی تو لانا ہے۔''

بخت خان چونکہ ان کا مقامی کمانڈر بھی تھا اس لئے سب نے بادل نخواستہ اس کی ہاں میں ہاں ملا دی۔ بخت خان نے اپنے ایک ساتھی کو ساتھ لیا۔ دونوں نے مقامی آبادی کا لباس پہنا اپنے لباس میں دو دو ہینڈ گرنیڈ اور پستول چھپا کر پہاڑی سے نیچے اترنے لگے۔ دونوں منجھے ہوئے آزمودہ کار مجاہد تھے۔ بڑی احتیاط سے نیچے اتر رہے تھے بالآخر وہ ایک ڈھلانی راستے سے گزر کر بمباٹ نالے کی طرف جانے والے کچے راستے پر چل دیئے۔ یہ قدرے میدانی علاقہ تھا اور کہیں کہیں اکا دکا بکریاں کھیتوں میں چرتی دکھائی دے رہی تھیں۔ یا پھر پہاڑی ڈھلانوں پر اگے قدرتی جڑی بوٹیوں سے پتھروں پر پاؤں جما کر اپنے پیٹ کی آگ بجھا رہی تھیں۔

دونوں اپنی تربیت کے مطابق ایک دوسرے سے فاصلہ رکھ کر اور بظاہر ایک دوسرے کے لئے اجنبی بنے رہے تھے جب بخت خان کو کچھ فاصلے پر ایک مقامی لڑکی بکریاں چراتی دکھائی دی۔ اس نے آگے جانے کے بجائے یہیں قسمت آزمائی کا فیصلہ کیا۔ تجربے نے اسے بتایا تھا کہ کشمیری کی

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

نوجوان لڑکیاں مجاہدین کا بدترین حالات میں بھی ساتھ دیتی ہیں۔

بخت خان کے اشارے پر اس کا ساتھی کچھ فاصلے پر ایسی پوزیشن میں چلا گیا تھا جہاں سے وہ دوسروں کی نظروں سے محفوظ رہ کر صورتحال پر نظر رکھ سکے اور وقت آنے پر اپنے کمانڈر کی مدد کو بھی پہنچ جائے۔

بخت خان چوکنا اس کی طرف بڑھا اور نزدیک جا کر اسے سلام کیا

''وعلیکم السلام''۔لڑکی نے اپنی بڑی سی چادر کو سنبھالتے ہوئے کہا

''کچھ دودھ مل جائے گا۔ بخت خان نے پوچھا۔

''پہلے تمہیں دیکھا نہیں کبھی۔ کدھر سے آئے ہو؟''

بخت خان چونکا،لڑکی ہوشیار دکھائی دیتی تھی۔

''ادھر سے''۔اس نے پہاڑ کے دوسری سمت اشارہ کیا۔

''اس جگہ کا کوئی نام تو ہوگا۔''لڑکی نے ایسے لہجے میں سوال کیا کہ بخت خان کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ کا احساس ہوا۔

''دراصل میں مہمان ہوں۔کل ہی آیا ہوں۔گھومتا ہوا اس طرف آ گیا۔میں سری نگر کا رہنے والا ہوں''۔اس نے سنبھل کر جواب دیا۔

''مجاہد ہو''۔لڑکی نے اس طرح اچانک اور بے جھجک کہا تھا کہ بخت خان چکرا کر رہ گیا۔ایک لمحے کے لئے اس نے سوچا پھر بولا۔

''ہاں''

''الحمدللہ''لڑکی کے منہ سے نکلے اگلے الفاظ نے اس کے قدموں کی مضبوطی میں اضافہ کر دیا۔

''اگر تم مجھے اپنے لئے خطرہ سمجھتی ہو تو میں واپس لوٹ جاتا ہوں'' بخت خان نے اسے ٹٹولا۔

''نہیں۔ مجھے تو کب سے تمہارا انتظار تھا۔میرا نام سکینہ ہے۔تم نے پہاڑی کے دوسری طرف

جس گاؤں کا اشارہ کیا اس کا نام ''ختن'' ہے۔ میں اسی گاؤں کی رہنے والی ہوں۔تمہارا نام کیا ہے؟''اس نے اپنے تعارف کے ساتھ اگلا سوال بھی کر دیا۔

''میری تربیت کے مطابق مجھے اپنا نام نہیں بتانا چاہیے۔میں تمہیں کوئی بھی غلط نام بتا کر مطمئن بھی کر سکتا ہوں لیکن تم نے جس جذبہ ایمانی اور سادگی سے سچ بولا ہے میں اس کی قدر کرتا ہوں۔میرا نام بخت خان ہے''

''بخت خان''۔اس نے بڑی عقیدت اور خوشی کے جذبات سے اس کا نام دھرایا۔

''ہاں''مختصر جواب ملا۔

''اللہ اکبر،اللہ اکبر،الحمدواللہ الحمدوللہ، میں آپکو جانتی ہوں۔میرے والد کا آنا جانا سری نگر لگا رہتا ہے۔میں بھی سال میں پانچ چھ چکر لگاتی ہوں وہاں کا ہمارے گھر اخبار بھی آتا ہے۔ٹی وی اور ریڈیو بھی ہے۔میرے والد کونسلر ہیں علاقے کے۔میں نے آپ کے کارنامے......''

''ایسی کوئی بات نہیں۔ہم سب مل کر جہاد کرتے ہیں۔اللہ جس کسی کو سعادت کے لئے منتخب کر لیں اس میں منتخب ہونے والے کا کوئی کمال نہیں''

اس نے سکینہ کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''آپ کا زیادہ دیر یہاں رکنا مناسب نہیں۔آپ سامنے بیٹھ جائیں میں بکری کا دودھ دھو کر لاتی ہوں''اس نے بخت خان کو سامنے ایک محفوظ کنج کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

بخت خان نے اس کی طرف دیکھا۔دل ہی دل میں اس کا اور اللہ کا شکر ادا کیا اور اس محفوظ گوشے میں ایک پتھر پر بیٹھ گیا جہاں اس کا دوربین سے بھی کسی کو دکھائی دینا ممکن نہیں تھا۔اس کا ساتھی بڑی دلچسپی سے صورتحال کا جائزہ لے رہا تھا کیونکہ ابھی تک کمانڈر صاحب کی طرف سے کوئی اشارہ موصول نہیں ہوا تھا اس لئے وہ سامنے نہیں آ سکتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد سکینہ دو بکریوں کا دودھ دھو کر لے آئی۔ یہ کم از کم تین چار کلو دودھ تھا جس کا ایک

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

ہی وقت میں حصول قریباً ناممکن تھا۔ یہ دودھ اس نے ایک چھوٹے پلاسٹک کی بالٹی میں ڈال کر اسے دیا تھا۔ بخت خان نے اسے پیسے دینے کے لئے کرتے کی جیب میں ہاتھ ڈالا۔

''نہیں۔ خدا کے لئے ایسا کبھی سوچیے بھی ناں۔'' اس نے بخت خان کو روک دیا۔

''لیکن یہ ہماری روایت نہیں۔ ہمیں سختی سے ہدایت کی جاتی ہے کوئی چیز مفت نہیں لینی'' بخت خان نے بتایا۔

''میرے والد اس گاؤں کے کھاتے پیتے بندے ہیں۔ اس سے کچھ فرق نہیں پڑے گا۔ آپ اسے ایک بہن کی طرف سے مجاہدین کے لئے تحفہ سمجھ کر قبول کیجئے۔ میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بتائیں۔'' جواب ملا۔

بخت خان سوچ میں پڑ گیا۔! سکینہ نے اسے خاصا جذباتی کر دیا تھا یوں تو یہاں مسلمان عورتیں، اور بچیاں ان کے لئے اپنی جان سے گزرنے کو تیار رہتی تھیں اور ایسے کئی واقعات بھی ہو چکے تھے جب اپنے گھر میں چھپے مجاہدوں کا پتہ نہ بتانے پر بھارتی فوجیوں نے انہیں اجتماعی آبروریزی کے بعد شہید کر دیا تھا لیکن اس ویرانے میں اس لڑکی کی طرف سے مدد کی پیشکش نے اسے بہت سکینت سے نوازا تھا۔

''اللہ تمہارا خلوص اکمل درجے میں قبول فرمائیں۔ اگر تم ہمارا چھوٹا سا کام کر دیا کرو تو ہم تمہارے مشکور ہوں گے'' بخت خان نے کہا۔

''آپ حکم کریں۔ اپنے مجاہدوں کے لئے میری جان بھی حاضر ہے۔ سکینہ نے جواب دیا۔

''اگر تم آسانی سے ہمیں دوسرے تیسرے دن بازار سے سبزیاں دالیں وغیرہ خرید کر لا دیا کرو اور وہ ہم یہاں وصول کر لیا کریں۔ یا پھر جس طرح تم کہو......'' اس نے پرامید نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''آپ کی خدمت میرے لئے سعادت ہو گی۔ مجھے تو امید تھی کہ آپ کوئی بڑی ذمہ داری

سونپیں گے۔ بہرحال جیسے آپ کی مرضی، انشاء اللہ وقت آنے پر آپ مجھے اپنی صفوں میں اپنے ساتھ موجود پائیں گے''۔ سکینہ نے بڑے تیقن سے کہا۔

''اللہ تمہیں اجر عظیم سے نوازے۔ اب کچھ اور نہ کہنا۔ یہ کہتے ہوئے بخت خان نے اپنے جھولے سے کچھ نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھائے اور اس سے کچھ سبزیوں، دوائیوں کے متعلق ہدایات دے کر اگلے دو روز کے بعد اس سے یہیں ملنے کا وعدہ لے کر اجازت لی۔

''اللہ کے حوالے۔ اللہ آپ سب کی حفاظت کرے۔ میرا سلام تمام مجاہد بھائیوں سے کہنا اور انہیں بتانا کہ ان کی بہنیں وقت آنے پر ان کے شانہ بشانہ کھڑی ہوں گی۔'' سکینہ نے دعائیں دیتے ہوئے اسے رخصت کیا۔ اس کی گفتگو سے اندازہ ہو رہا تھا کہ زیادہ نہیں پھر بھی وہ پڑھی لکھی ضرور ہے۔.........

بخت خان جب اپنے ہمراہی کے ساتھ اپنے ہائیڈ آوٹ پر دودھ سمیت پہنچا تو سب حیران رہ گئے۔

''یہ کیا؟''۔ امین نے حیرت اور خوشی کے ملے جلے جذبات سے پوچھا۔

''اللہ اپنے راستے میں چلنے والوں کے لئے آسانیاں پیدا فرماتے ہیں اور اپنے فرشتوں کے ذریعے ان کی مدد کرتے ہیں۔ فی الوقت میں اس سے آگے کچھ نہیں کہہ سکتا۔''

O

سکینہ نے ایک بڑی ذمہ داری اپنے سر لے تو لی تھی لیکن وہ اسے پورا کر بھی پائے گی یا نہیں۔ اس کا اسے علم نہیں تھا۔ وہ چاہتے ہوئے بھی بخت خان کو یہ نہیں بتا سکی تھی کہ وہ بشیر بکروال کی بیٹی ہے اور اسے اس کی بات کا بھی علم ہے کہ اس کا باپ بھارتی فوج کے لئے مخبر کا کام کرتا ہے۔ اس کے باپ نے انہیں یہی بتایا تھا کہ ایک کونسلر ہونے کے ناطے اسے سب سے صاحب سلام رکھنی پڑتی ہے اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس کے اپنے لوگ کئی فوائد سے محروم رہیں گے اور کئی مشکلات کا شکار بھی ہو جائیں

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

گے۔اس کی ان بودی دلیلوں سے سکینہ کی ماں تو مطمئن ہو جاتی تھی لیکن وہ کبھی مطمئن نہ ہوئی وہ بشیر بکروال کی سب سے بڑی بیٹی تھی دو چھوٹی بہنیں، اور ایک چھوٹا بھائی اس کے علاوہ تھے۔

سکینہ نے میٹرک تک تعلیم حاصل کی تھی اس کے بعد اپنے خاندانی پیشے بکریاں پالنے ان کا دودھ فروخت کرنے سے منسلک ہو گئی تھی۔ چونکہ اس سے بڑا کوئی بھائی نہیں تھا اس لئے یہ ذمہ داری اس نے سنبھالی تھی۔ والد کی طرف سے دو تین مرتبہ کوشش کی گئی کہ یہ کام کسی تنخواہ دار کے سپرد کر کے لیکن کوئی بھی ڈھنگ کا بندہ نہ مل سکا۔ کچھ خاندانی کام اور کچھ موجودہ صورتحال کا تقاضہ اس نے ''بکروالی'' کبھی نہ چھوڑی کیونکہ بکریاں چرانے کی آڑ میں وہ لائن آف کنٹرول تک جا سکتا تھا اور یہی اس کا بہترین Cover (کور) بھی تھا جس کی آڑ میں اس نے اپنا دھندہ چلایا ہوا تھا۔ گزشتہ دس سال سے وہ بھارتی انٹیلی جنس کے لئے کام کر رہا تھا اور جب بھی اس نے اپنا آبائی پیشہ چھوڑنے کی خواہش ظاہر کی اسے سختی سے روک دیا گیا۔

سکینہ نے بخت خان کی اچانک ملاقات کو قدرت کی طرف سے اپنے باپ کے گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کا وسیلہ جانا تھا اور اس پر اللہ کا شکر بھی ادا کیا تھا۔ کیونکہ ان کے گھر میں ''پراسرار لوگوں'' کی آمد و رفت لگی رہتی تھی اس لئے اسے جو کچھ بھی کرنا تھا بڑی احتیاط سے کرنا تھا۔ گاؤں میں سبزی کی صرف ایک دکان تھی اگر وہ یہاں سے سبزی خریدتی تو اس پر شک کیا جا سکتا تھا۔ وہ اپنے باپ کی وجہ سے جانتی تھی کہ عموماً سبزی دودھ والی دکان پر مخبروں کی نظر رہتی ہے اور جو کوئی بھی معمول سے زیادہ خریداری کرے اس پر شک کیا جاتا ہے اس نے اس کے لئے کوئی اور طریقہ ڈھونڈ لیا تھا اور اب اس پر عمل کرنے جا رہی تھی۔

سکینہ جانتی تھی کہ نزدیک دور کے دیہاتوں کی عورتیں جنھوں نے نزدیکی پہاڑوں کے دامن میں میسر تھوڑی سی میدانی جگہ پر سبزیاں کاشت کی ہوتی ہیں عموماً یہیں سے گزرتی ہیں جہاں وہ بکریوں کے ساتھ موجود رہتی ہے۔ اگلے روز جب وہ اکیلی بکریوں پر نظر رکھے بیٹھی تھی تو اسے ایک عورت سر

پر سبزیوں کا گٹھا رکھ کر اس طرف آتی دکھائی دی۔

''سلام چاچی''۔اس نے نزدیک آنے پر کہا۔

''وعلیکم اسلام۔ جیتی رہ بیٹی''۔سبزی والی عورت نے اسے دعائیں دی۔

''بیٹھو تھوڑا آرام کرلو۔اس نے ''ناں ناں'' کرتی عورت کا ٹوکرا سہارا دے کر سر سے اتار لیا اور اسے بکری کا دودھ پینے کے لئے دیا۔

''اللہ تیرا بھلا کرے ''بچی'' عورت نے دعائیں دی۔

''میں تمہیں اکثر محنت کرتے دیکھتی ہوں۔اس عمر میں

اس نے عورت کو ٹٹولا۔

''کیا کروں پتر۔ بیٹا دو سال پہلے بی ایس ایف والوں نے گھر سے اٹھا لیا تھا آج تک واپس نہیں لوٹا۔ دو بیٹیاں ہیں اور میں دان کا باپ تو دس سال پہلے فوت ہو گیا تھا۔ مجھے یہ نرک بھوگنے کے لئے اکیلا چھوڑ گیا''

اس کا دکھ زندہ ہو گیا۔''ادھر کچھ زمین ہے ہماری وہاں سبزیاں لگا کر زندگی کی گاڑی کھینچ رہے ہیں''

سکینہ کو اس پر رحم آنے لگا تھا اس نے عورت کو ہمدردی کا یقین دلایا اس کے گاؤں کا پتہ پوچھا اور یقین کر لیا کہ اس گاؤں کا اس کے گاؤں سے کوئی تعلق واسطہ نہیں۔سکینہ نے اس سے سبزیاں دگنی قیمت پر خرید لیں اور اسے تلقین کی کہ وہ کسی کو یہ نہ بتائے دوسرے تیسرے روز وہ اس سے یہاں ہی خرید لیا کرے گی۔

''تم جانتی ہوناں چاچی۔ گاؤں گاؤں مخبر پھیلے ہوئے ہیں۔ اللہ نہ کرے کسی نے رپورٹ کر دی تو'' سکینہ نے اسے خبردار کیا

''بیٹی مجھ سے زیادہ ان حرام خوروں کو اور کون جانتا ہو گا جن کی وجہ سے میرا بیٹا غائب ہو گیا''

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

چاچی کو سکینہ نے خوش کر دیا تھا اور یہ بھی اچھی طرح جان لیا تھا کہ وہ مجاہدین کے لئے نرم گوشہ رکھتی ہے اور کبھی بھی بھارتی فوج کو مخبری نہیں کرے گی۔ یہاں سے رخصت ہونے پر اس نے سکینہ کو بہت دعائیں دی تھیں۔ سبزیاں سکینہ نے وہیں اپنے چھوٹے سے چھپر میں احتیاط سے چھپا دیں اور معمول کے مطابق لوٹ آئی جہاں سب سے بڑی خوشخبری اس کی منتظر تھی کہ آج اس کا باپ کسی ضروری کام سے سری نگر گیا ہے۔

سکینہ نے مہلت میسر آنے پر اللہ کا شکر ادا کیا۔ اس نے ماں اور گھر کے دیگر لوگوں سے نظریں چھپا کر مجاہدین کے لئے کچھ کھانا تیار کیا اور معمول کے مطابق واپس لوٹ آئی۔ آج بخت خان نے آنے کا وعدہ کیا تھا۔ اور وعدے کے مطابق آ بھی گیا۔

سکینہ کی طرف سے کھانا اور سبزیاں ملنے پر اس نے احساس تشکر سے آنکھیں جھکا لیں اور اس کا تہہ دل سے شکریہ ادا کیا۔

''تمہارا بہت شکریہ۔ اللہ تعالیٰ تمہارا یہ خلوص اور قربانی قبول فرمائیں میری درخواست ہے کہ بہت محتاط رہنا۔ فی الوقت یہاں ہمارا صرف تم سے رابطہ ہوا ہے اگر خدانخواستہ تم پر بھی شک ہو گیا تو بہت مسئلہ بن جائے گا۔''

بخت خان نے اسے سمجھایا۔

''ایسا انشاء اللہ کبھی نہیں ہو گا۔ میرے جیتے جی تو اس کی کبھی امید نہ رکھنا۔ میں مر تو سکتی ہوں لیکن مجاہدین پر میری وجہ سے کوئی آنچ بھی آئے اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔'' اس نے بخت خان سے بڑے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

''اللہ تمہیں استقامت دے۔ انشاء اللہ ہمارے ہوتے ہوئے ایسا ہو گا بھی نہیں''

بخت خان اس سے تھوڑی دیر باتیں کیں رخصت ہونے سے پہلے اس نے زبردستی بخت خان کو نمکین چائے بنا کر پلائی تھی اور بڑی ''چھنک'' مجاہدین کے لئے الگ سے دی تھی۔

قریباً ایک ماہ تک یہ سلسلہ کامیابی سے چلتا رہا۔ اس دوران سکینہ خاصی ٹرینڈ ہو گئی تھی۔ اس نے نہ صرف اس علاقے میں موجود بھارتی فوج کی مکمل تفصیلات بمعہ ان کے ٹرکوں، جیپوں اور کندھوں پر لگے نشانات کے اس تک پہنچائی بلکہ اس کیپٹن کا ذکر بھی کر دیا جو اس کے باپ سے ملنے آیا کرتا تھا۔

''کیوں؟'' بخت خان کے اس سوال پر اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور اسے بادل نخواستہ اپنے باپ کا مکمل تعارف کروانا پڑا۔ اس کے بعد سے تو اس کی اہمیت اور حیثیت بخت خان کے دل میں کئی فیصد بڑھ گئی تھی۔ اس نے دل ہی دل میں نجانے سکینہ کی عظمت کو کتنی مرتبہ سلام کیا اور اسے یقین ہو گیا کہ اس قوم کو کبھی شکست نہیں دی جا سکتی جہاں بشیر بکروال جیسے باپ کے گھر بھی سکینہ جیسی بیٹی موجود ہو۔ اس نے سکینہ کو متعدد مرتبہ محتاط رہنے کی درخواست کی تھی۔ سکینہ کے بضد ہونے پر اسے پستول چلانا سکھایا ایک پستول اور کچھ فالتو گولیاں بھی اسے دے دیں۔ وہ جانتا تھا کہ سکینہ یہ کچھ حاصل کرنے کے لئے بضد کیوں ہے۔

O

کیپٹن انوج کمار نے بشیر بکروال کے ذریعے چند دنوں ہی میں وہ کچھ حاصل کر لیا تھا جو اس کے پیشرو مہینوں کی جدوجہد کے بعد بھی حاصل نہ کر پائے۔ کنٹرول لائن کے نزدیک موجود قریباً ہر قابل ذکر گاؤں کے مکینوں کی تفصیلات، ان کے کاروبار، رشتہ داریاں، نظریات اور مستقبل میں ممکنہ عزائم سے متعلق جو ڈائری اسے بشیر بکروال سے فراہم کی تھی اسی کا حصول عام حالات میں کبھی ممکن نہ ہوتا۔ کرنل اگروال یہاں سے رخصت ہونے پر واقعی اس کے ساتھ ایک احسان عظیم کر گیا تھا۔

2 مئی 1999ء

بشیر بکروال نے طے شدہ منصوبے کے مطابق کنٹرول لائن کے نزدیک اپنی بکریاں چھوڑی ہوئی تھیں اور خود ایک چٹان کے نیچے چھپ کر آنکھوں سے دوربین لگائے بیٹھا تھا جو اسے کیپٹن انوج کمار نے دی تھی اور یہ ہدایت بھی اس کے ساتھ ہی کر دی تھی کہ اس دوربین کا علم ان دونوں کے علاوہ کسی

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http: / /www.Paksociety.com for More

تیسرے شخص کو نہیں ہونا چاہیے۔ دوربین کے مختلف پہیئے گھمانے پر اسے نزدیک اور دور کا منظر بہت واضح دکھائی دے رہا تھا۔ برف پہاڑیوں سے پگھل رہی تھی اور زمین میں برف تلے پھولدار جھاڑیاں نے بھی کہیں سر اٹھانا شروع کر دیا تھا۔ یہ علاقہ جہاں وہ موجود تھا لائن آف کنٹرول سے قریباً پندرہ کلومیٹر دور تھا۔ محض تجسس اور دوربین کا استعمال سکھینے کے لئے اس نے دوربین آنکھوں سے لگائی تھی جب اچانک اسے یوں لگا جیسے اس کی آنکھوں کے سامنے کوئی جھما کا ہوا ہو۔ اس نے دو فوجیوں کو ایک پہاڑی کے دامن سے نیچے اترتے دیکھا تھا۔

بشیر بکروال کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس کی نظروں نے دھوکا کھایا ہے۔ اس نے اپنی آنکھوں کو بند مٹھیوں سے ملا اور دوبارہ دوربین لگا کر دیکھنے لگا۔ اب ان کی تعداد تین ہو گئی تھی اور وہ کچھ اسلحہ وغیرہ پہاڑی کے اوپر چڑھانے میں مصروف تھے۔

''کون ہو سکتے ہیں یہ؟''۔ اس نے اپنے آپ سے سوال کیا

بھارتی فوجی تو ان دنوں یہاں ہیں نہیں۔ اگر ہوتے تو ضرور اسے علم ہوتا۔ اس نے سوچا۔ پھر اچانک ایک خیال اس کے دماغ میں آیا کہ وہ مزید آگے جا کر انہیں پہچاننے کی کوشش کرے۔ یہ سوچ کر وہ چند قدم آگے بڑھا پھر ٹھٹھک کر رک گیا۔

''کہیں یہ پاکستانی فوجی یا کشمیری مجاہدین تو نہیں''؟ اچانک اس خیال نے اس پر گھبراہٹ طاری کر دی۔

اس نے سوچا گر یہ بھارتی فوجی نہیں تو اس کی جان بخشی کبھی نہیں ہو گی اور وہ لوگ جو کوئی بھی ہوں محض اس جرم میں اسے مار ڈالیں گے کہ بشیر بکرواں نے انہیں دیکھ لیا ہے۔ وہ کوئی ایسا کومیٹڈ Commited فوجی نہیں تھا کہ محض کیپٹن انوج کے آگے نمبر بنانے کے لئے اپنی جان خطرے میں ڈالتا۔ اس نے آگے جانے کی بجائے اپنی بکریاں جمع کیں اور ڈھلان میں اترنے لگا وہ جلد از جلد یہ خبر کیپٹن انوج کو پہنچانا چاہتا تھا اس سے پہلے کہ کوئی اور اس جیسا اپنے نمبر بنا لے۔

کیپٹن انوج اس وقت اپنے سامنے فائل رکھے حیرت اور قدرے پریشانی سے کبھی فائل میں لگے کاغذ اور اس پر لکھے پیغام کو پڑھ رہا تھا کبھی وہ سر اٹھا کر ارد گرد موجود ان رپورٹس کو دیکھتا جو اس کے بالکل متضاد تھیں۔ فائل میں لگا خصوصی پیغام دلی سے آیا تھا جس پر "Very Confidantal" ''ویری کانفیڈنشل'' لکھا تھا یہ پیغام دراصل اس رپورٹ کا خلاصہ تھا جو ہیڈ کوارٹر کو پاکستان میں موجود اپنے مین ایجمنٹ کی طرف سے موصول ہوئی تھی جس میں اس نے دعویٰ کیا تھا کہ دراس کارگل سیکٹر میں کچھ گڑ بڑ ہو رہی ہے۔ انڈین ایجمنٹ نے گو کہ ہیڈ کوارٹر کو اس ضمن میں کوئی ثبوت نہیں روانہ کیا لیکن وہ اپنی خبر کی صداقت پر بضد تھا۔ ہیڈ کوارٹر نے اس سیکٹر میں آپریٹ کرنے والی تمام انٹیلی جنس یونٹس سے الگ الگ رپورٹ مانگی تھی اور سب نے اس سے انکار کیا تھا۔

کیپٹن انوج کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اس کا کیا جواب دے کیونکہ وہ بھی معمول کا جواب ہی لکھ سکتا تھا۔ اب تک وہ دو مرتبہ جوابی لیٹر ٹائپ کروا کر ضائع کر چکا تھا اور اپنے سی ،او سے ملاقات کے بعد جواب لکھنا چاہتا تھا۔ عین ان لمحات میں اسے بشیر بکروال کی آمد کی اطلاع ملی۔

رازداری کے خصوصی اہتمام کے پیش نظر بشیر بکروال کی آمد اس کے لئے چونکا دینے والی بات تھی قبل ازیں وہ اپنی آمد سے پہلے رپورٹ ضرور دیا کرتا تھا۔

''کوئی ایمرجنسی''۔؟ اس کے ذہن میں جھما کا ہوا۔

''لے آؤ۔ اس نے حوالدار سے کہا۔

تھوڑی دیر بعد بشیر بکروال کی اچانک آمد پر وہ چونکا۔

''سر جی۔ بڑی عجیب خبر لایا ہوں۔ مجھے بھی کچھ سمجھ نہیں آ رہی''

بشیر نے بڑا ناپ تول کر فقرہ کہا تھا۔

''کیا......؟ کئی خدشات یکدم اس کے ذہن میں جنم لے چکے تھے۔

'میں نے کچھ فوجی دیکھے ہیں''۔ اس نے اچانک ہی دھما کا کیا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

فوجی؟ کہاں؟'' حیرت زدہ اور انتہائی متجسس کیپٹن انوج نے اس کی طرف قریباً جھکتے ہوئے کہا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے گھنٹی بجا کر اپنے گارڈ سے کہہ دیا تھا کہ کسی کو اندر آنے کی اجازت نہیں۔ بشیر نے اسے تفصیلات بتانا شروع کیں تو کیپٹن انوج بھی چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ اسے فوراً ہیڈ کوارٹر انکوائری یاد آ گئی۔

''وہ مارا''۔ اس نے دل ہی دل میں کہا۔

''تم چائے پیئو۔ میں ابھی آیا'' اس نے بشیر بکروال سے کہا جس کے لئے گرم گرم سموسوں اور پکوڑوں کے ساتھ چائے آ چکی تھی۔ اپنے کمرے سے نکل کر اس نے گارڈ کو خصوصی اشارہ کر دیا۔ اب کوئی اس طرف نہیں آ سکتا تھا۔ انوج تیزی سے سی۔او کی طرف جا رہا تھا۔ جو اس کے ''ایجنسی پیغام'' پر اس سے میٹنگ کر رہے تھے۔ قریباً پانچ منٹ بعد ان کی میٹنگ شروع ہو گئی۔

سی۔او اس خبر پر اچانک اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا لیکن بشیر بکروال کی شہرت اس تک پہنچ چکی تھی اس لئے اسے نظر انداز بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ دونوں دیوار پر ٹنگے نقشے کے نزدیک کھڑے تھے۔ بشیر بکروال نے جس ایریا کی نشاندہی کی تھی وہ ''کھوکھر ننگ'' کا علاقہ بنتا تھا جہاں کسی ذی روح کی موجودگی کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔

سی او کے منہ سے بے ساختہ نکلا! "Its Shocking"

"What next Sir?" کیپٹن انوج نے فوراً پوچھا۔

''فوراً ریکی ٹیم'' ادھر بھیجو''۔ سی۔او نے کہا۔ ورا س کے بعد ہی کوئی رپورٹ کرنا''

''یس سر'' انوج نے مستعدی سے کہا۔

"Hurry Up" (جلدی کرو) سی۔او نے کہا۔

''یس سر''۔ انوج نے اسے سلیوٹ کیا اور باہر آ گیا۔

اگلے پندرہ منٹ کے بعد 17 جاٹ رجمنٹ کی ایک سیکشن اس ایریا میں ''ریکی'' کرنے جا رہی

تھی۔ انہوں نے بشیر بکروال کو اپنے ساتھ لیا تھا لیکن کیپٹن انوج کی خصوصی ہدایت پر اسے نشاندہی ہونے کے بعد محفوظ ایریا ہی میں اتار گئے تھے جہاں وہ ان کی واپسی کا منتظر تھا۔

17 جاٹ رجمنٹ کی اس ''قراولی سیکشن'' کی کمانڈ لیفٹیننٹ آھوجا کر رہا تھا جس کے ساتھ پندرہ جونیئر افسر اور جوان موجود تھے۔ اسے ابھی تک یہ سمجھ نہیں آئی تھی کہ ایک معمولی سے مخبر کی غلط فہمی کی تصدیق کے لئے اتنی فوج بھیجنے کی ضرورت کیا ہے کیونکہ اس علاقے میں کسی فوج کی موجودگی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

لیفٹیننٹ آھوجا نے اسے معمول کی کارروائی سمجھا تھا۔ سیریس نہیں لیا تھا۔ اور بڑے ایزی موڈ میں یہاں تک آیا تھا۔ کھوکھر ننگ کے پیچدار پہاڑی سلسلے تک پہنچتے ہوئے اس کے باقی ساتھی بھی خاصے ریلیکس ہو چکے تھے ایک تنگ راستے پر اس کے ڈرائیور نے جیپ روک کر اس کی طرف دیکھا۔

"WHAT?" لیفٹیننٹ آھوجا نے غصے سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ادھر کچھ گڑ بڑ ہے سر''۔ اس نے کہا۔

''چلتے رہو''۔ آھوجا بولا۔

ڈرائیور نے ایکسیلیٹر پر اپنا دباؤ بڑھا دیا۔ ابھی بمشکل وہ پچاس گز ہی آگے گئے ہوں گے کہ اچانک ان پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ ہلکے اور بھاری ہتھیاروں سے ان پر فائرنگ شروع ہوئی تھی اور ان کے سنبھلنے تک دس بھارتی فوجی مارے جا چکے تھے۔

لیفٹیننٹ آھوجا کے کندھے میں گولی لگی تھی۔ اس کا وائرلیس آپریٹر چیخ چیخ کر ہیڈ کوارٹر کو رپورٹ دے رہا تھا۔ بمشکل دس منٹ بعد ہی ہیلی کاپٹر ان کی مدد کو آ گئے ابھی تک آھوجا اور اس کے ساتھی یہ نہیں سمجھ پائے تھے کہ فائرنگ کدھر سے ہو رہی ہے انہیں یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے پہاڑی کے چاروں اطراف سے ان پر آگ برسائی جا رہی ہے۔

ہیلی کاپٹروں کی آمد تک گو کہ یہاں فائرنگ کا سلسلہ حملہ آوروں کی طرف سے رک چکا تھا اور وہ

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

اس طرح غائب ہوئے تھے جیسے انہیں زمین کھا گئی یا آسمان نے نگل لیا۔

کیپٹن انوج کو اپنے سی۔او کے ساتھ اس حادثہ جانکاہ کی خبر ملی تھی۔ ان کے سامنے دھرے ٹرانسمیٹر ریڈیو پر زخمیوں کی چیخ و پکار اور لیفٹیننٹ آھوجا کی طرف سے مسلسل امداد کی اپیلیں سنائی دے رہی تھیں۔ آھوجا انہیں ''ایس او ایس'' میسج دے رہا تھا یہ صورتحال سب کے لئے چکرا دینے والی تھی۔ آھوجہ نے ہی ریڈیو پر بتایا تھا کہ اس کی قریباً ساری سکیشن متاثر ہوئی ہے۔ دس جوان مارے گئے ہیں۔ دو تین کو چھوڑ کر باقی سب زخمی ہیں۔

کیپٹن انوج کو یہ سب سن سن کر غصہ آنے لگا تھا اس کے سی۔او کی حالت بھی کچھ مختلف نہیں تھی۔

''بزدل کہیں کے''۔ بالآخر وہ کہے بغیر نہ رہ سکا۔ ''اتنی اموات تو سر! باقاعدہ WAR میں نہیں ہوتیں۔ یوں لگتا ہے جیسے انہوں نے زمین پر بیٹھی بطخوں کا شکار کھیلا ہے''۔ اس نے اپنا غصہ ظاہر کیا۔

''ہیڈکوارٹر کو فوراً رپورٹ کرو''۔ سی۔او نے اس کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا اور وہاں سے لمبے لمبے ڈگ بھرتا اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ کیپٹن انوج قریباً بھاگتا ہوا اپنے کمرے تک آیا تھا۔ جہاں بشیر بکروال ایک کرسی پر ٹانگیں پسارے ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ اسے آتے دیکھ کر وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

''تھینک یو بشیر۔ ویل ڈن شاباش'' تمہیں اس خبر پر خصوصی انعام ملے گا۔ جاؤ اور مجھے ایک ایک لمحے کی رپورٹ کرو۔ اپنے بندوں کو Active کرو۔ کوئی بات چھپی نہ رہے۔ معمولی سی مشتبہ حرکت بھی دیکھو تو مجھے فوراً آگاہ کرو''۔ اس نے دم رخصت بشیر بکروال کو اپنی دراز سے کچھ نوٹ نکال کر دیئے۔

''شکریہ صاحب اس کی کیا ضرورت ہے'' بشیر نے بے شرمی سے دانت نکالتے ہوئے نوٹ اپنی جیب میں رکھے اور نکل گیا۔

O

کیپٹن انوج کی طرف سے سب سے پہلی ''کنفرمیشن رپورٹ'' ہیڈکوارٹر کو ملی تھی۔ جہاں اس خبر نے خاصی سنسنی پھیلا دی تھی جب دوسری رپورٹ جاٹ رجمنٹ کے حوالے سے پہنچی تو بھارتی جی ایچ کیو میں ہلچل مچ گئی۔ بھارتی حکومت پاکستان سے مذاکرات کر رہی تھی۔ بھارتی وزیراعظم اٹل بہاری واجپائی نے پاکستان کا دورہ کیا اور دوسری طرف یہ خبر مل گئی تھی۔

"What nonsence it is" بھارتی جرنیل نے فائل میز پر مارتے ہوئے اپنے سامنے بیٹھے جرنیلوں کو مخاطب کیا۔

''یہ ناقابل برداشت ہے سر.....'' بریگیڈ کمانڈر نے اپنے باس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

''انہیں بھرپور جواب دو۔ ایئر فورس کو Actvie کرو''۔

"do it" غصے سے چیختے ہوئے جنرل نے کہا اور سب جلدی جلدی رخصت ہونے لگے۔

O

8 مئی تک پاکستانی پوسٹوں پر یہ خبر پھیل چکی تھی کہ ان سے کچھ ہی آگے مجاہدین نے بھارتی فوج کو انگیج کر لیا ہے۔ یہ ''مجاہدین'' کون تھے؟ اس سوال کا جواب سب کو معلوم ہے کیونکہ ایسے علاقے میں جہاں گولیوں سے زیادہ موسم انسان کا دشمن ہو بہت تربیت یافتہ فوج کا بھی کوئی خاص حصہ ہی حرکت پذیر ہو سکتا ہے۔ مجاہدین کے جذبہ ایمانی سے انکار ممکن نہیں لیکن آج تک انہوں نے اس ''غیر آباد اور انسان دشمن'' علاقے میں کوئی کارروائی نہیں کی تھی جس کی اہم وجہ یہاں بھارتی فوج کی غیر موجودگی بھی تھی جو موسم کی صورتحال بہتر ہونے پر ہماری طرف آیا کرتی تھی۔ بصورت دیگر وہ اپنی محفوظ پناہ گاہوں میں بیٹھے رہتے تھے۔

یہ بات بھارتی فوج سے زیادہ اچھی طرح اور کون سمجھ سکتا تھا کہ ''مجاہدین'' کے روپ میں دراصل ان کا سامنا پاکستانی فوج کے انتہائی تربیت یافتہ جانبازوں سے ہے جنہیں اس کارزار میں کیوں اتارا گیا تھا؟ اس سوال پر انہوں نے کبھی غور نہیں کیا کیونکہ وہ سولجر تھے جس کا فرض حکم ی

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

اطاعت کرتے ہوئے اپنی جان سے گزر جانا ہے۔

بھارتی فوج نے 2 مئی سے 6 مئی تک ان پر قیامت کی آگ برسائی لیکن ہر مرتبہ منہ کی کھائی۔

ان مجاہدوں کا چونکہ کوئی ''نام'' نہیں تھا اس لئے وہ بے نام ہی شہادتوں کے سفر پر گامزن تھے۔ دو تین روز میں ہی بھارتیوں کو معلوم ہو گیا کہ مقابلہ کسی ''انسرجنسی'' سے نہیں بلکہ پاکستانی فوج کے چنیدہ جانبازوں سے ہے۔

8 مئی کو چھ این ایل آئی کے کیپٹن افتخار اعظم اپنی آبزرویشن پوسٹ سے صورتحال کا جائزہ لے رہے تھے کہ انہیں کچھ چرواہے اس طرف آتے دکھائی دیئے۔ یہ ''چرواہے'' کون تھے؟ جن پر پاکستانی فوجی صرف اس لئے گولی نہیں چلا رہے تھے کہ وہ عام سویلین اور کشمیری مسلمان ہیں اور ان کی اس کمزوری کا فائدہ بھارتی انٹیلی جنس نے اٹھایا تھا۔ ان میں یقینا عام کشمیری بھی رہے ہوں گے لیکن غالب تعداد انٹیلی جنس والوں کی تھی۔

ایسا ہی ایک چرواہا کیپٹن انوج کمار بھی تھا جس نے ایک محفوظ پناہ گاہ کے پیچھے بیٹھ کر دوربین سے چاروں طرف دور دراز پہاڑی چوٹیوں پر پاکستان آرمی کی نقل و حرکت نوٹ کر لی تھی عام حالات میں شاید وہ کبھی اتنا خطرہ مول نہ لیتا لیکن یہ عام حالات نہیں تھے۔ ''دشمن'' کنٹرول لائن کے پندرہ بیس کلومیٹر اندر تک آ گیا تھا اور اس کی تیور بھی بڑے خطرناک دکھائی دے رہے تھے۔

کیپٹن انوج کمار کے لئے زندگی کا یہ بھیانک ترین تجربہ تھا ان چھ بکروالوں میں سے ایک وہ اور دو اس کے محافظ بھارتی کمانڈوز تھے جنہوں نے اپنے ڈھیلے ڈھالے کشمیری لباس جیسے کپڑوں کے نیچے اسلحہ اس طرح چھپا رکھا تھا کہ بوقت ضرورت انہیں اچھی طرح استعمال کر سکیں۔

کیپٹن اعظم بڑی دلچسپی اور دلجمعی سے انہیں دیکھ رہے تھے اگر وہ چاہتے تو آسانی سے انہیں نشانہ بنا سکتے تھے لیکن ان کے چھیڑنے کی اجازت نہیں دی۔ انہیں گرفتار کر کے یہاں لانا اس لئے ممکن نہیں تھا کہ یہاں انہیں رکھا نہیں جا سکتا تھا اور پیچھے بھیجنا اس لئے ممکن نہیں تھا کہ ان کی گارد کے لئے ان

کے پاس نفری ہی نہیں تھی۔ راشن بھی اتنا لیا تھا کہ وہ دن میں ایک مرتبہ استعمال کر سکیں جب تک کہ پیچھے سے کمک نہ آ جائے۔

ان چرواہوں کے ساتھ بھیڑ بکریوں کی حفاظت کے لئے خونخوار کتے بھی موجود تھے۔ جو معمولی نقل و حرکت پر آسمان سر پر اٹھا لیتے۔

چرواہے بکریاں چرا کر رخصت ہو گئے۔ اگلے روز وہ پھر آئے اس مرتبہ ان کا رخ طارق پوسٹ کی طرف تھا۔ جس کے ممکنہ حد تک وہ قریب آ کر واپس لوٹ گئے۔

کیپٹن افتخار اعظم اور ان کے ساتھی انہیں قریب آتے اور واپس جاتے دیکھتے رہے۔ ان چرواہوں کے واپس لوٹنے کے کچھ دیر بعد وہاں ایک پہاڑی کی محفوظ روٹ میں دو جیپیں آئیں جن سے بھارتی فوجی بڑی احتیاط سے باہر نکلے انہوں نے اپنی پوزیشن ایسی رکھی ہوئی تھی کہ اچانک ہونے والی فائرنگ سے محفوظ رہیں۔ انہوں نے دوربین سے مختلف اطراف کا جائزہ لیا۔ انہیں با آسانی نشانہ بنایا جا سکتا تھا۔ جب اجازت طلب کی گئی تو انکار ہو گیا اور انہیں ایک مرتبہ پھر انتظار کرو اور دیکھو کے کرب کا شکار کر دیا گیا۔

اسی روز قریباً ڈھائی تین بجے ایک بھارتی ہیلی کاپٹر دراس کی پہاڑیوں کے عقب سے اچانک نمودار ہوا جس نے پہلے تو خاصی اونچائی سے کنٹرول لائن کے ساتھ ساتھ پرواز کی پھر قدرے نیچی پرواز کرتے ہوئے ''تولانگ پہاڑی'' کے گرد چکر لگا کر غائب ہو گیا۔ پاکستانی پوسٹوں سے اسے آسانی کے ساتھ نشانہ بنایا جا سکتا تھا۔ لیکن اعلیٰ کمان نے سختی سے ہدایت کر دی تھی کہ ابھی کوئی فائر نہیں کرنا۔

بھارتی ''لاما'' ہیلی کاپٹر کی واپسی کے چند منٹ بعد تین ہیلی کاپٹر آئے اور دور دور تک پھیلی ان پوسٹوں کا جائزہ لے کر واپس لوٹ گئے۔ تیسرے دن پھر یہی ہوا۔ اس مرتبہ پانچ ہیلی کاپٹر اکٹھے آئے انہوں نے پاکستانی پوسٹوں کے سر پر چکر لگانا شروع کئے اور ممکنہ مزاحمت نہ ہونے پر قدرے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

نیچی پرواز کرنے لگے۔ ان ہیلی کاپٹروں سے کچھ ہی دیر بعد فائرنگ کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ انہوں نے بلندی سے گرنیڈ بھی پھینکے۔ اعظم پوسٹ، تاشفین پوسٹ اور طارق پوسٹ ان کا خصوصی ٹارگٹ تھی۔ اس کارروائی کے نتیجے میں کافی نقصان اٹھانا پڑا لیکن ابھی جانی نقصان شروع نہیں ہوا تھا۔

نیا باب

دشمن تلملایا ہوا بھی تھا اور بوکھلایا ہوا بھی۔ یہ ''سرپرائز'' ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا جس کا انہیں سامنا کرنا پڑا تھا۔ بھارتی فوج کی 8 سکھ رجمنٹ کو 12 مئی کو احکامات موصول ہوئے کہ وہ فوراً 121 (انڈیپنڈنٹ) بریگیڈ کی بطور یونٹ دراس جانے کی تیاری کریں۔ ان کی روانگی 14 مئی کو ''پلواما'' سے ہوئی اور دوپہر تک وہ ''پنڈ داس'' پہنچ گئے۔ جہاں بھارتی سی او (کمانڈنگ آفیسر) نے ایک کانفرنس میں آفیسرز اور جے سی اوز کو بریفنگ دی اور احکامات جاری کرتے ہوئے بتایا کہ بٹالین بریگیڈ کے قریب الوقوع دراس سب سیکٹر میں جارحانہ آپریشن کے لئے فسٹ ناگا بٹالین کی ریزرو میں رہے گی۔ کمانڈنگ آفیسر نے انہیں بتایا ممکن ہے ان لوگوں کو ''دشمن ایریا'' یعنی پاکستانی علاقے میں بعض بلند چوٹیوں پر قبضہ کرنے کے لئے لائن آف کنٹرول پار کرنی پڑے جس کے لئے انہیں ذہنی طور پر تیار رہنا چاہیے۔ بھارتی فوج کے افسروں اور جوانوں کے لئے یہ اطلاع چونکا دینے والی تو تھی ہی کہ پاکستانی ان کے علاقے میں گھس آئے ہیں اور انہوں نے قریباً تمام قابل ذکر اور اہم پہاڑی چوٹیوں پر قبضہ کر لیا ہے لیکن پریشان کن بھی تھی کیونکہ وہ ذہنی طور پر اس بات کے لئے بالکل تیار نہیں تھے نہ ہی اس کا تصور کیا جا سکتا تھا۔ کمانڈنگ آفیسر کی طرف سے اس نوعیت کا حکم کہ انہیں

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

پاکستانی علاقے میں جارحیت کرتے ہوئے اہم بلندیوں پر قبضہ کرنے کے احکامات بھی مل سکتے ہیں۔مزید پریشان کن تھا۔

کمانڈنگ آفیسر کی اس کانفرنس کی مکمل رپورٹ اور فسٹ ناگا بٹالین کا اگلا ایجنڈا جب کیپٹن انوج کی میز پر پہنچا تو وہ چونکا۔اس کا سیدھا مطلب یہ تھا کہ وہ پاکستان سے ایک لمبی جنگ لڑنے جا رہے ہیں جس میں بظاہر کامیابی کے امکانات بہت معدوم اور محدود تھے کیونکہ دشمن قابل ذکر اور اہم بلندیوں پر پہلے سے قابض اور لڑائی کے لئے تیار بیٹھا تھا۔انوج کمار جانتا تھا اس حملے کے لئے پاکستانیوں نے طویل عرصہ پلاننگ کی ہوگی۔اس کے لئے باقاعدہ طویل مشقیں کی گئی ہوں گی۔پیش آمدہ خطرات اور متوقع ردعمل کا مکمل جائزہ لینے اور جوابی منصوبہ بندی کرنے کے بعد ہی پاکستانی فورسز نے یہاں ڈیرہ ڈالا تھا۔(یہ الگ بات کہ اس کے تمام اندازے باطل تھے) ایسی صورتحال میں پاکستانیوں کو واپس دھکیلنا اور ان بلندیوں پر قبضہ کرنا بھارتیوں کے نزدیک جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔

کیا ایسا کرنا ممکن ہوگا؟ کیپٹن انوج کمار نے خود سے سوال کیا اور نہ چاہتے ہوئے بھی اپنے سر کو نفی میں ہلایا۔

زندگی نے اسے عجیب امتحان میں ڈال دیا تھا۔وہ یہاں شیپالی سے عشق کرنے آیا تھا پاکستانی فوجیوں کے ہاتھوں مرنے یا قید ہونے کے لئے نہیں۔

کیپٹن انوج کمار ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

''یس''۔اس نے فوجی طنطنہ برقرار رکھتے ہوئے پوچھا۔

''سر!مس شیپالی سری نگر سے آن لائن ہیں''۔مؤدب آپریٹر کے جواب نے اس کے خون کی گردش تیز کردی۔

''او۔کے۔او۔کے۔لائن دو''۔اس نے قدرے تبدیل اور جذباتی لہجے میں کہا۔

''یس سر''۔جواب ملا۔

اگلے ہی لمحے شیپالی آن لائن تھی۔

''کیسے ہو تم۔ادھر تو بہت پریشانی لگی ہے۔پتا بتارہے تھے تم لوگ انگیج Engauge ہو رہے ہو''۔شیپالی خاصی پریشان دکھائی دے رہی۔

''نو پرابلم۔شیپالی ڈیئر ہم سولجر ہیں۔سولجر فیملی سے ہیں۔Its part of busness اس نے شیپالی کو مطمئن کرنا چاہا۔

لیکن۔شیپالی مطمئن نہیں ہو رہی تھی۔وہ پریشان تھی ایک جرنیل کی بیٹی ہونے کے ناطے وہ جانتی تھی یہ ''کال'' ٹیپ ہو رہی ہے اور یہاں کیپٹن انوج کمار کو کس نوعیت کے خطرات کا سامنا ہے وہ کیپٹن انوج کے لئے بہت فکرمند تھی اور اس بات نے کیپٹن انوج کی پریشانی میں اضافہ کر دیا تھا۔

شیپالی سے مختصر بات کرنے کے بعد اس نے اجازت لے لی تھی وہ نہیں چاہتا تھا کہ شیپالی کی وجہ سے وہ کسی بزدلی کا شکار ہو یا اس کے باپ تک اس کے حوالے سے کوئی پریشان کن خبر پہنچے۔اسے اس بات کا اندازہ تھا کہ مستقبل قریب میں کس نوعیت کے حالات کا سامنا ہو سکتا ہے۔

کیپٹن انوج کے خیالات کا تسلسل بشیر بکروال کی آمد کی اطلاع سے ٹوٹا۔تھوڑی دیر بعد وہ بشیر کے ساتھ چائے پی رہا تھا۔بشیر بکروال نے ہی اسے سب سے پہلے پاکستانیوں کے اس علاقے میں موجودگی کی اطلاع دی تھی اور اسی مخبر کی مخبری نے اسے ہیڈ کوارٹر کا ''بلیو آئیڈ بوائے'' Blue eyed boy بنا دیا تھا۔وہ کسی بھی حالت میں بشیر بکروال سے علیحدگی نہیں چاہتا تھا اور اس کا ضرورت سے کچھ زیادہ ہی خیال رکھنے لگا تھا۔

''اس نے اچانک ہی بشیر بکروال سے پوچھ لیا۔

''ناں صاحب! یہاں کیا رکھا ہے ان کے لئے۔اس طرف سے سرحد پار کرنے کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ممکن ہے انہوں نے یہاں سے کچھ دور اپنا کوئی خفیہ ٹھکانہ تیار کیا ہو لیکن یہاں کبھی ایکٹو

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

نہیں رہے۔ بات یہ ہے صاحب کہ یہ لوگ بعض علاقوں میں جہاں انہوں نے اپنے ''سیف ہاؤس''
بنائے ہوں کارروائی نہیں کرتے کیونکہ ان پناہ گاہوں میں انہوں نے آرام کرنا ہوتا ہے۔ زخمیوں کو
علاج کے لئے بھی ایسی ہی پناہ گاہوں میں رکھتے ہیں۔''

بشیر بکروال نے اسے اپنے تجربات کے حوالے سے سمجھانے کی کوشش کی۔

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کی ''خاموش موجودگی'' تو یہاں رہتی ہی ہے۔

کیپٹن انوج کمار کے اچانک سوال نے بشیر بکروال کو بوکھلا دیا۔

''نہیں صاحب۔ یہ کوئی پکی بات نہیں۔ بس اندازے سے کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے ایسا ہو''

اس نے اپنی دانست میں اگلے سوال سے جان چھڑانا چاہی۔

''بشیر! ان لوگوں کو ڈھونڈو۔ ان کا کھوج لگاؤ۔ ہماری پل پل کی خبر ادھر جا رہی ہے۔ ضرور یہ کسی
نہ کسی بھیس میں یہاں موجود ہیں۔'' کیپٹن انوج کمار نے بشیر بکروال کو قریباً حکم دینے کے لہجے میں
کہا۔

''ٹھیک ہے صاحب۔ میں اپنے بندوں کو اور زیادہ چوکس کرتا ہوں''۔

بشیر نے یقین دہانی کروائی۔ اسے ان کاموں کا خاصا تجربہ تھا کہ ''افسروں'' کو کس طرح مطمئن
رکھا جا سکتا ہے۔ طویل عرصہ سے ان لوگوں کے ساتھ کام کرنے کی وجہ سے وہ ان کے مزاج سے آشنا
ہو چلا تھا۔

''اور ہاں۔ ایک اہم بات''۔ انوج کمار نے اس کی طرف قدرے جھکتے ہوئے کہا۔ ''مجھے لگتا
ہے تم نے عورتوں کو کھلی چھٹی دے رکھی ہے۔......''

''میں سمجھا نہیں صاحب''۔ بشیر بکروال نے قدرے گھبراہٹ سے پوچھا۔

''میرا مطلب تھا ماضی کے تجربات بتاتے ہیں کہ ''اگروادیوں'' کو کشمیری خواتین کی خاصی مدد
حاصل ہے۔ اپنی جان پر کھیل کر ان کا کام کرتی ہیں۔'' انوج کمار نے مسکراتے ہوئے کہا تو بشیر

بکروال کے اعصاب قدرے ڈھیلے پڑ گئے۔

''صاحب! کوئی مرد ہے یا عورت، بچہ ہے یا بوڑھا۔ سب پر ہماری نظر ہے۔ نزدیکی دیہاتوں
کی تمام کھانے پینے کی اشیاء بیچنے والے ہماری نظر میں ہیں۔'' اس نے بڑے تیقن سے کہا۔

اچھی بات ہے۔ دیکھو بشیر! تم ہمارے ساتھی ہو۔ ہمارے رازدار ہو۔ ہم تمہارے لئے سب کچھ
کریں گے۔ جیسا تم چاہو گے جو تم چاہو گے۔ میں نے تمہاری تنخواہ بھی کرنل صاحب سے کہہ کر دوگنا
کروا دی ہے۔ اب اس علاقے میں ''اگروادیوں'' کی موجودگی کی اطلاع بھی ہماری طرف سے ہی
جانی چاہیے۔ یہ بات میں ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں کہ ہمارے اردگرد موجود نہ ہوں''

کیپٹن انوج کمار نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''کیپٹن صاحب بشیر بکروال کی دو نہیں چار آنکھیں ہیں چار آنکھیں۔ مجھ سے کوئی بچ کر نہیں جا
سکتا۔ آپ بالکل مطمئن رہیں۔ اگر ایسا کوئی بھی ''اگروادی'' یہاں ہے تو اسے کان سے پکڑ کر آپ
کے پاس لاؤں گا''

بشیر نے اس کے غبارے میں ہوا بھری۔

''ٹھیک ہے۔ یہ لو'' کہتے ہوئے انوج کمار نے اپنے میز کی دراز میں پہلے سے رکھا ہوا ایک
لفافہ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

بشیر بکروال نے بغیر کھولے اس کا ''دھن واد'' کرتے ہوئے لفافہ اپنے بڑے سے کرتے کی
جیب میں ڈال لیا اور اس سے اجازت لے کر واپس آ گیا۔

راستے میں وہ یہی سوچتا آ رہا تھا کہ یہاں مجاہدین کی آمد کیسے ممکن ہے؟ انہوں نے آج تک اس
علاقے میں کوئی کارروائی نہیں کی تھی۔ یہاں کے موسمی حالات کے پیش نظر اس طرف سے کسی کا سرحد
عبور کر کے پاکستان جانا یا ادھر سے بھارتی علاقے میں آنا ممکن نہیں۔

بشیر بکروال عرصے سے ان لوگوں کے لئے کام کرتا آ رہا تھا لیکن آج اسے جس صورتحال کا سامنا

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

ہوا تھا اس کی اس نے کبھی توقع نہیں کی تھی۔ وہ حیران بھی تھا اور پریشان بھی کہ اگر یہ بات کیپٹن انوج کمار کے دماغ میں گھس گئی ہے کہ یہاں مجاہدین کی موجودگی کے امکان کو رد نہیں کیا جا سکتا تو وہ اسے کبھی نکال بھی پائے گا یا نہیں؟

''کہیں یہ لوگ میرے متعلق تو مشکوک نہیں ہو گئے''۔ اچانک ایک خیال نے اسے لرزا کر رکھ دیا۔

اگر یہ بات صحیح ہے تو اس کے برے دن آ گئے۔ عین ممکن ہے یہ اس کی بداعمالیوں کی سزا ہو۔ وہ جو کچھ کر رہا تھا اس کا نتیجہ اس کے علاوہ اور ہوتا بھی کیا؟ بشیر بکروال کو گھر آنے تک مختلف خیالات نے پریشان کیے رکھا مگر گھر آ کر وہ کسی سے کچھ کہے سکنے بغیر اپنے بستر پر بے دم سا ہو کر گر پڑا جو لوگ اس کے انتظار میں صبح سے بیٹھک پر بیٹھے تھے انہیں اس نے شام تک آنے کے لئے کہہ دیا۔

O

12 مئی گیارہ بجے دن۔

دو بھارتی ہیلی کاپٹر پہاڑوں کے عقب سے نمودار ہوئے جنہیں شاہد پہلے ہی سے ان کی ٹارگٹ ایریا اور مکمل پلاننگ دے دی گئی تھی ان دونوں کی آمد 6-این ایل آئی کے ایریا میں ہوئی۔ ایک ہیلی کاپٹر نے اچانک اپنا رخ بدلا اور ''جمال چوکی'' کی طرف نکل گیا جبکہ دوسرے نے اپنا رخ تولانگ میں ''اعظم پوسٹ'' کی طرف کیا۔ جمال پوسٹ پر تو حکمت عملی اور احکامات کے تحت خاموشی طاری رہی جبکہ اعظم پوسٹ سے ہیلی کاپٹر پر ''سام'' میزائل فائر کیا گیا لیکن حیرت انگیز طور پر میزائل نے یہاں کی ہڈیوں میں گودا منجمد کرنے والی سردی میں کام کنے سے انکار کر دیا۔ ہیلی کاپٹر تک تو اس کی رسائی ممکن نہ ہو سکی البتہ دھویں کی ایک لکیر آسمان سے اعظم پوسٹ تک بن گئی جو دشمن کے لئے اندھے کے ہاتھ بٹیر لگنے کے مترادف تھی۔ اعظم پوسٹ خالی کرنے کا تصور ابھی نہیں کیا جا سکتا تھا جس پر اگلے چند منٹ بعد دشمن نے تباہ کن گولہ باری شروع کر دی۔ پوسٹ کی نشاندہی دھویں کی لکیر

نے کر دی تھی۔ دشمن نے جی بھر کے اپنی بھڑاس نکالی اور آہستہ آہستہ گولہ باری کا یہ سلسلہ طارق آبزرویشن پوسٹ، افتخار پوسٹ اور ان سے ملحقہ دوسری پوسٹوں تک پھیلتا چلا گیا۔ شام ڈھلنے تک گولہ باری کا یہ تباہ کن سلسلہ جاری رہا۔ جس کے جواب میں سوائے صبر اور جبر کے اور کچھ ممکن نہیں تھا۔ یہاں موجود جوانوں اور افسروں نے خود کو بڑے بڑے پتھروں کی آڑ میں چھپایا ہوا تھا۔ ان کے اردگرد گولے پھٹ رہے تھے۔ پتھر ریزوں میں تبدیل ہو رہے تھے اور وہ اپنے ساتھیوں کے زخمی ہونے کا تماشا دیکھ رہے تھے کیونکہ ابھی تک انہیں بھرپور جوابی کارروائی کی نہ تو اجازت ملی تھی نہ ہی ان کے پاس اس نوعیت کے احکامات موجود تھے۔

13 مئی کا آغاز دشمن کی گولہ باری سے ہوا۔ پو پھٹتے ہی کارگل دراس روڈ پر لائی گئی بوفورس توپوں نے پاکستانی مورچوں پر آگ برسانی شروع کر دی۔ کیپٹن افتخار اور ان کے ساتھیوں نے اپنے مورچوں سے نکل کر نزدیکی بڑے بڑے پہاڑی تودوں کے پیچھے پناہ لے رکھی تھی کیونکہ ابھی تک انہیں نہ تو ڈھنگ کا اسلحہ میسر تھا اور نہ ہی ان کی درخواست پر توپخانہ کی مدد مل سکتی تھی۔ ابھی تک انہیں صرف ''دیکھو اور انتظار کرو'' کے خوفزدہ عمل سے گزارا جا رہا تھا۔ دشمن نے شام ڈھلنے تک یہ سلسلہ جاری رکھا۔ شام ڈھلنے پر جب اس کے پیدل دستوں نے آگے بڑھ کر پاکستانی فورسز کے مورچوں پر قابض ہونے کی کوشش کی تو انہیں بری طرح نقصان اٹھا کر پسپا ہونا پڑا۔ صبح سے پہاڑی تودوں کے پیچھے پناہ لئے افسر اور جوان بے بسی سے اپنے اردگرد گولے پھٹتے اور اپنے ساتھیوں کو زخمی ہوتے دیکھ رہے تھے جیسے ہی دشمن نے اپنی دانست میں ان کا صفایا کرنے کے بعد یلغار کی کیپٹن افتخار اور ان کے ساتھی زخم خوردہ چیتوں کی طرح ان پر لپکے اور دشمن کو خاصا جانی نقصان اٹھا کر پسپائی اختیار کرنی پڑی۔

اس کے بعد تو دشمن نے اپنا یہ معمول بنا لیا۔ وہ علی الصباح توپخانے سے فائرنگ کا آغاز کرتے۔ اس کی شدت بڑھاتے چلے جاتے اور شام ڈھلنے پر اپنے تازہ دم دستے آگے روانہ کرتے جن کو

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http: / / www.Paksociety.com for More

خلاف توقع بڑی تباہ کن پسپائی اختیار کرنا پڑتی۔

18 مئی کو فسٹ ناگا بٹالین کی ریزرو فورس 8 سکھ رجمنٹ نے پیشقدمی کی ٹھانی۔ 8 سکھ رجمنٹ کا پہلا ٹکراؤ کاشف پوسٹ کے سامنے ہوا۔ کاشف نے متوقع حملے کے پیش نظر بندوبست کر رکھا تھا۔ انہوں نے اندازہ کر لیا تھا کہ دشمن سامنے سے حملے پر اکتفا نہیں کرے گا اور ان کے پہلوؤں کو بھی کاٹنے کی کوشش کرے گا جس کے لئے بطور احتیاط انہوں نے پوسٹ کے مشرق سے آنے والے راستے پر کچھ جوانوں کو بڑے بڑے تودوں کے پیچھے اس ہدایت کے ساتھ چھپا رکھا تھا کہ صورتحال کچھ بھی ہو وہ حکم کے بغیر ایک گولی بھی نہیں چلائیں گے۔ کیپٹن کاشف خلیل نے دشمن کو ایسے ایسے سر پرائز دیئے جنہوں نے اسے بوکھلا کر رکھ دیا۔

8 سکھ رجمنٹ کی پیشقدمی کو انہوں نے اس وقت تک برداشت کیا جب تک کہ وہ اپنی دانست میں میدان صاف دیکھ کر ''جے ہند'' اور ''ہر ہر مہادیو'' کے نعرے لگاتے ان کی مکمل گرفت میں نہیں آ گئے جیسے ہی دشمن اپنی دانست میں کاشف پوسٹ کی چڑھائی پر پہنچا اس پر دم سادھے اور اس ساعت کے نجانے کب سے منتظر کیپٹن کاشف اور ان کے جوانوں نے گولیوں کا مینہ برسا دیا۔ یہ حملہ اتنا تیز، بھرپور اور جاندار تھا کہ دشمن کو سنبھلنے کا موقعہ ہی نہ مل سکا۔ کاشف پوسٹ کے اتنا نزدیک آنے پر وہ اس پوزیشن میں نہیں رہے تھے کہ اپنے لئے Cover Fire مانگ سکیں اور کیپٹن کاشف انہیں اپنی پوزیشن پر لا کر مارنا چاہتا تھا۔ دشمن کو سمجھ ہی نہیں آ رہی تھی کہ فائرنگ ہو کہاں سے رہی ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ان کے 48 افسر اور جوان مارے گئے۔

اس دوران کاشف کے اندازے کے عین مطابق ان کے پہلو سے برف میں راستہ بنا کر خاموشی سے پوسٹ کی طرف بڑھتی اس بٹالین کی ''بی کمپنی'' کو پہاڑی تودوں کے پیچھے چھپے جوانوں نے اشارہ ملتے ہی لپیٹ میں لے لیا اور وہ 8 سکھ بٹالین کی بی کمپنی کا حشر بھی اپنے ساتھیوں سے مختلف نہیں ہوا۔ 18 اور 19 مئی کے حملوں کا یہ حشر دیکھ کر دشمن پر سکتہ طاری ہو گیا۔ 20 مئی کو وہ صرف

اپنے زخم چاٹتا رہا۔ 21 مئی کو دشمن نے کلیم پوسٹ پر قسمت آزمائی کے لئے علی الصباح تباہ کن گولہ باری شروع کر دی جس کے جواب میں حسب معمول اسے کسی مزاحمت کا سامنا نہیں ہوا اس مرتبہ دشمن زیادہ جوش و خروش اور قوت کے ساتھ حملہ آور ہوا لیکن لیفٹیننٹ کنڈ بھٹہ چار آفیسر اور اس کے 19 جوانوں سمیت لاشیں میدان میں چھوڑ کر واپس بھاگ گیا۔ جوابی حملے میں کلیم کو کاشف کی مکمل مدد حاصل تھی۔ قیر اولی میں اعلیٰ کارکردگی اور پھر ان ابتدائی کارروائیوں میں جرات اور بہادری کے اعتراف میں کیپٹن کاشف خلیل کو ستارہ جرات سے نوازا گیا۔ ان دو واقعات کے نو دن بعد یعنی 29 اور 30 مئی کی رات کو ایک اور بڑا واقعہ رونما ہوا۔ دشمن نے ابراہیم کی دفاعی پوزیشن کی طرف حرکت کی۔ کیپٹن سید سلیمان علی اس دفاعی پوسٹ کی قیادت کر رہے تھے۔ انہوں نے حرکت کے آغاز سے ہی دشمن پر نگاہ جما رکھی تھی۔ دشمن قریب سے قریب تر ہوتا گیا۔ سلمان نے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق دشمن کو مار کے علاقے میں آنے دیا۔ جب وہ حملے کے لئے صف بندی کر رہا تھا تو صوبیدار ابراہیم نے نعرہ تکبیر بلند کیا دونوں مشین گنوں کے دھانے کھول دیئے۔ دشمن اچانک پن میں بوکھلاہٹ کا شکار ہو گیا اور اپنے سپاہیوں کی تڑپتی لاشیں چھوڑ کر بھاگ گیا۔ آدھی نفری رہ گئی اور آدھی منتشر ہو گئی۔

کسی بھی مرحلے پر پاکستانی فورسز نے اپنی عظیم روایات کو ایک لمحے کے لئے نہیں بھلایا اور ہر حملے کے بعد کیپٹن کاشف اور کیپٹن سلیمان نے اعلانیہ دشمن کو آگاہ کیا کہ اگر وہ نہتے یعنی بغیر اسلحہ کے اپنے ہلاک شدگان کا انخلا کرنا چاہتے ہیں تو کر لیں۔ دونوں مرتبہ دشمن نے ہلاک سپاہیوں کا انخلا کیا اور کوئی ناخوشگوار واقعہ رونما نہ ہوا۔ البتہ وہ لاشیں جو ہمارے دفاع کے بہت قریب تھیں انہیں اٹھانے سے اجتناب کرتا رہا۔ اس کے بعد کوئی جارحانہ کارروائی تو نہ ہوئی البتہ دشمن کو ہماری دفاعی پوزیشنز اور ان کے درمیانی خلا کا کافی حد تک علم ہو گیا۔

دشمن نے کاشف پوزیشن کا تین اطراف سے محاصرہ کر لیا۔ کلیم اور ابراہیم پوزیشنز کے بالمقابل

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

تقریباً ہزار گز پر دفاع اختیار کر لیا گیا۔ اسی دوران دشمن نے بڑی جارحانہ کارروائی کی منصوبہ بندی شروع کر دی۔ توپخانہ کے فائر میں روز بروز شدت آتی گئی۔ بھارتی ایئر فورس نے بھی حملوں کا آغاز کر دیا۔ حیدران بڑی ثابت قدمی سے ڈٹے ہوئے تھے۔ دشمن کثیر تعداد میں انفنٹری اور توپخانہ کا اجتماع کر رہا تھا۔ علاقے کی وسعت اور دشمن کے اس بڑے اجتماع کے پیش نظر کیپٹن طاہر کی زیر قیادت ایک سکارچن پلاٹون کو حیدران کے زیر کمان دے دیا گیا۔ کسی وقت کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ دشمن کی ابتدائی کارروائیوں اور لڑاکا طیاروں کے پیش نظر راشن اور ایمونیشن کی ترسیل کی ذمہ داری بھی ایک انفنٹری کمپنی کو سونپ دی گئی۔ کمانڈو بٹالین کے 12 شیر دل جیالے ''حیدران'' کی ذمہ داری کی علاقے کی قراولی کر رہے تھے۔

O

''حیدران'' کی داستان خون رنگ کے دو مرکزی کردار حوالدار لالک جان (نشان حیدر) کیپٹن کرنل شیر خان (نشان حیدر) ہیں۔ کیپٹن کرنل شیر خان نے پہلی ''ریکی'' دشمن کے علاقے میں 3 مئی کو حوالدار وزیر اللہ اور دو سپاہیوں کے ساتھ کی تھی حیرت انگیز حد تک دلیر اور ذہین شیر خان کے دشمن پر گھات لگا کر حملوں کا جو سلسلہ 3 مئی کو آغاز ہوا تھا وہ 6 مئی تک تسلسل سے جاری رہا۔ اس دوران انہوں نے صحیح معنوں میں دشمن کو بوکھلا کر رکھ دیا۔ دشمن کے علاقے میں جا کر اس پر دھاوا بولنا اور اپنا مشن مکمل کر کے کامیاب واپس لوٹنا خصوصاً ان حالات میں ناقابل تصور سمجھا جاتا تھا لیکن اللہ کے شیر نے ناممکن کو ممکن کر دکھایا۔ قدرت انہیں آغاز ہی سے کسی بڑے اور شاندار انجام کے لئے تیار کر رہی تھی۔ انہوں نے اپنی دلیرانہ قیادت کا لوہا منواتے ہوئے دشمن کے علاقے میں ایک نئی پوسٹ قائم کر لی تھی جس نے دشمن کو دہلا کر رکھ دیا۔

کیپٹن شیر خان کا نام بھارتی وائرلیس اور ریڈیو سٹیشنوں پر اس طرح گونجا کہ دلی تک اس کی گونج سنائی دینے لگی۔ 13 مئی کو دشمن کیپٹن کرنل شیر خان کی پوزیشن پر انتہائی غصے اور بھرپور طاقت کے

ساتھ حملہ آور ہوا۔ حکمت عملی کے مطابق کیپٹن کرنل شیر خان اور ان کے مٹھی بھر ساتھیوں نے مخصوص پتھروں کے پیچھے پوزیشنز سنبھال لیں اور دشمن کی گولہ باری کا نظارہ کرنے لگے اس مرتبہ دشمن نے اب تک ہونے والی سب سے زیادہ تباہ کن گولہ باری کی تھی اور اس مرتبہ اس کو یقین ہو چلا تھا کہ اب وہاں کوئی ذی روح باقی نہیں رہا۔

دشمن کو اتنا گھمنڈ اور گمان تھا کہ اس نے کیپٹن کرنل شیر خان کی پوسٹ پر قابض ہونے کے لئے اپنی ایس ایس جی کی ایک سیکشن ہیلی کاپٹر کے ذریعے کیپٹن کرنل شیر خان کی چوکی کے بالکل سامنے اتار دی۔ جس پر کیپٹن کرنل شیر خان اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس طرح حملہ آور ہوئے کہ اس سیکشن کے دس افراد میں سے بمشکل دو اپنی جانیں بچا کر واپس بھاگنے میں کامیاب ہوئے۔

ان کے ساتھ بھی ان کی طرح اللہ کے پراسرار بندے تھے جن میں دو نمایاں نام سپاہی عرفان اللہ (ستارہ جرات) اور سپاہی عبدالقادر کے ہیں۔ سپاہی عبدالقادر ''بریو'' کمپنی میں تھے۔ جن کے اطوار ابتدا ہی سے بتا رہے تھے کہ انہیں بھی اللہ تعالیٰ نے کیپٹن کرنل شیر خان کی طرح کسی بڑے منصب پر فائز کرنے کے لئے منتخب کر لیا ہے۔

27 مئی کو لانس نائیک عبدالمجید اور سپاہی غلام محمد ڈار کے ساتھ وہ تولانگ چوٹی کی طرف روانہ ہوئے اس ایریا کی کمان کیپٹن عامر کر رہے تھے۔ جن پر دشمن اب تک درجنوں حملے کر کے منہ کی کھا چکا تھا۔ یہ تین سرفروش ان کی مدد کے لئے جا رہے تھے۔ اللہ اکبر!

کیپٹن عامر کی پوسٹ دشمن کے مسلسل حملوں کی زد میں تھی۔ ہر روز ایک نیا حملہ ان پر ہوتا تھا۔ سپاہی عبدالقادر ان حملوں کے دوران جب دشمن اپنی دانست میں ان پر ''کارپٹ'' بمباری کر رہا تھا۔ ایک سے دوسرے مورچے تک بھاگ بھاگ کر جاتے، مطلوبہ سامان وہاں پہنچاتے جوانوں کا حوصلہ بڑھاتے، انہیں جہاد فی سبیل اللہ کی تلقین کرتے۔ اس دوران ایک مرتبہ ایک بم ان کے نزدیک پھٹا تو اس کا ٹکڑا اس کے بازو میں پیوست ہو گیا۔ عبدالقادر نے قرآنی آیات کا ورد کرتے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

ہوئے اسے کھینچ کر باہر نکالا اور خود ہی بازو پر مرہم پٹی بھی کر لی۔ 12 جون کو دشمن کی ایک بٹالین نے کیپٹن عامر کی پوسٹوں پر یلغار کی تو اگلی صفوں میں بڑھ کر حملہ کرنے والوں میں سپاہی عبدالقادر سب سے نمایاں تھے۔ وہ دشمن کی تباہ کن گولہ باری سے بے نیاز اپنی گن سے اس پر قہر برساتے مسلسل آگے بڑھتے گئے۔ اس دوران ایک گولی ان کے سر میں لگی لیکن اللہ کے اس شیر کا سفر نہیں رکا۔ زمین کی چھاتی ٹھونکتے اس کے قدم دشمن کے مورچے کی طرف بڑھ رہے تھے زبان پر کلمہ طیبہ کا ورد جاری تھا۔ سپاہی عبدالقادر دشمن کی اس گن مورچے پر گرنیڈ پھینکنے کا ارادہ رکھتے تھے جس سے مسلسل فائرنگ ہو رہی تھی۔ ادھر آسمان سے زمین تک ان کے لئے سرخ قالین بچھائے فرشتے اور حوریں ان کی منتظر تھیں۔ ان کے ساتھیوں اور دشمن نے دیکھا اور بیان کیا کہ بمشکل آٹھ دس قدم کی دوری سے انہوں نے دشمن کی طرف گرنیڈ اچھالا اور کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ان ارفع و اعلیٰ درجات کو پالیا جو کسی بھی مجاہد کی زندگی کا حاصل ہے۔ اللہ اکبر!!

O

آیئے دشمن کی زبانی جانیں کہ اس نے حیدران کی ایک کمپنی کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنے کتنے سورما میدان میں اتارے تھے۔ اس ضمن میں کیپٹن (ر) امریندر سنگھ (سابق وزیر اعلیٰ مشرقی پنجاب) کی کتاب A Ridge Too Far Battele اکاؤنٹ کا جائزہ لیں۔

ترجمہ: 30 مئی سے 2 جون تک بٹالین نے شمال مشرق اور جنوبی اپروچوں کا گھیراؤ کر کے ٹائیگر ہل کا حصار کر لیا اور دشمن حتی الوسع شدید توپخانہ کے فائر سے یہ حصار توڑنے کی کوشش کرتا رہا۔

اس کی تفصیل امریندر سنگھ کی کتاب کے صفحہ نمبر 109 تا 112 میں لکھی ہوئی ہے۔ آگے لکھا ہے۔

ترجمہ: 18 سے 24 جون تک کئی ایک مرتبہ کوشش کی گئی کہ 16 گرینڈیرز 17 جاٹ، ہائی الٹیچوڈ وار فیر سکول کے انسٹرکٹرز کی ایک گشت اور 21 سپیشل فورس کی ایک ٹیم سے ٹائیگر ہل سے

متصل مغربی پہاڑی سلسلہ پر قبضہ کیا جائے۔ لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔

صفحہ نمبر 113 کے مطابق 25 جون سے 8 ڈویژن نے 192 ماؤنٹین بریگیڈ کو ذمہ داری سونپی کہ ٹائیگر ہل پر قبضہ کرے۔ بریگیڈ کی تشکیل کچھ اس طرح تھی۔

8 سکھ رجمنٹ

18 گرینڈیرز رجمنٹ

3/3 گورکھا رجمنٹ

6 پیرا بٹالین سابقہ 50 (انڈیپنڈنٹ) بریگیڈ

9 پیرا (سپیشل فورسز) کی ایک کمپنی

21 سپیشل فورس کی ایک ٹیم

وہ فارمیشنز یا یونٹیں جو اس سب سیکٹر میں موجود تھیں اور ان کا تذکرہ ان دو کتابوں میں کہیں نا کہیں کیا گیا ہے۔ وہ یہ تھیں۔

79- ماؤنٹین بریگیڈ (17 جاٹ، 12 مہار، 13 جموں اینڈ کشمیر رائفلز، 2 ناگا اور 18 راشٹریا رائفلز منفی ایک کمپنی، 21 سپیشل سروس سکارڈ منفی ایک ٹیم) سفید نالہ کی سمت۔

50- (انڈیپنڈنٹ) پیرا بریگیڈ (آرمی ہیڈکوارٹرز ریزرو) منفی 6 پیرا بٹالین بطور ذخیر بریگیڈ گمری۔ متفرق آزاد یونٹیں (Loose Battalions)

19- جموں و کشمیر رائفلز ...... من شنگ اور کل نالہ اپروچ

2- مہار رجمنٹ ...... ڈیانگ بانگ نالہ اپروچ

16- گرنیڈیرز رجمنٹ ...... سندو نالہ اپروچ (ابتدائی آپریشنز)

18- گھڑوال رائفلز ...... ترسیل رسد کے لئے 192 بریگیڈ کا اجمالی منصوبہ یہ تھا۔

ترجمہ: 192 بریگیڈ کا اجمالی منصوبہ یہ تھا۔ 18 گرینیڈیرز مختلف اطراف سے اسالٹ کرے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http: / /www.Paksociety.com for More

گی یعنی مشرق، شمال مشرق اور جنوب سے، ان حملوں کے لئے 8 سکھ رجمنٹ ایک مستقر مہیا کرے
گی اور دھوکہ دہی کے لئے شمال مغرب اور جنوب مغرب سے فریب کن حملے کرے گی، ایک سکھ کمپنی
ذخیرہ ہوگی اور 18 گرنیڈیرز کے آپریشن میں مدد کے لئے تیار رہے گی۔ اٹھ بجے 2100، 3
جولائی۔ 22 آرٹلری بیٹریاں مدد کریں گی۔ جن کی تفصیل نیچے درج ہے۔

فیلڈ رجمنٹ......3......(197,41 اور 315)

میڈیم رجمنٹ......3......(158 اور 139, 108)

لائٹ رجمنٹ ...... 1......(1889)

گراڈ ایم۔ بی۔ آر۔ ایل بیٹری......1......(سابقہ 244 ہیوی مارٹرز رجمنٹ)

اس کے علاوہ 18 گرنیڈیرز کو ایک آفیسر، ایک جے سی او اور 18 آدمی 106 انجینئرز فیلڈز
رجمنٹ کے، ایک میلان میزائل ڈیٹیچمنٹ 6 گارڈ بٹالین کی ایک جے سی او 31 آدمی 1801 پائینر
کمپنی کے چار سیکشنز اے ٹی رجمنٹ کے اور 5 افراد پر مشتمل ہائی الٹیچیوڈ وار فیر سکول کی ٹیم مہیا کی گئی۔

بھارتی چیف آف آرمی سٹاف کے مطابق۔

ترجمہ: اسالٹ والے دن، تقریباً 120 فیلڈ اور میڈیم گنیں، 122 ایم ایم ملٹی بیرل گراڈ
راکٹ لانچرز دشمن کیلئے ٹائیگر ہل پر ہلاکتوں اور تباہی کی بارش برساتی رہیں۔ ایئر فورس نے بھی 2-3
جولائی کو ٹائیگر ہل کو نشانہ بنایا اور کئی مرتبہ نشانے مرکزی شست پر لگے۔ صفحہ 170

اگر آپ انڈیا کی سالانہ دفاعی کتاب INDIAN DEFANCE YEARBOOK
2000 دیکھیں تو صفحہ 78 پر لکھا ہے۔

صرف ایک پوسٹ کے خلاف

ترجمہ: بوفر گنوں اور ملٹی بیرل راکٹ لانچروں نے تیس ہزار گولے فائر کر کے ٹائیگر ہل کو جھلسا
کے رکھ دیا۔ عسکری تاریخ گواہ ہے کہ ایک کمپنی کے خلاف اتنا بڑا فوجی اجتماع آج تک دیکھنے میں

نہیں آیا۔

O

سکینہ کے لئے سب سے بڑا خطرہ اس کا باپ تھا۔ اسے اپنے باپ سے ہوشیار رہنا تھا یہ بات وہ
اچھی طرح جانتی تھی کہ اگر اس کے گھر میں کوئی مجاہد پناہ حاصل کرنے آجائے اور اس کی ماں یا سکینہ
کے علاوہ اور کسی تک یہ خبر نہ پہنچے تو اس سے زیادہ محفوظ پناہ گاہ اس مجاہد کے لئے مقبوضہ جموں کشمیر میں
اور کوئی نہیں ہو سکتی تھی۔ اس گاؤں کا ہر شخص دل سے مجاہدین اور زبان سے بھارتیوں کے ساتھ تھا۔
ان میں وہ لوگ بھی شامل تھے جو بادل نخواستہ بشیر بکروال کے چنگل میں گرفتار تھے اور اس کے
ٹاؤٹوں کی حیثیت سے یہاں کام کر رہے تھے۔

وہ مجاہدین کے لئے اپنی دانست میں بڑے نامحسوس انداز میں راشن اکٹھا کرتی اور ان تک
پہنچانے کے لئے بھی اس نے بڑا محفوظ طریقہ اپنایا ہوا تھا۔ گاؤں میں کچھ روز سے یہ افواہ سرگرم تھی
کہ سرحد پار سے مجاہدین بھارتی علاقے میں آگئے ہیں اور انہوں نے بڑی اہم پہاڑیوں پر قبضہ کر لیا
ہے۔ صورتحال کی سنگینی کا اندازہ صرف اس بات سے ہوتا تھا کہ خلاف معمول قریباً روزانہ ان کے
گاؤں میں انڈین آرمی کے لوگ اس کے والد سے ملنے آنے لگے تھے اور انہوں نے کچھ مقامی لوگوں
سے بھی ملاقاتیں شروع کر دی تھیں۔ اس روز جب وہ بکریوں کے ساتھ اپنے ٹھکانے پر موجود تھی تو
سکینہ نے سڑک کے نزدیک بڑے بڑے ٹرک رکتے دیکھے۔ اس کا تجسس بڑھا اور نزدیک دیکھنے کی
خواہش لے کر وہ اپنی بکریوں سمیت بڑے نامحسوس انداز میں ان ٹرکوں اور توپوں کے اتنی نزدیک پہنچ
گئی جہاں سے وہ ان کا باریک بینی سے جائزہ لے سکتی تھی۔

''اے لڑکی! کون ہے تو؟''

اچانک ہی ایک بھاری بھرکم آواز نے اسے چونکا دیا آواز کی سمت گردن گھما کر سکینہ نے دیکھا تو
ایک فوجی جس نے کیموفلاج یونیفارم پہن رکھا تھا اس کے قریب پہنچ چکا تھا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

’’دیکھتے نہیں میں بکروال ہوں‘‘......اس نے سنبھل کر اور قدرے سخت لہجے میں جواب دیا۔

’’کیا کر رہی ہے یہاں؟‘‘......اگلا سوال مزید کرخت لہجے میں ہوا۔

’’میں کیا کر رہی ہوں؟ تمہیں بتا تو دیا۔ بکریاں چرا رہی ہوں۔ یہ ہمارا کھیت ہے۔ تم جانتے نہیں میرے والد کو؟‘‘

اس نے بڑے اعتماد سے جواب دیا۔

’’کون ہے تیرا والد؟‘‘

افسر کا لہجہ قدرے تبدیل ہوا تھا۔

’’بشیر بکروال کی بیٹی ہوں۔ کونسلر ہیں وہ یہاں کے۔ سارے بڑے بڑے فوجی افسران کے دوست ہیں‘‘

اس نے اپنے والد کا تعارف کروایا تو فوجی افسر کو بات سمجھ آ گئی۔ شاید وہ عرصے سے یہاں موجود تھا کیونکہ ’’مقامی کونسلر‘‘ ہونے کے لئے جو خوبیاں درکار تھیں اس کا اسے بخوبی اندازہ تھا۔ اسے اچھی طرح سمجھ آ گئی تھی کہ یہ ان کے کسی مخبر کی بیٹی ہے۔ جس کی عزت کرنا اس کی مجبوری تھی۔

’’یہاں کسی اجنبی کو آتے جاتے تو نہیں دیکھا ناں؟‘‘ اس نے بڑی اپنائیت سے سوال کیا۔

بھارتی فوجی افسر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ اس کی گردن مزید پھول گئی۔ واقعی ان بڑی بڑی ’’بوفورس گنوں‘‘ کی موجودگی میں کوئی وہاں کیوں آئے گا؟

’’ٹھیک ہے، ٹھیک ہے......اپنا کام کرو‘‘......اس نے سکینہ سے کہا جس نے اب ان بڑے بڑے ٹرکوں پر بنے نشانات بھی دیکھ لئے تھے۔

یہ لوگ غالباً کسی لینڈ سلائیڈ کی وجہ سے کچھ دیر کے لئے رک گئے تھے۔ قریباً پندرہ بیس منٹ بعد ہی ان کی روانگی ہو گئی۔ ان کے منظر سے ہٹنے کے بمشکل پندرہ بیس منٹ بعد بخت خان وہاں موجود تھا۔ غالباً وہ یہاں کافی دیر پہلے آ گیا تھا اور سکینہ اور بھارتی فوجی افسر کو دور سے دیکھ چکا تھا۔ اس

مرحلے پر اس کا منظر عام پر آنا۔ سکینہ اور مجاہدین دونوں کے لئے ناقابل تلافی نقصان کا باعث بنتا۔ ان کی روانگی کے بعد ہی اس نے خود کو ظاہر کیا تھا۔

سکینہ کو حسب معمول اس نے پر اعتماد اور مطمئن پایا۔ اسے فوجی امور کا علم تو نہیں تھا لیکن جس تفصیل سے اس نے یہاں موجود ٹرکوں اور توپوں کی نشاندہی کی تھی اس کے بعد کوئی مزید جاننے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہ جاتی تھی۔ اس روز کچھ دیر بعد ہی پاکستان انٹیلی جنس کو یہ اطلاع پہنچ چکی تھی کہ بھارتی کارگل دراس روڈ پر چھ بڑی بوفورس توپیں اور قریباً دو سو گاڑیاں لے آئے ہیں جس میں ڈھائی ٹن ٹرک اور سات ٹن کی توپیں کھینچنے والی گاڑیاں بھی شامل ہیں۔ یہ اطلاع پل بھر میں اگلی پوسٹوں تک پہنچ گئی جن کے پاس انفنٹری میں استعمال ہونے والے ہلکے پھلکے ہتھیاروں کے سوا کچھ نہیں تھا اور ہیڈ کوارٹر کو اس درخواست کے جواب میں کہ توپخانہ ان پر گولہ باری کرے یہ کہا گیا کہ فی الوقت ایسا ممکن نہیں اگلے دس پندرہ روز میں البتہ ممکن ہو جائے گا۔

O

حالات کا جبر ہے یا تاریخ کی ستم ظریفی یا پھر اپنوں کی بے اعتنائی کہ محض اپنی سیاسی دشمنیوں یا پھر انانیت کی جنگ میں ان جانبازوں کی لازوال قربانیوں کو نظر انداز کر دیا گیا جو مادر وطن کی حفاظت کے لئے بدترین حالات میں بھی اپنی جان پر کھیل گئے لیکن انہوں نے دشمن کو ایک انچ زمین پر قبضہ نہیں کرنے دیا۔

12 جون کو میجر ارشد جنہوں نے ’’بنیال‘‘ میں یونٹ رپورٹ کی تھی ’’جمال پوسٹ‘‘ کی طرف روانہ ہوئے۔ میجر ارشد نے صورتحال کا جائزہ لیا تو یہاں ایس او پی (SOP) کے تقاضے بھی پورے نہیں ہو رہے تھے۔ ’’جمال پوسٹ‘‘ ایسی تنگ جگہ پر بنی تھی جہاں بمشکل ایک مورچہ بنایا گیا تھا۔ جس کے قریباً اسی گز دور ’’آبزرویشن پوسٹ‘‘ تھی۔ ان دونوں انتہائی نازک اور اہم ترین پوسٹوں پر جو ’’تولانگ‘‘ کے قریباً پہلو میں لیکن فاصلے پر موجود تھیں نفری کی تعداد صرف گیارہ رہ گئی تھی۔ اب ذرا ان کے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

سامان حرب وضرب کا جائزہ بھی لے لیں جو بمشکل یہاں تک پہنچایا گیا تھا۔ میجر ارشد کو مکمل تفصیلات ملیں تو معلوم ہوا کہ یہاں لائٹ مشین گن کی ڈھائی ہزار گولیاں، بارہ پوائنٹ سیون مشین گن کی صرف دوسو پچاس گولیاں، سب مشین گن کے بارہ میگزین، دو انچ مارٹر کے بارہ عدد ناکارہ گولے۔ یہ تھا وہ سامان جنگ جس کے ساتھ وہ دشمن کے علاقے میں اس سے نبرد آزما ہونے جا رہے تھے۔

دونوں پوسٹوں پر موجود ان گیارہ افسروں اور جوانوں کے لئے جن تک کوئی کمک پہنچنا صرف معجزہ ہی ہوسکتا تھا۔ جو راشن میسر تھا اس میں تین کلو آٹا، ڈیڑھ کلو دال اور مزے کی بات یہ کہ کھانا پکانے کے لئے یہاں مٹی کا تیل بھی موجود نہیں تھا۔ میجر ارشد جنہوں نے بوم رخصت سکردو سے کچھ خشک میوہ جات خرید لئے تھے یا پھر جوانوں کے پاس کچھ گولیاں، ٹافیاں موجود تھیں جس کے بل بوتے پر وہ غنیم سے دو دو ہاتھ کرنے جا رہے تھے۔ حیران کن بات تو یہ ہے کہ یہاں رابطہ قائم رکھنے کے لئے جو پی آر سی۔ 77 وائرلیس سیٹ موجود تھا۔ اس کے بیٹری ختم ہوچکی تھی جسے برف سے ڈسچارج نہیں کیا جاسکتا تھا۔ ان سرفروشوں کو ایسے بدترین صورتحال میں نہ تو کسی دوسرے پوسٹ سے رابطہ ممکن تھا اور نہ ہی اپنے بٹالین ہیڈ کوارٹر سے۔

میجر ارشد منجھے ہوئے کمانڈر تھے اور آنے والے مصائب کو بخوبی اندازہ کر سکتے تھے۔ انہوں نے اسلحہ، گولہ بارود اور خوراک کی صورتحال ایک خط کے ذریعے پچھلی پوسٹ پر پہنچا دی اس ہدایت کے ساتھ کہ یہ معاملات کمانڈنگ آفیسر تک پہنچا دیے جائیں۔ جب ان کا ''ہرکارہ'' چھٹی لے کر پوسٹ تک بمشکل پہنچا تو وہاں زندگی موت کا معرکہ جاری تھا۔ دشمن نے تولانگ پر قبضہ کرنے کے لئے گڑوالی رجمنٹ، ناگا رجمنٹ اور گرنیڈیر کی تین بٹالین نفری کو مکمل ایئر سپورٹ کے ساتھ تولانگ پر چڑھائی کے لئے بھیج دیا تھا بعد میں ان کی مدد کے لئے راجپوتانہ رائفلز بھی آ گئی تھی۔ حالات ایسے خطرناک تھے کہ گزشتہ سولہ دنوں سے بھارتی گرنیڈرز بٹالین کی دو پلاٹونز تولانگ میں اس طرح پھنسی ہوئی تھیں کہ ان کے لئے سر اٹھا کر اوپر دیکھنا بھی ممکن نہیں تھا، جہاں بمشکل تیس سے چالیس پاکستانی افسر

اور جوان موجود تھے۔

ایسے بدترین حالات میں بھی میجر ارشد کی مدد سے انکار ان کے لئے ممکن نہیں تھا۔ خط روانہ کرنے کے دوسرے روز ان تک ایک حوالدار اور تین جوانوں کی ''کمک'' پہنچی جو گزشتہ دس بارہ روز سے مسلسل حالت جنگ میں تھے۔ حوالدار صاحب نے بتایا کہ ان کے ساتھ جو توپخانے کا ''آبزرور'' آ رہا تھا وہ دشمن کی تباہ کن گولہ باری کی زد میں آکر شہید ہوگیا ہے۔ ظاہر ہے یہ ''آبزرور'' ان کی آخری امید تھا جس کے ذریعے غنیم پر اپنی مدد کے لئے گولہ باری کروائی جاسکتی تھی۔

میجر ارشد نے اسے رضا الٰہی جان کر لبیک کہا اور اللہ کے یہ شیر اپنے مورچوں میں ڈٹ گئے۔ یہ جانتے ہوئے کہ ان کے لئے کمک کے تمام راستے بند ہیں۔

14 جون کی صبح دشمن نے ان پر زمین اور فضا سے گولہ بارود کی آگ برسانی شروع کی اور یہ بھوکے پیاسے جانباز پتھروں کی اوٹ میں چھپ کر بے بسی سے اس برستی آگ کا نظارہ کرتے رہے جس کا سلسلہ ختم ہوتے ہی ؟ آ رہا تھا۔ قریباً پانچ گھنٹے آتش و آہن برسانے کے بعد جب دشمن کو یقین ہوگیا کہ یہاں کوزی روح باقی نہیں رہا۔ اس کے پیدل دستوں نے حملے کا آغاز کیا۔ سینکڑوں کی تعداد میں بھارتی سورمے جدید اور تباہ کن ہتھیاروں سے لیس ان پر ٹوٹ پڑا۔ تین دن تک یہ شیر دل بھوکے پیاسے دشمن کے گولوں اور گولیوں کا سامنا کرتے رہے۔ لیکن مجال ہے جو کسی کی زبان پر ایک لمحے کے لئے بھی گلہ شکوہ آیا ہو۔

سپاہی طارق مشین گن پر ڈیوٹی دے رہا تھا۔ دشمن کے ایک گولے کا ٹکرا پہلے روز اس کی ٹانگ میں آ لگا جس سے ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ یہاں مرہم پٹی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ آفرین ہے ان جیالوں پر تین روز تک سپاہی طارق مشین گن سنبھالے دشمن کے سامنے ڈٹا رہا۔ دشمن کو اس بات کا اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ ان کے مقابلے پر صرف پندرہ پاکستانی ہیں اگر وہ یہ جانتے تو شاید تین دن کے نتائج پر شرم سے ہی ڈوب مرتے۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

17 جون کی شام تک پوزیشن یہ تھی کہ ان کے پاس 12 پوائنٹ سیون مشین گن کی صرف تین سو گولیاں باقی بچی تھیں۔ سب مشین گن کا صرف ایک میگزین اور لائٹ مشین گن کی ایک بھی گولی باقی نہیں تھی۔ اپنے ساتھیوں کی حالت زار سے ان کا کمانڈنگ افسر بے خبر نہیں تھا لیکن ایسے بدترین حالات میں اس کے لئے انتہائی نامکمل اسباب کے ساتھ اپنے ان شیر دلوں تک کمک پہنچانا قریباً ناممکن تھا۔

16 جون کی رات قریباً بارہ بجے ان تک گیارہ بار بردار انتہائی نامساعدہ حالات میں موت کو پچھاڑتے پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ وہ اپنے ساتھ ممکن حد تک راشن اور ایمونیشن لے کر آئے تھے۔ تین دن تک دشمن کے ہزاروں ٹڈی دل کا مقابلہ کرنے والے ان زخمی جانبازوں کو کسی حد تک ہی سہی کچھ سہولت میسر آئی۔ میجر ارشد نے زخمیوں کو واپس روانہ کیا اور ان کی جگہ آنے والوں کو تعینات کر دیا۔ ابھی وہ یہ کارروائی مکمل ہی کر پائے تھے کہ دشمن نے بے پناہ شدت کے ساتھ گولہ باری شروع کر دی۔ نائیک نور اور سپاہی محمد عباس اس براہ راست گولہ باری کی زد میں آ کر جام شہادت نوش کر گئے۔ ......واحد بنکر اور سب سے مضبوط آسرا یعنی بارہ پوائنٹ سیون مشین گن تباہ ہو گئی۔ میجر ارشد کے حواس قائم تھے۔ ایمان مضبوط تھا۔ وہ اپنے بچے کھچے جانبازوں کے ساتھ نئی صف بندی کرنے لگا۔ علی الصباح ان کے عقب میں قریباً 80 گز کے فاصلے پر بنی آبزرویشن پوسٹ سے ایک ''این سی او'' جان ہتھیلی پر رکھ کر یہ خبر لایا کہ رات کے اندھیرے میں غنیم کے پیدل دستے مختلف تودوں کی اوٹ لیتے ہوئے ان کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ اس خبر نے جوانوں کے دلوں میں آگ لگا دی وہ دشمن کو جہنم رسید کرنے کے لئے بے قرار تھے لیکن میجر ارشد نے سختی سے حکم دیا کہ کوئی گولی فائر نہیں ہو گی۔ اس نے اپنے جانبازوں کو نئی ترتیب میں پھیلا اور دشمن کا منتظر ہو رہا۔ انتظار کا یہ کرب کتنا جان لیوا ہوتا ہے اس کا شاید عام حالت میں تصور بھی نہ کیا جا سکے۔ صبح ہو رہی تھی ہلکے اجالے میں انہیں دشمن کی نقل و حرکت دکھائی دے رہی تھی لیکن میجر ارشد نے ان کا آخری لمحات تک انتظار کیا اور جب دشمن کے

پاس واپسی کے امکانات ختم ہوتے دکھائی دیے تو اس نے نعرہ مستانہ بلند کرتے ہوئے اپنے جانبازوں کو للکارا کہ کسی کو زندہ بچ کر نہیں جانے دینا۔ دشمن کے وہ پیدل دستے جنہیں اس امید کے ساتھ اس طرف بھیجا گیا تھا کہ میدان بالکل صاف ہے اچانک میجر ارشد کے جانبازوں کی گرفت میں آ گئے۔ غنیم کے لئے یہ جان لیوا ''سرپرائز'' تھا۔ وہ درجنوں لاشیں چھوڑ کر پسپائی اختیار کر گیا۔ لیکن اس نے شدت کی گولہ باری جاری رکھی جس سے مین پوزیشن پر چار جوان زخمی ہو گئے۔ چار بجے تک یہ سلسلہ جاری رہا جس کے بعد دشمن نے تازہ دم پیدل دستوں کے ساتھ حملے کا آغاز کیا۔ ادھر حالت یہ تھی کہ عملاً میجر ارشد کے ساتھیوں کے پاس اسلحہ ختم ہو چکا تھا۔ سب مشین گنوں کے چند میگزین باقی تھے جن سے بڑھتے ہوئے دشمن کا کچھ نہیں بگاڑا جا سکتا تھا۔ آدھے سے زیادہ جوان زخمی اور ان میں زیادہ تعداد ان کی تھی جنہوں نے گزشتہ آٹھ دس روز سے صرف زندہ رہنے کے لئے ضروری راشن پر گزارہ کیا تھا۔ اس بات کے امکانات نہ ہونے کے برابر تھے کہ انہیں عقب سے کوئی کمک میسر آ سکے گی۔

اس سب کے باوجود میجر ارشد ڈٹا رہا۔

شام پانچ بجے میجر ارشد ایک گولے کا ٹکرا لگنے سے زخمی ہو گئے۔ ان کے لئے نقل و حرکت بھی ممکن نہیں رہی تھی۔ لیکن وہ اپنی پوزیشن سے ہٹنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ ان کے ساتھی ان کی منت سماجت کرتے ہوئے انہیں کھینچ کر ایک تودے کے نیچے لے گئے۔ مزاحمت دم توڑ رہی تھی۔ اسلحہ ختم ہو گیا۔ زخمیوں کی حالت بگڑ رہی تھی اور کمک آنا ممکن نہیں تھی۔

ان حالات میں ساتھیوں کے بے حد اصرار پر میجر ارشد نے فی الوقت پیچھے ہٹنے کا فیصلہ کر لیا۔ شام چھ بجے انہوں نے اپنے سفر کا آغاز کیا۔ زخمی کمانڈر اور سپاہی ایک دوسرے کو سہارا دیتے ایک نالے میں گھس گئے۔ یہ نالہ دشمن کی پوزیشنوں کے اندر سے گزر کر محفوظ علاقے کی طرف جاتا تھا۔ ان حالات میں اس کے سوا اور کوئی راستہ بھی باقی نہیں بچا تھا۔ ساری رات وہ ایک دوسرے کو سہارا

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

دے کر چلتے رہے اور اگلے روز بالآخر پچھلی پوسٹوں تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔

O

اس روز انوج کمار کو اچانک ہی سی او نے طلب کیا تھا۔

''یس سر''......اس نے مؤدب ہو کر پوچھا۔

''معاملہ کچھ گڑبڑ دکھائی دے رہا ہے''

کمانڈنگ افسر نے بغیر کوئی لگی لپٹی رکھے کہا۔

''میں سمجھا نہیں سر''......کیپٹن انوج کو واقعی سمجھ نہیں آئی تھی۔

''ات وادی یہاں موجود ہیں کیپٹن اور وہ پاکستانیوں کے لئے ''آبزرورز'' کے فرائض بھی انجام دے رہے ہیں......''

کمانڈنگ آفیسر کی باتیں انوج کمار کو سمجھ نہیں آ رہی تھیں۔ ایسا کیسے ممکن تھا؟ اس نے بشیر بکروال کے ذریعے یہاں کے چپے چپے پر نظر رکھی ہوئی تھی۔ کوئی ایسی اشیائے خورد ونوش کی دکان نہیں تھی جس کی مانیٹرنگ نہ ہو رہی ہو......پھر کمانڈنگ آفیسر یہ سب کیسے کہہ رہے تھے۔

''یہ دیکھو''......اس نے انوج کمار کے سامنے ایک سرخ رنگ کی فائل اپنی میز کی دراز سے نکال کر رکھی۔ جس پر بڑے جلی حروف میں "Top Secret" ٹاپ سیکرٹ لکھا تھا۔

کیپٹن انوج کمار نے بے چینی سے فائل کھولی تو پہلے ہی صفحے پر موجود تحریر نے اسے چونکا دیا۔ یہ ایک ''سیکرٹ پیغام'' تھا جو یہاں سے پاکستان انٹیلی جنس کو بھیجا گیا تھا جس میں دراس روڈ سے گزرنے والے فوجی کنوائے کی مکمل تفصیلات موجود تھیں۔ اس سیکٹر میں بھارتی فوج کی مورچہ بندیوں کی تفصیلات، سامان جنگ کی تفصیل اور ایسے ایسے پیغامات موجود تھے جن کے بعد یہ تصور ہی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ بھارتی فوج کی کوئی بھی نقل وحرکت دشمن سے چھپی ہوئی ہے۔

''اوہ مائی گاڈ''......اس نے پریشانی کے عالم میں فائل ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔

''یہ ناقابل برداشت ہے'' کیپٹن! ناقابل برداشت''

کمانڈنگ افسر نے انگریزی زبان میں غصہ جھاڑتے ہوئے تین چار مہذب گالیاں بھی دے دیں۔

''مجھے ہر صورت یہ بندے چاہئیں......کسی بھی قیمت پر'' اس نے دوبارہ انگریزی میں ہذیان بکتے ہوئے کہا۔

''یس سر''......انوج کمار نے بمشکل دو لفظ ادا کیے "Do it"......کمانڈنگ افسر نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ میٹنگ ختم ہو گئی۔

انوج کمار نے کھڑے ہو کر سلیوٹ کیا اور سر جھکائے باہر آ گیا زندگی میں پہلی مرتبہ اسے اتنی شرمندگی کا سامنا ہوا تھا۔ وہ بریگیڈیئر کا بیٹا تھا اور اس نے کبھی اپنی ڈیوٹی سے غفلت کا عام حالات میں بھی تصور نہیں کیا تھا یہ تو خصوصی حالات تھے وہ حالت جنگ میں تھے۔ پاکستانیوں نے بھارتی علاقے کے کئی کلومیٹر اندر آ کر اہم اور حساس مقامات پر قبضہ کر لیا تھا اور ان کی توقعات کے بالکل برعکس انہیں جس نوعیت کی جوابی کارروائی کا سامنا تھا اس نے تو انوج کمار کو چکرا کر رکھ دیا تھا۔

حکومت اور ہائی کمان کی خصوصی ہدایات پر وہ مرنے والوں کی تعداد چھپا رہے تھے اور بیشتر لاشیں خاموشی سے متعلقہ علاقوں کو روانہ کر دی جاتی تھیں لیکن پھر بھی بھارتی پریس نے کھوج لگا کر اس کی تشہیر شروع کر دی تھی۔ حکومت جو چھپانا چاہتی تھی وہ ظاہر ہو رہا تھا جس کے نتائج بہت غلط نکل رہے تھے۔ بھارتی فوجیوں کی جس تیزی سے ''مرتیو'' ہو رہی تھی۔ اس نے فوج کے مورال پر برا اثر ڈالا تھا اور فوج میں تیزی سے بددلی پھیل رہی تھی۔ ان حالات میں یہ انکشاف کہ اس کے زیر کمان علاقے میں پاکستان انٹیلی جنس اتنی موثر کارروائی کر رہی ہے اس کے لئے بہت ہی شرمناک تھا۔

اپنے آفس پہنچ کر وہ فائلیں کھول کر ان کا جائزہ لیتا رہا۔ اس کی معلومات کا بنیادی ذریعہ بشیر بکروال تھا۔ ''کہیں بشیر بکروال ڈبل کراس تو نہیں کر رہا''......اچانک ہی ایک سوچ نے اسے ہلا کر رکھ

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

یا...... کچھ بھی ہو آخر وہ مسلمان ہے اور اس کے باپ نے بتایا تھا کہ ان مسلمانوں کا کہیں بھی کسی بھی لمحے دماغ خراب ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں بھارتی انٹیلی جنس ایجنسیوں میں کبھی کسی اہم عہدے پر نہیں رکھا جاتا تھا۔ اول تو انہیں خفیہ اداروں میں نوکری ہی نہیں دی جاتی تھی اگر نوکری مل بھی جائے تو عموماً آفس بوائے اور چھوٹے سٹاف تک محدود ہوتی تھی جہاں سے وہ کسی بھی صورتحال پر اثر انداز نہ ہو سکیں۔

اس نے اپنی تربیت کے برعکس آج تک بشیر بکروال پر ''کاؤنٹر چیک'' نہیں لگایا تھا جس کی وجہ اس کا بشیر پر اندھا اعتماد تھا۔ اسے پہلی مرتبہ احساس ہوا کہ اس نے اپنی غفلت کی وجہ سے یہ ذلت اٹھائی ہے۔ اب کیپٹن انوج کمار نے خود میدان میں اترنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ اگر اس علاقے میں فوج کی نظروں سے اوجھل کچھ ''ات وادی'' موجود ہیں تو انہیں جسم و جان کا رشتہ برقرار رکھنے کے لئے ان دیہاتوں سے کھانے پینے کی اشیاء ضرور حاصل کرنا پڑتی ہوں گی۔ یہی وہ پھندہ تھا جس میں یہ لوگ پھنس سکتے تھے کیونکہ کسی گاؤں میں ان کا قیام ممکن نہیں تھا۔ انوج کمار کو بشیر بکروال نے ہمیشہ یہی بتایا تھا کہ اس کی تمام دکانوں پر نظر ہے لیکن کمانڈنگ افسر کی طرف سے ملنے والے پیغام کے بعد اسے اس بات پر یقین نہیں رہا تھا ضرور دال میں کالا تھا۔ ممکن ہے وہ بشیر پر صرف شک ہی کر رہا ہو اور بشیر کو علم نہ ہو کہ 'ات وادی' یہاں موجود ہیں۔ یہی کچھ سوچتے ہوئے اس نے صوبیدار مان سنگھ کو طلب کیا اور اب صوبیدار مان سنگھ اس کے سامنے بیٹھا اسے یہاں کے حالات بتا رہا تھا۔

''سر جی!'' صرف دکاندار ہی نہیں۔ مقامی عورتیں بھی اس کام میں ملوث ہیں۔ ان لوگوں نے گاؤں کے باہر پہاڑوں کے دامن میں سبزیاں کاشت کی ہوئی ہیں۔ وہاں سے نزدیکی دیہاتوں میں لا کر فروخت کرتے ہیں...... ''بکریاں بھی باہر ہی چرتی ہیں'' صوبیدار مان سنگھ نے اسے بتایا۔

''اوہ مائی گاڈ''...... بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔

اس کا مطلب تھا کہ ایک چور راستہ بھی موجود ہے جس پر بشیر بکروال کی نظر نہیں تھی۔ اور اب اس نے خود یہ راستہ بند کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس نے صوبیدار مان سنگھ کو خصوصی ہدایات کے ساتھ رخصت کیا اور خود بھی کمرے سے باہر آ گیا اس نے اپنی دانست میں جو منصوبہ ترتیب دیا تھا اس سے ضرور بہتر نتائج نکلتے۔

O

18 جون کو پاکستان آرمی نے اپنا آزمودہ کار جرنیل میدان میں اتارا یہ تھے ستارہ جرات بریگیڈیئر خالد نذیر۔ ماضی کی شاندار کارکردگی کا حامل بریگیڈیئر 18 جون کو جب میدان کارزار میں اترا تو دشمن کا بظاہر غلبہ دکھائی دے رہا تھا۔ کسی بھی لحاظ سے حالات موافق نہیں تھے۔ اس کے سپاہی اسلحہ، راشن کی کمی کا شکار، نفری نہ ہونے کے برابر ان میں بھی غالب تعداد زخمیوں اور مسلسل جاگنے اور بھوکے پیاسے رہنے سے جسمانی کمزوری کے شکار افسروں اور جوانوں کی تھی۔ خالد نذیر نے 12 این ایل آئی حیدران کے کمانڈنگ آفیسر کی حیثیت سے کمان سنبھالی اور پہلے ہی روز اپنے ساتھ صرف ایک جوان کو لے کر ''قراولی'' پر نکل گئے۔ دو روز تک انہوں نے اس ایریا کے چپے چپے کی ''ریکی'' کی، زمینی خدوخال، آفیسر، جے سی او، جوانوں سے آشنائی حاصل کی اور انہیں باہمت، باوقار اور پرجوش پایا۔ یہ بڑا ہی پازیٹو سائن تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ان کی ہمت جوان ہے اور وہ بدترین حالات کے باوجود زندگی موت کے اس معرکے کو سر کرنے کی ہمت رکھتے ہیں۔ بریگیڈیئر خالد نذیر بتاتے ہیں۔ زمینی خدوخال، زمینی حقائق دشمن کی تازہ ترین ڈیپلائمنٹ اور سب سے بڑھ کر اپنی سپاہ کی صلاحیتوں اور کمزوریوں سے آگاہی ہوئی۔ تقریباً تمام دفاعی کلیدی کمانڈروں کے نام تک زبانی یاد ہو گئے۔ میں نے ان جونیئر لیڈرز کو عملی تدبیرات میں بہت اچھا پایا۔ انہیں اپنے بنیادی اور اضافی کاموں سے واقفیت تھی۔ میں اکثر ان سے تدبیرات کے متعلق گفتگو کرتا تھا۔ خصوصاً اگر دشمن مشکل مرحلہ میں مختلف اطراف سے حملہ کرے تو اسے اپنے ہاتھ باندھنے کا موقع فراہم نہیں کرنا

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

۔دائیں بائیں کی بازوئی حرکت کو پہلے اور دور ہی روک دو۔ایک رخ سے سامنے آتا ہے تو آنے دو لیکن اس کی نگہبانی کرتے رہو اور جب وہ مار کے علاقے میں پہنچ جائے تو پھر بھرپور طاقت سے جواب دو۔اس تمام بات چیت کا مقصد احساس ذمہ داری کو مزید تقویت دینا اور لڑائی کا طریقہ کار سمجھانا تھا۔وسائل کی مطابقت سے ایک نئی سوچ کارروائی کے طریقے میں پہل پن کی اہمیت اور جدت عمل اجاگر کرنا تھا۔اس قراولی اور بریفنگ کا آغاز میجر زکریا یوسف سے کیا۔انہوں نے دفاع وطن کا اجمالی خاکہ اور تدبیراتی جائزہ پیش کیا۔مجھے چند گھنٹوں کے بعد اندازہ ہو گیا۔وہ ایک پیشہ ور سولجر اور ذمہ دار جونیئر لیڈر ہے۔میرے ساتھ وہ بھی قراولی پر جانا چاہتا تھا۔لیکن بدلتے ہوئے حالات کے پیش نظر ہم دونوں میں ایک کا اپنے ہیڈ کوارٹرز سے رابطہ میں رہنا از حد ضروری تھا۔لہٰذا وہ اپنی پوزیشن پر رہ گیا۔یوں میں نے کاشف سے ندیم کی پوزیشن تک قراولی مکمل کی۔میجر سعید ناگرہ، لیفٹیننٹ اقبال، کیپٹن امیر نواز، کیپٹن سلمان، کیپٹن ساجد، صوبیدار مراد بیگ، صوبیدار سکندر، حولدار لالک جان اور کیپٹن عمر سے ملا۔ندیم سے آگے حسن حسین اور شیر کی دفاعی پوزیشنوں کی قراولی سے مجھے روک دیا گیا اور مجھے بتایا گیا کہ آگے نہ جائیں۔ذمہ داری کا وہ علاقہ کسی اور سپاہ کو دے دیا جائے گا اور وہاں سے فارغ ہونے والی تقریباً دو پلاٹون کی نفری سے میری ذخیرہ فورس تشکیل دی جائے گی۔یہ بھی حقیقت ہے کہ لڑائی سے پہلے ہم ایک جامع منصوبہ بندی کرتے ہیں۔پہلے مرحلے میں حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ منصوبہ بندی کے مطابق عمل درآمد کیا جائے اور دوسرے مرحلے میں بہت سارے زمینی حقائق اور ناگزیر واقعات کی وجہ سے بہت ساری تبدیلیاں کرنی پڑتی ہیں۔اس ذخیرہ فورس کا قیام بھی ناگزیر واقعات کی نذر ہو گیا لیکن اس بات سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ دفاع میں ذخیرہ فورس دفاعی جنگ کی روح رواں ہوتی ہے۔لہٰذا اس کا قائم کرنا میرے لئے لازم تھا۔دل میں ایک احساس تھا وقت کم ہے۔دشمن تعداد میں بہت زیادہ ہے اور سب سے خطرناک آپریشن کے لئے تیاری کرنی ہے۔

نیا باب

خالد نذیر نے ایک سے دوسرے مورچے تک کا سفر دشمن کی آتش و آہن برسانی توپوں کی گولہ باری کے دوران جاری رکھا اس سفر میں ان کی ساتھی سپاہی خورشید تھے جنہوں نے متعدد مرتبہ انہیں سنگین حالات کا احساس دلا کر روکنا چاہا جو خالد نذیر کے لئے ممکن نہیں تھے۔ان کے ہمکار جانتے تھے کہ اللہ کے اس شیر کو کبھی روبا ہی نہیں آتی۔

26 جون کو دشمن کے انتہائی اقدامات کا آغاز ندیم، حسین اور حسن کی دفاعی پوستوں پر حملے سے ہوا۔پہاڑی نالوں کی آڑ میں دشمن کی دو بٹالینز ''18 جاٹ'' اور ''16 گرنیڈیئرز'' جن کے ساتھ HAWS ہائی آلٹی چیوٹ کے انسٹرکٹرز کی ایک سیکشن اور ''21 ایس ایف'' حملہ آور ہوئیں۔

25 جون کو بھارت کے 192 ماؤنٹین ڈویژن نے اس سب سیکٹر کی ذمہ داری سنبھالی تھی۔ بٹالین کمانڈر ایم بی ایس باجوہ (بریگیڈیئر) نے ٹائیگر ہلز کے اس حصے کو آزاد کروانے کی سوگند لی تھی۔پہلے سے موجود اپنے سیکنڈ ان کمانڈ میجر دلبیر سنگھ کو اس نے اب تک کی کارروائی پر خاصی ڈانٹ ڈپٹ کی تھی جسے بریگیڈ ہیڈ کوارٹر سے بریگیڈیئر باجوہ کو بریفنگ دینے کے لئے بھیجا گیا تھا۔عین ان ہی لمحات میں کرنل ایس پی سنگھ بٹالین کے ٹیک ہیڈ کوارٹر میں 18 گرنیڈیئرز کو جس کی کمان لیفٹیننٹ

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

کرنل دھرم ویر پنگال کر رہا تھا۔ حملے کے لئے بریفنگ دے رہا تھا۔ بھارتی فوج بڑا حملہ کرنے جا رہی تھی۔ بریگیڈیئر باجوہ نے دونوں بٹالینز 8 سکھ اور 18 گرینڈیئرز کو اپنے انڈر کمان لے کر ٹائیگر ہلز کے اس حصے پر مشترکہ حملے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس فوج ظفر موج کے مقابلے پر کیپٹن عاطف ذیشان، میجر امجد تنویر، کیپٹن حسین احمد، کیپٹن ندیم بنگش اور صوبیدار نادر کریم اپنے تین تین چار چار ساتھیوں کے ساتھ مختلف ٹکڑیوں میں بٹ کر نبرد آزما تھے۔

حسب سابق دشمن کے حملے کا آغاز تباہ کن گولہ باری سے ہوا اور اس یقین پر کہ اب تو ٹائیگر ہلز کے اس حصے پر کوئی پتھر بھی سلامت نہیں رہا اس نے اپنے پیدل دستوں کو آگے بڑھایا اور مختلف چٹانوں کے پیچھے چھپے پاکستانی افسروں اور جوانوں کی اچانک جوابی کارروائی نے اسے بھونچکا کر رکھ دیا۔ پہلے ہی حملے میں دشمن کے چالیس فوجی مارے گئے۔ بریگیڈیئر باجوہ نے مزید تباہی سے بچنے کے لئے اپنے جوانوں کو پس قدمی کے احکامات جاری کر دیئے۔ دشمن کے لئے یہ جواب انتہائی غیر متوقع اور لرزا دینے والا تھا۔ اس کا حملہ بری طرح ناکام ہوا۔

27 جون کو دشمن اپنے زخم چاٹتا اور نئی صف بندیوں میں مصروف دکھائی دیا۔

28 جون کو وہ پلٹ کر حملہ آور ہوا۔ اس حملے کی شدت 26 جون والے حملے سے کئی گنا زیادہ تھی۔ اس مرتبہ دشمن کا ہیوی توپخانہ پوری شدت سے آگ برسا رہا تھا۔ دشمن کا منصوبہ تھا کہ وہ عقب میں جا کر ہماری دفاعی لائن کو کاٹ دے لیکن پاکستان آرمی کی جونیئر قیادت پہل قدمی، بے مثال جرات اور ولولہ انگیز قیادت نے اسے پھر ناکامی سے دوچار کیا۔ ان حملوں میں کیپٹن حسین احمد اور میجر امجد تنویر زخمی ہوئے لیکن انہوں نے محفوظ پناہ گاہوں میں بیٹھنے کے بجائے سکرین پوزیشن کو نہیں چھوڑا۔ اس مرتبہ دشمن پر جیسے ضد سوار ہو گئی تھی اس نے 28 سے 30 جون تک بے پناہ جانی و مالی نقصان اٹھانے کے باوجود حملہ جاری رکھا۔ کیپٹن ندیم بنگش کے زخمی ہونے پر اس فورس کی کمان صوبیدار نادر کریم نے سنبھالی اور پامردی کے ساتھ ڈٹے رہے۔ بے لوث خدمت، بے خوف قیادت، احساس

ذمہ داری، فرض شناسی اور ناقابل بیان جرات و بہادری کے اعتراف میں کیپٹن حسین احمد کو ستارہ جرات، کیپٹن ندیم بنگش کو تمغہ بسالت، صوبیدار نادر کریم کو ستارہ جرات اور نائیک محمد علی شہید کو تمغہ جرات سے نوازا گیا۔

O

کیپٹن کرنل شیر خان نشان حیدر کو جب میدان کارزار میں اتارا جا رہا تھا اور دم رخصت انہیں 62 بریگیڈ ہیڈکوارٹر میں بریفنگ کے بعد فوج کی مروجہ زبان میں پوچھا گیا۔ "ANY Dought" (کوئی شک)؟ تو ان کے جواب نے ان کے عظیم الشان مستقبل کی نشاندہی کر دی۔ عینی شاہدین کا کہنا ہے۔ کیپٹن کرنل شیر خان نے کہا۔

"مجھے کوئی شک نہیں۔ یقین ہے کہ راہ نجات صرف شہادت ہے۔ جو جہاد و شہادت پر یقین نہیں رکھتا وہ ایمان سے خالی ہے"

یہ تھے وہ تیور جن کے ساتھ کیپٹن کرنل شیر خان میدان کارزار میں اترے۔ انہوں نے متشکوہ نالے کے ساتھ ساتھ دشمن کو ناکوں چنے چبادیئے اور دشمن کو ان کی اچھی شناخت بھی ہو چلی تھی۔ 28 جون کو جب دشمن نے حسن اور حسین پوزیشن پر انتہائی دباؤ ڈالا ہوا تھا تو کیپٹن کرنل شیر خان نے اس دباؤ کو توڑنے کا عزم کیا انہوں نے سپاہی عرفان اللہ، محمد حسین بشیر، غلام محمد، مہر دین اور حوالدار میجر نرگس شاہ کو اپنے ہمراہ لیا اور دشمن کے عقب میں موجود نفوذ کیمپ کو نشانہ بنانے کے لئے رخت سفر باندھا۔ قرون اولیٰ کی مجاہدین کی سنت پوری کرتے ہوئے انہوں نے عشا کی نماز ادا کرنے کے بعد مختصر خطاب میں اپنے ہمرائیوں کو جہاد کی فضیلت سے آگاہ کرتے ہوئے بریفنگ دی وہ جس کیمپ پر حملہ کرنے جا رہے تھے اس کی "ریکی" خود کر چکے تھے۔ غازیان صف شکن کا یہ قافلہ صبح قریباً ساڑھے چار بجے اپنی منزل پر پہنچا۔ ان کے عالی ہمت کمانڈر نے سب کو ترتیب کے مطابق پھیلایا اور بے خبر، طاقت کے نشے میں بدمست دشمن کی گردن دبوچ لی۔ کیپٹن شیر خان نے دو دو افراد کے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

چار گروپ بنائے۔ تین گروپوں کو مشین گنیں، آر پی جی سیون دے کر پوزیشن میں بٹھایا اور خود سپاہی عرفان اللہ کے ساتھ کیمپ کے اندر اتر گئے۔ دونوں نے دشمن کی پہلی چوکی پر موجود دو سپاہیوں کو جالیا یہاں دو مشین گنیں فکس لائن Fix Line پر نصب تھیں جن میں سے ایک کا رخ متشکوہ نالے کی طرف تھا جس میں سفر کرتے یہ مجاہد یہاں تک پہنچے تھے اور اس گن کے سامنے ہی انہوں نے اپنے ساتھیوں کو پوزیشن بھی دلائی تھی۔ کیپٹن کرنل شیر خان نے پھرتی سے دونوں مشین گنوں کے میگزین نکال کر اپنے پٹھوجھولے میں ڈال لئے۔ کیپٹن کرنل شیر خان نے سپاہی عرفان اللہ کو اشارہ کیا کہ بغیر آواز نکالے دونوں سنتریوں کو مارنا ہے انہوں نے اپنے شکار کو تو ٹھکانے لگا دیا لیکن سپاہی عرفان اللہ کا شکار ہوشیار ہو چکا تھا۔ جس کے شور مچانے پر بھارتی خبردار ہو گئے۔ انہوں نے یہی سمجھا کہ پاکستانی فوج نے ان پر حملہ کر دیا ہے اندھا دھند فائرنگ ہونے لگی۔ کیپٹن شیر خان نے اپنے پستول سے اس سپاہی کو جہنم رسید کیا۔ عرفان اللہ اور شیر خان اپنی جی تھری رائفلو کے ساتھ دشمن کی فائرنگ کا جواب دیتے شکوہ نالے کی طرف پسپائی اختیار کر رہے تھے۔ جہاں سے ان کے ساتھی دشمن پر فائرنگ کر رہے تھے۔ جنہوں نے پہلے ہی حملے میں دشمن کے 42 فوجی مار ڈالے۔ جب اچانک ایک گن سے نکلا پورا برسٹ سپاہی عرفان اللہ کے سینے میں لگا۔ وہ گر پڑے۔ شدید زخمی تھے کیپٹن کرنل شیر خان نے انہیں کندھے پر اٹھالیا اور محفوظ پناہ کے لئے آگے بڑھے۔ اس دوران ان کے دو ساتھی عرفان اللہ کو سنبھالنے کے لئے آگئے تھے ابھی وہ اسے سنبھال ہی رہے تھے جب عرفان اللہ نے با آواز بلند کلمہ شہادت کا ورد کرتے ہوئے اپنی جان جان آفرین کو سونپ دی۔ کیپٹن شیر خان انہیں اٹھا کر ایک قدرے محفوظ تودے کے پیچھے لے گئے اور دشمن سے مقابلہ شروع کر دیا۔ سورج نکل آیا تھا جس کے ساتھ ہی دشمن کے طیارے ان پر حملہ آور ہوئے۔ جس پر انہیں عرفان اللہ شہید کی لاش وہیں چھوڑ کر پیچھے ہٹ کر محفوظ پوزیشن لینی پڑی۔ طیارے واپس گئے تو شدید گولہ باری میں شیر خان سپاہی عرفان اللہ کی لاش اٹھانے آگے آئے تو علم ہوا کہ دشمن ان کا جسد خاکی اٹھا کر لے گیا ہے۔

سپاہی عرفان اللہ شہید کو اس شب خون میں کلیدی کردار ادا کرنے پر اعتراف بہادری و جرات کرتے ہوئے ستارہ جرات سے نوازا گیا۔ وہ عساکر پاکستان کی تاریخ میں ستارہ جرات سے نوازے جانے والے شاید سب سے کم عمر نوجوان ہیں۔ اس معرکہ جانکاہ میں وہ اکیلے شہید ہوئے تھے جبکہ دشمن کے مرنے والے فوجیوں کی تعداد 45 اور 50 کے درمیان بتائی جاتی ہے۔

دشمن کی ان ابتدائی کارروائیوں کا مقصد خالد نذیر کی فورس کو Fix کرنا تھا جبکہ دشمن ان کے بائیں والی کمپنی پر دو بریگیڈز کے ساتھ بھرپور حملہ کرنے کے لئے اجتماع کر چکا تھا وہ اس کمپنی کے دونوں بازوؤں پر ایک ایک بریگیڈ کی طاقت سے حملہ کرنا چاہتا تھا۔ ان بریگیڈز کو 125 آرٹلری کی بیٹریوں کی مدد بھی حاصل تھی ایک پیرا بٹالین اور دو سپیشل فورسز کی کمپنیوں کی مدد سے دشمن خالد نذیر کا رابطہ ان کے عقب سے کاٹنا چاہتا تھا اور ایک بریگیڈ ان کے علاوہ اس نے ذخیرہ فورس (RESERVE) کے طور پر تیار رکھا ہوا تھا۔ یہ تھے وہ حالات جن میں اپنے کم ترین وسائل کے ساتھ وہ دشمن کے منتظر تھے۔

O

تذکرہ اہل وفا میں میجر وہاب کا نام نمایاں ہے۔ آپ نے 24 جون کو 6 این ایل آئی کے بٹالین ہیڈ کوارٹر میں رپورٹ کی۔ جہاں سے انہیں طارق پوسٹ کا چارج سنبھالنے کا حکم ملا۔ دشمن نے 19 جون کو طارق پوسٹ پر بڑا حملہ کیا تھا۔ پاکستانی توپخانے کی فوری اور موثر کارروائی کی وجہ سے یہ حملہ ناکام ہوگیا۔ 23 جون کو دوسرا حملہ آیا یہ بھی ناکام بنا دیا گیا۔ 24 جون کو طارق پوسٹ پر تازہ کمک پہنچائی گئی اور اب یہاں نفری 34 ہوگئی۔ میجر وہاب 26 جون کی رات یہاں پہنچے۔ انہوں نے آنے کے فوراً بعد عشا کی نماز با جماعت ادا کی اور لیفٹیننٹ جاوید سے علاقے کی صورتحال پر بریفنگ لیتے رہے۔

طارق پوسٹ سے آگے تین آبزرویشن پوسٹیں تھیں۔ ایک آبزرویشن پوسٹ عقب میں تھی۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

بلندی پر ہونے کی وجہ سے وہاں سے دشمن کی نقل وحرکت بڑی واضح دکھائی دیا کرتی تھی۔ ان کے پیچھے یعنی شمال مشرق میں غلام جان پوسٹ تھی۔ جس کی کمانڈ میجر عاصم کررہے تھے۔ طارق پوسٹ کی اونچائی 4683 میٹر تھی۔ ہیڈکوارٹر قریباً وسط میں تھا اور یہاں صرف 2 مشین گنیں نصب تھیں۔ صبح تک میجر وہاب لیفٹیننٹ طارق کے ساتھ اپنے علاقے میں گھوم پھر کر صورتحال کا جائزہ لیتے رہے۔
اس دوران دشمن کی گولہ باری مسلسل جاری رہی۔ دوسرے روز میجر وہاب کی درخواست پر سی بی آئی شیٹس منگوا کر بنکروں پر سائبان بنائے گئے۔ 28 جون کی شام تک میجر وہاب نے پوسٹ پر بنکروں کی ترتیب صحیح کروائی ان کی کمزوریوں کو دور کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ اس دوران انٹیلی جنس رپورٹ آگئی کہ دشمن کی جو گفتگو ریکارڈ کی گئی ہے اس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ وہ طارق پوسٹ پر بڑا حملہ کرنے جارہا ہے۔

میجر وہاب 28 جون کی رات سکرین پوزیشن پر موجود تھے۔ ان کی آنکھوں سے ''نائٹ گاگلز'' لگے ہوئے تھے جب انہیں دشمن کے پیدل دستے چوڑائی میں پھیل کر اپنی طرف آتے دکھائی دیئے۔ انہوں نے دشمن کی نقل وحرکت پر نظر رکھنے کی ذمہ داری لیفٹیننٹ جاوید کو سونپی اور خود اپنی گن کے ساتھ مورچے پر ڈٹ گئے۔ انہوں نے دشمن پر فائرنگ کا حکم اس وقت دیا جب وہ ان کے چھوٹے ہتھیاروں کی زد میں آ گیا۔ اس کے درجنوں سپاہی پہلے ہی حملے میں لقمہ اجل ہوئے لیکن دوسری طرف جہاں لیفٹیننٹ جاوید جوابی حملے کی کمان بھی کررہے تھے اور انہوں نے دشمن کی نقل وحرکت پر بھی مکمل نظر رکھی ہوئی تھی۔ پسپا ہوتے دشمن کی اندھا دھند فائرنگ اور ان کی مدد کے لئے ہونے والے فائر سے اس طرف کچھ جوان زخمی ہوگئے تھے۔ لیفٹیننٹ جاوید کو بھی گولی لگی جس سے وہ بے ہوش ہوئے اور ہوش میں آنے پر دیکھا کہ میجر وہاب ان کی مرہم پٹی کررہے ہیں۔ میجر وہاب نے خود ان کی جگہ سنبھال لی تھی۔ لیفٹیننٹ جاوید کا خون بہنا بند نہیں ہورہا تھا اور ان کی نقاہت بڑھتی جارہی تھی۔ اس دوران صوبیدار محمد حسین کو بم کا ایک سپنٹر لگا جس سے وہ شدید زخمی ہوگئے۔ جاوید پر

اب غشی طاری ہونے لگی تھی میجر وہاب نے دونوں سے درخواست کی کہ وہ پیچھے چلے جائیں لیکن دونوں نے انکار کردیا بہت منت سماجت کے بعد وہ جانے پر رضامند ہوئے۔ دونوں کے ساتھ ایک بہت ''بیمار سپاہی بھی ان کی حفاظت'' کے لئے ان کے ساتھ چل دیا۔ ابھی کچھ دور ہی گئے تھے جب دشمن کے کچھ فوجیوں نے انہیں گھیر لیا جس پر انتہائی زخمی ہونے کے باوجود لیفٹیننٹ جاوید، صوبیدار محمد حسین اور ان کا ساتھی مقابلے پر ڈٹ گئے۔ دشمن سے تو انہیں نجات مل گئی لیکن لیفٹیننٹ جاوید کی حالت زیادہ بگڑنے لگی تھی وہ پھر بے ہوش ہوگئے۔ ہوش آئی تو صوبیدار محمد حسین نے ان کا سر اپنے زانوں پر رکھا ہوا تھا اور انہیں پانی پلانے کی کوشش کررہا تھا جبکہ بخار اور درد سے بے حال سپاہی بندوق تانے بیٹھا تھا۔ اس نے لیفٹیننٹ جاوید کو کندھوں پر بیٹھنے کی درخواست کی لیکن غیرت مند لفٹین نے گوارہ نہ کیا۔ چند قدم چلنے کے بعد نقاہت سے ان کی سانس پھولنے لگی تھی صوبیدار محمد حسین اور بیمار سپاہی کی حالت بھی کچھ الگ نہیں تھی۔ دس پندرہ منٹ چلنے کے بعد وہ رک کر ستاتے اور ساری رات سفر کرنے کے بعد علی الصباح ریئر ہیڈکوارٹر پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔
دشمن پر جنون سوار تھا اس کے ایک دستے کا صفایا ہوتا تو دوسرا آگے آجاتا۔ اس دوران ان کو مسلسل ہوائی کور بھی میسر تھا۔ میجر وہاب پر ایک ہی وقت میں ہوائی حملے توپخانے کی شدید گولہ باری اور پیدل فوج کا حملہ جاری تھا اور تین دن اور راتوں سے یہ سلسلہ تسلسل سے چل رہا تھا۔ اس دوران انہوں نے تمام زخمیوں کو بحفاظت پیچھے پہنچا دیا تھا اور اب یہاں میجر وہاب اور سپاہی طیب رہ گئے تھے۔

رات کو دشمن نے پھر حملہ کیا۔ گولی میجر وہاب کے سینے پر لگی اور جسم کو چیرتے ہوئے کمر کے پار نکل گئی۔ میجر وہاب کو یقین ہو چلا تھا کہ ان کی منزل بہت قریب آگئی ہے۔ انہوں نے اپنی گھڑی، قرآن پاک اور دعاؤں کی کتاب سپاہی طیب کو دی اور اس سے واپس جانے کے لئے کہا۔
یہ کیسے ممکن تھا؟ سپاہی طیب نے اپنے کمانڈر کا حکم ماننے سے انکار کردیا اور آخری لمحات تک ان

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

کے ساتھ ٹھہرنے پر؟ رہا۔

اس نے ممکن حد تک اپنے کمانڈر کو سہولت پہنچائی۔ انہیں ایک پتھر سے ٹیک لگا کر بٹھا دیا۔ ان کی گن نزدیک رکھ دی اور خود اوپر چڑھتے دشمن کی طرف متوجہ ہوا۔ اچانک دشمن نے زور مارا اور ''جے کارے'' لگاتا اوپر آنے لگا۔ حیرت انگیز طور پر میجر وہاب نے سب مشین گن سنبھالی اور ڈٹ گئے۔ سپاہی طیب اور اس کے زخمی کمانڈر نے اوپر آنے والوں کو دوبارہ زمین چاٹنے پر مجبور کر دیا۔

29 جون کی صبح ہو چلی تھی۔ میجر وہاب نے اشارے سے نماز کا پوچھا۔ سپاہی طیب نے بتایا۔

''سر! وقت ہو گیا''......

جواب ملا......الحمد اللہ......میرا وقت بھی ہو گیا''

اپنے سپاہی کے بوجھل جسم اور دل کا سہارا لے کر میجر وہاب نے اشاروں سے نماز فجر ادا کی۔

جیسے ہی سلام پھیرا آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ اللہ اکبر!!!

خون روتی آنکھوں سے سپاہی طیب نے اپنے کماندار کو آہستگی سے لٹایا۔ ان کی آنکھیں اپنے ہاتھوں سے بند کیں۔ ماتھے پر بوسہ دیا۔ اپنا کوٹ اتار کر ان کے جسد مبارک کو ڈھانپ دیا۔ سیلوٹ کیا اور اپنی گن سنبھالے واپسی کا سفر اختیار کیا۔ سات گھنٹوں کے جان لیوا سفر کے بعد وہ ریئر ہیڈ کوارٹر پہنچ گیا۔

O

بخت خان اور اس کے ساتھیوں کو آج یہاں آئے تیسرا دن تھا۔ انہیں اچانک ہی اپنی پوزیشن چھوڑ کر اس جگہ پہنچنے کے احکامات ملے تھے یہ دراس کارگل روڈ سے متصل پہاڑی سلسلے تھے جو مجاہدین کے لئے خاصے محفوظ تھے۔ انہیں دراس کارگل روڈ پر بھارتی فوج کی آمد و رفت میں رکاوٹ ڈالنے کا مشن دیا گیا تھا اور تین روز سے وہ مسلسل حالت جنگ میں تھے۔ انہیں مختلف ٹولیوں میں راکٹ لانچرز اور چھوٹے ہتھیاروں کے ساتھ تقسیم کر دیا گیا تھا اور یہ لوگ بکھر کر اپنے اپنے نشانہ لگا رہے

تھے۔ ان کے ذمہ بھارتی کنوائے اور خصوصاً بھارتی آرٹلری کی سرحد کی طرف پیشقدمی میں رکاوٹ ڈالنا تھا۔ اور اس میں وہ خاصے کامیاب بھی ہوئے تھے۔

بخت خان نے محسوس کیا اس مرتبہ ان کی ''ہائی کمان'' پر کوئی بہت تجربہ کار کمانڈر موجود ہے جس نے کئی جگہ بھارتی گاڑیوں اور توپوں کا راستہ ان سے بڑے بڑے پتھر گروا کر ہی بند کر دیا تھا۔ گزشتہ پانچ چھ دنوں سے یہ سلسلہ جاری تھا اور اس کے نتائج ان کی توقع سے بڑھ کر شاندار نکلے تھے اب سرحد کی طرف بڑھتی بھارتی فوج کی پیشقدمی میں پہلے والی تیزی نہیں رہ گئی تھی اور وہ رک رک کر پہلے اگلا راستہ محفوظ ہونے کی ضمانت ملنے کے بعد ہی آگے بڑھتے تھے۔

بخت خان اپنے ساتھی ادریس کے ساتھ ایک پہاڑی درے میں قریباً پھنسا ہوا راکٹ لانچر کے ساتھ سامنے گزرتی اس پیچدار سڑک پر نظریں جمائے بیٹھا تھا جو کئی بل کھانے کے بعد یہاں قدرے سیدھی ہوتی اور پھر اچانک پہاڑ کے دوسری طرف گھوم جاتی تھی۔ ایسے تنگ اور پیچدار راستوں سے گزرنے والی بھارتی فوج کی گاڑیاں ان کا خصوصی ٹارگٹ بنتی تھیں جن کو ہٹ کرنے کے بعد وہ اسی پہاڑی سلسلے میں غائب ہو جاتے جن پر ہیلی کاپٹروں کے ذریعے فوج اتارنا یا نگرانی کرنا بھی بہت مشکل تھا اور جب تک دشمن کی رسائی ان تک ہوتی وہ یہاں سے کئی میل دور کسی دوسرے ٹھکانے پر پہنچ چکے ہوتے۔

بخت خان کو اچانک ہی ایک خلش سی لگ گئی تھی اس نے اپنی تربیت کے مطابق اپنی نقل و حرکت سے سکینہ کو آگاہ نہیں کیا تھا اور آج جمعرات کا دن تھا جس روز وہ معمول کے مطابق سکینہ سے لازماً راشن وصول کرنے جایا کرتا تھا جو وہ ایک ہفتے میں ان کے لئے اکٹھا کیا کرتی تھی۔ بخت خان کے ساتھ کچھ اور ساتھی بھی آن ملے تھے جس کی وجہ سے انہیں اب زیادہ راشن کی ضرورت رہتی تھی۔ اس نے سوچا۔ آج جب وہ اس سے ملنے نہیں جائے گا تو سکینہ کیا سوچے گی؟

''کہیں وہ پریشان ہو کر انہیں ڈھونڈنے تو نہیں نکل جائے گی؟''

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

دراصل یہی وہ سوال تھا جس نے اسے زیادہ پریشان کیا ہوا تھا۔ سکینہ مجاہدین کی مدد کے لئے کہاں تک جاسکتی تھی؟ اس کا اسے بخوبی اندازہ تھا۔ یہاں کوئی ایسا ذریعہ میسر نہیں تھا جس سے وہ سکینہ تک رسائی حاصل کر کے اسے صورتحال سے باخبر رکھ سکتا۔ اس کے ساتھی بکھرے ہوئے تھے۔ انہیں نئے ساتھیوں کے ساتھ مختلف ٹولیوں اور مختلف سمتوں میں روانہ کیا گیا تھا اور ان کا ایک دوسرے سے رابطہ بھی حالت جنگ میں ہونے کی وجہ سے خصوصی سیکیورٹی اقدامات کے تحت ممکن نہیں تھا۔ اشد ضرورت پر ہی وہ ''مقامی کمانڈ'' سے رابطہ کرتے تھے بصورت دیگران سے ہی رابطہ کیا جاتا تھا۔

سکینہ سے وہ اس وقت تین سے چار گھنٹے کی دوری پر تھا اور اس بات کے امکانات نہ ہونے کے برابر تھے کہ اگر وہ اپنی جان پر کھیل کر یہاں سے نکلے اور سکینہ تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش بھی کرے تو اس تک پہنچ پائے گا کیونکہ مجاہدین کے ہاتھوں بھارتی افواج کو جس طرح نقصان پہنچ رہا تھا اس کے بعد انہوں نے چپے چپے پر جال بچھا دیئے تھے۔ یہ اطلاعات ان تک پہنچ رہی تھیں کہ روزانہ نزدیکی دیہاتوں میں سرچ آپریشن کیے جاتے ہیں اور معمولی شک پر بھی بھارتی ایجنسیوں کے لوگ مشتبہ شخص کو اٹھا کر غائب کر دیتے ہیں۔

اس نے تھک ہار کر معاملات اللہ پر چھوڑ دیئے اور دل ہی دل میں دعا کرنے لگا کہ سکینہ دشمن کے شر سے محفوظ رہے۔

O

کیپٹن انوج کمار اور اس کے چاروں ساتھیوں نے مقامی کشمیری لباس پہن رکھا تھا جس کے اندر ان کے ہتھیار بڑی آسانی سے چھپ سکتے تھے۔ انہیں آج تیسرا دن تھا اور اب اس کے ساتھی اس فضول ایکسرسائز سے تنگ آ گئے تھے۔

دن میں دو مرتبہ اچانک انہیں انوج کمار کی طرف سے اس ''ڈرل'' کا حکم ملتا تھا۔ وہ مقامی

کشمیریوں کا روپ دھار کر دیہاتوں کے باہر محفوظ آڑ میں چھپ کر پہاڑوں کے دامن میں کام کرنے اور بکریاں چرانے والوں کا اپنی طاقتور دوربینوں سے جائزہ لیتے رہتے اور اس تاک میں رہتے کہ کوئی مشتبہ حرکت انہیں دکھائی دے لیکن اب تک ایسا نہیں ہوا تھا۔

''سر! میرے خیال سے ایسا کچھ نہیں یہاں''...... اس روز حوالدار بہاری لال نے بالآخر اسے کہہ ہی دیا۔

''NO...... ایسا ممکن نہیں بہاری لال۔ میرا من کہتا ہے کہ ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔ اور یہاں اندر ہی اندر کوئی خطرناک کھیل چل رہا ہے''......

کیپٹن انوج کمار نے جواب میں بڑے تیقن سے کہا تھا۔

''سر''...... بہاری لال نے سہم کر ایڑیاں بجائیں۔

اس مرتبہ وہ اتفاق سے اس علاقے کی نگرانی کر رہے تھے۔ جہاں سکینہ بکریاں چراتی تھی۔ انوج کمار کو اس بات کا علم تھا کہ یہ بشیر بکروال کا گاؤں ہے جبکہ اس کے دوسرے ساتھی اس سے بے خبر تھے۔

انوج کمار کی دوربین نے جلد ہی سکینہ کو تلاش کر لیا جو ایک درخت سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔

انوج کمار دلچسپی سے اس کی حرکات کا جائزہ لے رہا تھا اب تک اس نے دو مرتبہ سکینہ کو بکریوں کا دودھ دھو کر اس چھوٹے سے چھپر نما کمرے میں رکھتے دیکھا تھا جو یہاں شاید اچانک ہونے والی بارش سے بچنے کے لئے بنایا گیا تھا۔

''یہ کیا کر رہی ہے؟ اس نے اپنے آپ سے سوال کیا۔ اس سوال کا کوئی جواب اسے ڈھنگ سے سوجھ نہیں رہا تھا۔

اچانک وہ چونکا جب اس نے پہاڑی کے دامن میں سبزیاں کاشت کر کے انہیں گاؤں تک لانے والی ایک درمیانی عمر کی عورت کو اس کے نزدیک رکھتے دیکھا۔ جس نے اپنی گٹھڑی اس کے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

پاس رکھ دی تھی اور اس سے بغلگیر ہونے کے بعد کچھ پیسے وصول کر کے اپنی جیب میں ڈال کر چل دی۔

"یہ کیا چکر ہے؟" انوج کمار چونکا۔ "بشیر بکروال کی بیٹی کو اتنی زیادہ سبزی کی کیا ضرورت ہے؟"

اس نے نائیک بہاری لال کو اشارے سے نزدیک بلایا اور اسے دوربین آنکھوں سے لگانے کے بعد نظر آنے والی صورتحال پر بریفنگ دی۔

بہاری لال نے دل ہی دل میں اپنے کپتان صاحب کو داد دی۔ واقعی اس کا اندازہ صحیح تھا۔

"اس عورت کا پتہ لگاؤ۔ ابھی اسے ٹچ Touch نہیں کرنا۔" اس نے سبزی فروش عورت سے متعلق بہاری لال کو ہدایت کی جو وہاں سے رخصت ہو رہی تھی۔ بہاری لال اس کے تعاقب میں چل دیا اور انوج کمار دلچسپی اور تجسس سے سکینہ کی حرکات کا جائزہ لینے لگا۔ جواب قدرے بے چین دکھائی دے رہی تھی۔ انوج کمار نے گزشتہ ایک گھنٹے سے اس پر نظر رکھی ہوئی تھی۔ اس دوران اس نے دو مرتبہ سکینہ کو نزدیکی پہاڑی کی طرف جاتے اور واپس آتے دیکھا تھا۔ اب وہ کھڑی ہو کر چاروں اطراف کا جائزہ لے رہی تھی شاید اس کے گھر جانے کا وقت ہو گیا تھا کیونکہ سردی میں مسلسل اضافہ ہو رہا تھا اور سورج پہاڑیوں کے پیچھے غائب ہو چکا تھا۔

کیپٹن انوج کمار نے سکینہ کو بکریاں ہانک کر واپس جاتے دیکھا۔ اس کے لئے حیران کن بات یہ تھی کہ سکینہ خالی ہاتھ جا رہی تھی۔ خرید کردہ سبزیاں اور دودھ اس نے وہیں سٹور میں چھپا دیا تھا۔ اس کے کچھ دور جانے کے بعد انوج کمار اپنے ایک ماتحت کے ساتھ وہیں پہنچ گیا اس نے سب سے پہلے سکینہ کے "سٹور" کا جائزہ لیا جہاں اس کی توقع سے بڑھ کر چیزیں موجود تھیں۔ یہاں دالیں، چینی، گھی، چائے، سبزیاں اور دودھ مختلف اوقات میں لا کر سٹور کیے گئے تھے۔

"اوہ......" بے ساختہ انوج کمار کے منہ سے نکلا۔ "تو یہ بات ہے"

"کیا سر"؟ اس کے ماتحت نے چونک کر استفسار کیا۔

"کچھ نہیں۔ کچھ نہیں۔ اردو زبان آتی ہے کیا تمہیں؟" اس نے اپنے ماتحت کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"تھوڑا تھوڑا سر" ماتحت مسکرایا۔

"ایک کہاوت ہے اردو زبان کی۔ چراغ تلے اندھیرا۔ سمجھے کیا......"

انوج کمار کی مسکراہٹ برقرار تھی۔

"نو سر! کیا مطلب ہے اس کا سر"...... اس کے بنگالی ماتحت نے پوچھا۔

"Leave it...... آؤ چلیں" اس نے حیرت زدہ ماتحت کو پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور واپس چل دیا۔

آفس پہنچنے کے بعد اس نے اپنی یونیفارم پہنی اور بشیر بکروال کے گھر کا رخ کیا۔

کیپٹن انوج کمار اور اس کے ساتھ تین کمانڈوز کو اچانک وہاں دیکھ کر بشیر بکروال ایک لمحے کے لئے ابنارمل ضرور ہوا لیکن فوراً ہی نارمل ہو گیا۔ وہ کوئی پہلی مرتبہ تو آیا نہیں تھا......

"جے ہند کیپٹن صاحب۔ آپ اس طرح اچانک سر" اس نے انوج کمار کے سامنے قریباً جھکتے ہوئے پوچھا۔

"ادھر گشت پر نکلے تھے۔ سردی بہت بڑھ گئی ہے۔ سوچا نمکین چائے پیتے چلیں۔" انوج کمار نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیوں نہیں صاحب۔ کیوں نہیں" آیئے آیئے"

دونوں بے تکلفی سے باتیں کرتے بشیر بکروال کی بیٹھک تک آئے تھے۔

"انہیں بھی بلالیں ناں صاحب"...... بشیر نے کمانڈوز کی طرف اشارہ کیا۔

"نہیں یار......کوئی ضرورت نہیں۔ ماتحتوں کو زیادہ سر چڑھانا اچھی بات نہیں پھر تمہاری پرائیویسی بھی تو ہے......" انوج کمار نے کہا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

دونوں بیٹھک میں بیٹھے چائے پیتے رہے۔انوج کمار نے کن اکھیوں سے بار بار کھڑکی سے باہر صحن کا جائزہ لیا تھا اور ایک مرتبہ اس کی بیٹی کو گزرتے دیکھا تھا۔اس نے ادھر ادھر کی دو چار باتوں میں بشیر بکروال کو اس طرح الجھایا تھا کہ اس کی آمد کا مطلب ہی نہ جان سکے۔تھوڑی دیر بعد وہ بشیر بکروال سے اجازت لے کر واپس آ گیا۔لیکن۔اپنے آفس میں پہنچنے سے پہلے اس نے اس بات کا مکمل اہتمام کر لیا تھا کہ بشیر بکروال کے گھر میں اگر کوئی چڑیا بھی داخل ہو یا باہر آئے تو اس کی خبر سب سے پہلے کیپٹن انوج کمار کو ملے۔اس نے اتنی رازداری کا اہتمام کیا تھا کہ ابھی تک اپنے کمانڈنگ افسر کو بھی اپنے اگلے منصوبے سے آگاہ نہیں دی تھی۔کیپٹن انوج کمار ایک بڑا ''سکوپ'' مارنے جا رہا تھا اور نہیں چاہتا تھا اس کے منصوبے کی کسی کو بھنک بھی پڑے۔

رات اس نے جیسے تیسے گزار لی۔ڈنر پر اس نے اپنے کمانڈنگ آفیسر سے صرف اتنی بات کی تھی۔

''سر! میں ایک بڑا ''بریک تھرو'' کرنے جا رہا ہوں''......

ایک لمحے کے لئے چونک کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے ہوشیار کمانڈنگ آفیسر نے صرف دو لفظ کہنے پر اکتفا کیا تھا۔

''Good Luck''

رات اس نے سوتے جاگتے گزاری اور اگلے روز منصوبے کے مطابق سکینہ کی آمد سے کافی دیر پہلے ہی اپنے جوانوں کو وہاں ڈیپلائے کر دیا ان لوگوں نے خود کو اس طرح ''کیموفلاج'' کیا ہوا تھا کہ وہ مقامی ماحول ہی کا حصہ نظر آتے تھے۔

O

سکینہ کے لئے صورتحال قطعاً اطمینان بخش نہیں تھی۔جمعرات کو بخت خان اس سے ملنے نہیں آیا نہ ہی اس نے اپنے کسی ساتھی کو بھیجا تھا جبکہ اس روز مجاہدین تک ''سپلائی'' پہنچانا لازمی تھا۔

''کہیں یہ لوگ پکڑے تو نہیں گئے'' سکینہ نے سوچا اور لرز کر رہ گئی۔

یہ تو وہ جانتی تھی کہ بخت خان یا اس کے کسی بھی ساتھی کی گرفتاری کی صورت میں بھی کسی کو اس پر شک نہیں ہو سکتا تھا بھارتی فوجی اگر ان کے جسموں سے گوشت بھی اتار دیتی تو بھی وہ کبھی سکینہ کا نام زبان پر نہ لاتے۔دوسری طرف اسے اس بات کا بھی یقین تھا کہ بخت خان گرفتار نہیں ہوا۔اگر ایسا ہوتا تو اس کے گھر میں ضرور یہ بات ہوتی۔وہ اپنے والد کی سرگرمیوں سے خاصی باخبر رہنے لگی تھی اور اس نے بڑی ہوشیاری سے بھارتی فوج کی نقل و حرکت بھی دیکھنی شروع کر دی تھی۔فی الوقت تو کوئی غیر معمولی بات اسے دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

''اللہ کرے ایسا ہی ہو''......اس نے دل ہی دل میں دعا کی اور سوچا کہ اگر بخت خان اور اس کے ساتھیوں کو کسی ہنگامی ضرورت کے تحت بھی یہاں سے ٹھکانہ بدلنا پڑا ہے تو بھی وہ کبھی اسے بے اخبر نہ رکھتا اور اس تک یہ اطلاع ضرور پہنچاتا اگر ایسا بھی ممکن نہیں تھا تو وہ جمعرات کو وقت مقررہ پر ضرور آتا۔

یہی سوچتی ہوئی وہ بکریوں کے پیچھے پیچھے چلتی اپنی مخصوص جگہ پر پہنچی اور سب سے پہلے اس چھپر نما سٹور تک گئی جہاں اس نے مجاہدین کا راشن اور دودھ محفوظ کیا تھا۔بمشکل دو چار پائیوں جتنے کمرے میں پہنچ کر وہ حیران رہ گئی وہاں تو کچھ بھی نہیں تھا۔بے چینی سے اس نے خشک گھاس میں ہاتھ مارنے شروع کیے اور ایک آواز پر چونکی۔

''یہاں کچھ نہیں ہے۔سارا راشن ہمارے پاس محفوظ ہے''

سکینہ نے پلٹ کر دیکھا تو اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے وہاں سویلین کپڑوں میں کیپٹن انوج کمار کھڑا مسکرا رہا تھا۔

کیپٹن انوج کمار کی شناخت میں اسے زیادہ تردد نہیں کرنا پڑا کیونکہ اس نے اب تک کئی مرتبہ اسے اپنے گھر میں دیکھا تھا۔اسے کیپٹن کا نام،اس کی گاڑی کا نمبر بھی یاد تھا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

"کون ہوتم......کیا کر رہے ہو یہاں؟" سکینہ نے سنبھل کر اس سے سوال کیا۔

"واہ جی واہ...... یہ بات تو میں تم سے پوچھ رہا ہوں؟" انوج کمار کی مسکراہٹ برقرار تھی۔

"دیکھو میں بشیر بکروال......"

"مجھے معلوم ہے تم بشیر بکروال کی بیٹی ہو جو انڈین آرمی کے لئے کام کرتا ہے۔ اور تم پاکستان کی جاسوس ہو' "اگروادیوں" کی ساتھی ہو۔ انہیں راشن پہنچاتی ہو' اس نے قدرے غصے سے سکینہ کی بات کاٹ دی۔ سکینہ نے اچانک ہی گھاس کی ڈھیری پر ہاتھ مارا تھا لیکن حیرت انگیز طور پر انوج کمار کی طرف سے کوئی ری ایکشن نہ ہوا۔

"پریشان مت ہو۔ تم جو تلاش کر رہی ہو وہ بھی ہمارے پاس ہے" سکینہ کی سماعت پر اگلا دھماکہ ہوا۔ "تمہارا پستول" انوج کی مسکراہٹ بڑی طنزیہ تھی۔

سکینہ کو یوں لگا جیسے کسی نے پگھلتا ہوا سیسہ اس کے کانوں میں انڈیل دیا ہو۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ بری طرح ان کے شکنجے میں پھنس گئی ہے اور ایک مرتبہ بھارتی انٹیلی جنس کے شکنجے میں آنے کا مطلب کیا تھا۔ اس سوال کا جواب بشیر بکروال کی بیٹی سے زیادہ اچھی طرح اور کون جان سکتا تھا......

سکینہ نے اپنی دانست میں یہی کوشش کی تھی کہ وہ ابتدائی مرحلے میں اپنی جان خلاصی کروانے شاید اس لئے اس نے کیپٹن انوج کمار پر حملہ کیا تھا۔ وہ چاہتی تھی کسی طرح اس سے پستول چھین کر اسے بھی اور خود کو بھی گولی مار لے۔ لیکن نتیجہ اس کی توقع کے بالکل خلاف برآمد ہوا۔

کیپٹن انوج کمار تربیت یافتہ کمانڈو اور کسی بھی ناگہانی صورتحال کا مقابلہ کرنے کے لئے پیش بندی کر چکا تھا۔ اس نے اپنی طرف بڑھتی سکینہ کی گردن پر ہاتھ مارا جس کا سر سامنے والی مٹی اور گھاس پھونس سے بنی دیوار سے اتنی زور سے ٹکرایا کہ وہاں قریباً گڑھا پڑ گیا سکینہ کا سر بری طرح چکرا رہا تھا دوسرے ہی لمحے وہ کسی کے مضبوط بازوؤں کی گرفت میں ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہی تھی۔ اس کی آوازیں روکنے کے لئے کیپٹن انوج کی ماتحت لیفٹیننٹ مادھوری نے خدا جانے

سکینہ کے ماتھے پر کیا ضرب لگائی کہ اس کا سر ایک طرف ڈھلک گیا اور وہ مادھوری کی بانہوں میں جھول گئی۔

"Take her" کیپٹن انوج نے اس کی طرف دیکھ کر کہا اور باہر نکل گیا۔ یہ اطلاع اسے مل چکی تھی کہ جس عورت سے سکینہ نے سبزی خریدی تھی وہ بھی ان کے قابو میں آ چکی ہے۔ اگلے چند منٹ بعد کیپٹن انوج اور اس کے ساتھی سکینہ کو اپنی جیپ میں ڈال کر جو انہوں نے قریب ہی "کیموفلاج" کی ہوئی تھی اپنے ہیڈ کوارٹر کی طرف چل دیئے۔

کیپٹن انوج اور اس کے ساتھی کچھ فاصلے پر انتہائی خوفزدہ اور بڑی بڑی جنگلی گھاس میں چھپی سکینہ کے ساتھ ہی بکریاں چرانے والی زینب کو نہ دیکھ سکے جس نے ان لوگوں کو سکینہ کو اغوا کر کے لے جاتے ہوئے دیکھ لیا تھا اور وہ اتنی خوفزدہ تھی کہ اسے اپنا سانس گھٹتا محسوس ہو رہا تھا۔

O

بخت خان نے بمشکل مقامی کمان سے رابطہ کر کے انہیں درپیش ایمرجنسی سے آگاہ کیا تھا اور انہیں بتایا تھا کہ اگر وہ آج بھی سکینہ تک نہ پہنچا تو صورتحال کوئی بھی رخ اختیار کر سکتی ہے اور ان کے لئے ناقابل حل مسائل بھی کھڑے ہو سکتے ہیں کیونکہ ابھی تک سوائے سکینہ کے اور کسی کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ یہاں مجاہدین کا کوئی Hide out ہے۔ بخت خان کو یہ خوف دامنگیر تھا کہ اس کے جمعرات کو نہ پہنچنے سے سکینہ کو جو پریشانی ہوئی ہے اس کا ردعمل کہیں سکینہ کو مشتبہ نہ کر دے اور اس کے گرد اگرد پھیلا بھارتی انٹیلی جنس کا جال اتنا مضبوط ہے کہ جس میں وہ فوراً پھنس جائے گی۔

اسے سکینہ کے جذبہ ایمانی کا احساس تھا لیکن وہ جانتا تھا کہ آخر وہ گوشت اور ہڈیوں کا مجموعہ ہے۔ لڑکی ہے، جس سے حقیقت اگلوانا بھارتی انٹیلی جنس کے لئے کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ ایک مرتبہ اس کے منہ سے صرف یہ بات نکل جاتی کہ اس کا تعلق مجاہدین سے ہے تو یہاں قیامت برپا ہو جاتی۔ دشمن ایک ایک انچ زمین کی تلاشی لیتا اور بخت خان کے وہ ساتھی جو ارد گرد پناہ لئے ہوئے تھے ایک

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

نئی مصیبت میں پھنس جاتے۔ فی الوقت انہیں بھارتی فوج کو الجھائے رکھنا تھا اور وہ کوئی نیا محاذ کھولنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔

بخت خان مقامی بھیس میں جب تک سکینہ کے ٹھکانے پر پہنچا وہ اس کے دسترس سے دور پہنچ چکی تھی۔ اسے اندازہ تھا کہ سکینہ عموماً گیارہ بارہ بجے کے درمیان یہاں آتی ہے اور بخت خان وہاں پہنچا تو دن کا ایک بج رہا تھا جس کا مطلب تھا کہ سکینہ یہاں موجود ہے۔ اس نے بڑا احتیاط انداز اپنایا تھا اپنی تربیت کے بل بوتے پر وہ یہاں تک دشمن کی آنکھوں میں واقعی دھول جھونک کر پہنچا تھا۔ مقامی مزدور کے روپ میں اس نے سفر کرتے ہوئے اس بات کو بطور خاص ملحوظ خاطر رکھا تھا کہ اگر بھارتی انٹیلی جنس نے کوئی جال یہاں بچھایا ہوا ہے تو وہ اس میں نہ پھنسے۔

اپنے مخصوص مقام پر جہاں وہ سکینہ سے ملا کرتا تھا اس طرح پہنچا تھا کہ دوربین بھی اس کا احاطہ نہ کر سکے۔ اسے دور ہی سے سکینہ کی بکریاں چرتی دکھائی دے رہی تھیں جو بظاہر ایک اچھا سائن تھا اور اسے امید تھی کہ سکینہ بھی یہیں کہیں موجود ہوگی۔ بڑی بے چینی اور دھڑکتے دل سے وہ سکینہ کا منتظر تھا جو اسے دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ بخت خان یہی سمجھ رہا تھا کہ وہ شاید اس چھوٹے سے چھپر نما کمرے میں ہوگی جہاں ان کی چیزیں رکھی جاتی تھیں لیکن اگلے دس بارہ منٹ بعد بھی جب وہ دکھائی نہ دی تو بخت خان کو تشویش لاحق ہوئی۔

اچانک ہی اس نے ایک گھبرائی ہوئی لڑکی کو اپنی بکریاں ہانک کر اس طرف لاتے ہوئے دیکھا۔ اسے یاد آ گیا کہ یہ وہی لڑکی ہوگی جو سکینہ کے نزدیک اپنی بکریاں چراتی ہے۔ بخت خان نے مزید وقت ضائع کرنے کے بجائے اس لڑکی سے کچھ پوچھنے کا ارادہ کر لیا تھا اور اب وہ گھاس کے اندر ہی اندر اس طرح چکر کاٹ کر دوسری طرف جا رہا تھا کہ جب اچانک اس کے سامنے آئے تو اسے یہ اندازہ نہ ہو کہ یہ کون ہے؟ اور کیوں آیا ہے؟

جب وہ اچانک زینب کے سامنے آیا تو واقعی وہ گھبرا گئی۔ بخت خان کا اس سے غائبانہ تعارف تھا

لیکن وہ بخت خان کو نہیں جانتی تھی۔

''تم سکینہ کی سہیلی ہو ناں؟'' اس نے چھوٹتے ہی زینب سے پوچھا۔

''ہاں! ہاں'' گھبرائی ہوئی زینب کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ اس سے پہلے کہ وہ بخت خان سے اس کا تعارف پوچھے اگلا سوال ہی بخت خان نے ہی کر دیا۔

''کہاں ہے سکینہ؟ نظر نہیں آ رہی۔ گھبراؤ نہیں۔ میں اس کا کزن ہوں'' اس نے پوچھا تو زینب خوف سے لرزنے لگی۔

''مم مجھے نہیں پتہ''؟ اس نے لڑکھڑاتی زبان مین جواب دے کر آگے نکلنا چاہا تو بخت خان اس کے سامنے آ گیا۔

''دیکھو میں تمہارا مسلمان بھائی ہوں، خدا کے لئے مجھے بتا دو۔ سکینہ کہاں ہے؟'' اس نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

زینب بکروال تھی۔ نسل در نسل وہ یہ کام کرتے آ رہے تھے اور ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے چہرہ شناسی کے خصوصی فن سے نوازا ہوتا ہے۔ اسے پہلی نظر ہی میں اندازہ ہو گیا تھا کہ سکینہ کا یہ کزن کون ہے؟ وہ غدار نہیں تھی لیکن خوف نے اس کی زبان پر تالا لگا دیا تھا۔ نجانے کون سی طاقت تھی جس نے اسے تسلی دے کر رضامند کیا کہ وہ اس اجنبی پر اعتماد کر لے۔

''اسے فوج والے پکڑ کر لے گئے'' زینب نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور آگے بڑھ گئی۔

بخت خان کو یوں لگا جیسے زمین نے اس کے قدم جکڑ لئے ہوں۔ اس کے لئے اپنی جگہ سے جنبش کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

''وہی ہوا۔ جس کا مجھے اندیشہ لگا تھا''۔ اس نے خود سے کہا۔ وہ گزشتہ دو دنوں سے جس کیفیت سے گزر رہا تھا بخت خان کے لئے بالکل نئی بات تھی۔

''اوہ میرے خدایا''! اس نے کہا اور واپس لوٹ آیا۔ اپنے ٹھکانے تک آتے ہوئے اس نے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

سکینہ کی رہائی کے کئی منصوبے سوچے بالآخر ایک بار پھر دل ہی دل میں اتفاق کرنے کے بعد اب ہائی کمان سے اس پر عمل پیرا ہونے کی اجازت طلب کرنے کا ارادہ باندھ رہا تھا۔

O

میجر طارق کو جون کے آخری ہفتے میں حکم ملا کہ تیس جوانوں کی کمک لے کر ''خاقان پوسٹ'' پر جائیں۔ ''بدر کیمپ'' پر وہ صبح سات بجے پہنچ گئے جہاں قیامت کی گولہ باری ہو رہی تھی۔ ایسی گولہ باری میں ایک قدم بھی آگے جانا ممکن نہیں ہوتا لیکن میجر طارق کو اندازہ تھا کہ آگے ان کے ساتھی کس صورتحال کا سامنا کر رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے جوانوں سے کہا درود شریف کا ورد کرتے ہوئے چلتے چلے آؤ اور یہ قافلہ سخت جاں اپنی منزل کو چلا۔ درود پاک نے گویا ان پر عافیت کی سبز چادر تان دی تھی گولے ان کے اردگرد پھٹ رہے تھے لیکن وہ محفوظ رہے مغرب تک گولہ باری اس شدت سے جاری رہی پھر رک گئی۔ رات قریباً گیارہ بجے میجر طارق اور ان کے ہمراہی اپنی منزل یعنی ''حسن رج'' (Hasan Ridge) تک پہنچنے میں بالآخر کامیاب ہو گئے جہاں ابھی وہ اپنے پٹھو اتار کر کمر سیدھی کرنے کی سوچ رہے تھے کہ پیغام ملا دشمن نے ''عاقل پوسٹ'' پر قبضہ کر لیا ہے جس کو چھڑانا لازم ہے۔

میجر طارق نے فوراً لیفٹیننٹ معاذ کو دس جوانوں کے ساتھ عاقل پوسٹ کی طرف روانہ کیا اور باقی نفری کے ساتھ ''حسن رج'' پر ڈٹ گئے۔ انہوں نے اس مختصر نفری کو نیم دائرے کی شکل میں پوزیشن دلائی تھی۔ اور اس نیم دائرے کے دونوں سروں پر اپنا سب سے اہم اثاثہ یعنی دو مشین گنیں نصب کروا دیں جبکہ تیسری مشین گن کو سنٹر میں لے کر دشمن کے منتظر بیٹھ گئے۔ لیفٹیننٹ معاذ کا مقابلہ بلندی پر قابض دشمن کے درجنوں جدید ترین ہتھیاروں سے لیس توپخانہ اور فضائیہ کی مکمل مدد کے حامل بھارتیوں سے ہوا صبح تک ان کے بیشتر ساتھی شہید یا زخمی ہو چکے تھے جس پر میجر طارق نے خود قسمت آزمائی کا فیصلہ کیا ان کی مدد کے لئے اس دوران بدر کیمپ کے لیفٹیننٹ مظاہر تیس جوانوں،

ایک مارٹر جس کے ساتھ صرف گیارہ گولے تھے اور ایک راکٹ لانچر لے کر ان کی کمک کے لئے روانہ ہوئے وہ بھی میجر طارق کی طرح دشمن کی اندھا دھند گولہ باری کا سامنا کرتے بالآخر صبح قریباً پانچ بجے ''حسن رج'' تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ سورج نکلنے تک میجر طارق نے ''دیکھو اور انتظار کرو'' کی پالیسی اپنائی۔ سورج نکلنے کے بعد انہوں نے جائزہ لیا تو علم ہوا کہ ان کی ایک پوزیشن عاقل پوسٹ کے دامن میں اور دو پوزیشنیں قدرے اونچائی پر موجود تھیں۔ ان کے پاس کل 40 جوان اور افسروں کی نفری تھی۔ ان سب کو ساتھ لے کر حملہ کرنا ممکن نہیں تھا کیونکہ ان کا عقب اس طرح بالکل غیر محفوظ ہو جاتا اور فائر Cover کے لئے بھی پیچھے نفری چھوڑنا ضروری تھا۔ اس پہاڑی کے پیچھے دشمن کا بیس کیمپ تھا کیونکہ انہیں عقب میں رسے لٹکتے دکھائی دے رہے تھے جن پر کچھ لوگ غالباً ایمونیشن لے کر اوپر جا رہے تھے میجر طارق نے مشین گن سے پہلے ان کی خبر لی اور رسوں سے لٹکتے آٹھ دس بھارتی اچانک فائرنگ سے مارے گئے جس پر دشمن نے بوکھلائے ہوئے طیش میں آ کر گولہ باری شروع کر دی۔ میجر طارق اپنے جوانوں کے ساتھ محفوظ آڑ میں چلے گئے۔

انہوں نے حملہ کے لئے اپنی نفری کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک پارٹی کو لیفٹیننٹ معاذ کی قیادت میں حکم دیا کہ وہ چکر کاٹ کر نالے میں اتریں اور پھر اشارہ ملنے پر دائیں طرف سے دشمن پر حملہ کریں دوسری پارٹی کو بائیں طرف سے چکر کاٹ کر دشمن کے عقب میں پہنچنے کی ہدایت کی اور خود انتہائی دلیرانہ فیصلہ کرتے ہوئے دشمن پر اس کے بالکل سامنے سے حملہ کرنے کا فیصلہ کیا تا کہ اسے اپنے ساتھ الجھا کر عقب اور بائیں طرف سے آنے والوں سے بے خبر کرتے ہوئے اپنے ساتھیوں کو محفوظ مقام تک پہنچا دیں اس مرحلے پر انہوں نے پھر ایک انتہائی دلیرانہ فیصلہ کیا اور سپاہی ہادی کو ساتھ لئے پہاڑی کی چوٹی پر دشمن کے عین سامنے اور سر پر پہنچ گئے۔ چوٹی پر پہنچ کر ان پر انکشاف ہوا کہ وہ دشمن سے بمشکل پچاس گز کے فاصلے پر ہیں اور دامن میں دشمن ان کا منتظر بیٹھا ہے۔ اس مرحلے پر میجر طارق نے اپنی زندگی کا انتہائی دلیرانہ فیصلہ کیا اور انہیں للکار کر ہتھیار پھینکنے کا حکم دیا اس

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

''سرپرائز'' نے دشمن کو بوکھلا کر رکھ دیا۔ان کے نیچے دامن میں بیٹھے بھارتی ابھی ہتھیار پھینکنے کا سوچ ہی رہے تھے جب دوسری پوزیشن سے دشمن نے دیکھ لیا کہ میجر طارق کے ساتھ تو صرف ایک سپاہی ہے۔انہوں نے دونوں اطراف سے ان پر گولیوں کا مینہ برسا دیا۔میجر طارق اور سپاہی ہادی پوزیشن لے کر مقابلہ کرنے لگے اس دوران ''دامن'' والے بھارتیوں کو موقعہ ملا اور انہوں نے نیچے دوڑ لگا دی۔

میجر طارق نے انتہائی دلیرانہ فیصلہ کرتے ہوئے سپاہی ہادی کو پیغام دے کر بھیجا ''فائر بیس'' والی پارٹی سے کہا کہ وہ فوراً بائیں طرف سے آگے جائیں اور دشمن کو پیچھے بھاگ کر جانے کا موقعہ نہ دیں۔سپاہی ہادی نے پیچھے جانے کی کوشش کی تو انہیں علم ہوا کہ واپسی کا راستہ تو بند ہے کیونکہ وہ راستہ دشمن کی Main پارٹی کی زد میں تھا۔جس پر میجر طارق نے انہیں روک لیا۔اس دوران نائیک عمر دین اپنی جان پر کھیل کر اپنے میجر صاحب کی مدد کے لئے ان تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔

پندرہ منٹ تک وہ دشمن پر فائرنگ کا جواب دیتے رہے۔جس کے بعد اچانک انکشاف ہوا کہ نائیک عمر دین کی گولیاں ختم ہو گئی ہیں۔اس کے ساتھ ہی میجر طارق کو احساس ہوا کہ ان کا ایمونیشن بھی ختم ہو رہا ہے انہوں نے نائیک عمر دین کو حکم دیا کہ وہ پیچھے جائے اور نئے میگزین لے کر آئے۔

نائیک عمر دین ابھی بمشکل وہاں سے نکلا تھا کہ سپاہی ہادی کی رائفل کا برج پھنس گیا۔میجر طارق نے اسے ہدایت کی کہ رائفل ٹھیک کرنے میں وقت ضائع کرنے کے بجائے نیچے جائے اور نئی رائفل لے آئے خود اکیلے دشمن کے سامنے ڈٹ گئے۔دشمن کو دھوکا دینے کے لئے وہ فائر کرتے ہوئے اس طرح زور زور سے چیخ کر ہدایات دے رہے تھے جیسے وہاں ان کے دیگر ساتھی موجود ہیں اس طرح دشمن اس غلط فہمی کا شکار رہے۔اس ضمن میں ان کی مدد اللہ کی طرف سے اس طرح ہو رہی تھی کہ دشمن کی زیادہ گولیاں پتھروں سے ٹکرا کر اپنا رخ بدلتی تھیں اس سے جو آواز پیدا ہوتی ہے اس فوجی زبان میں (Ricochet) ''ریکوشے'' کہتے ہیں۔جس سے یہ اندازہ نہیں ہو پاتا کہ فائر کرنے والوں کی

تعداد کتنی ہے۔

میجر طارق کو چیخ چیخ کر حکم دیتے دیکھ کر دشمن نے اندازہ کر لیا کہ یہی اس فوج کا کمانڈر ہے۔ظاہر انہوں نے کوئی ''سنائپر'' ان پر مختص کر دیا تھا۔

اس دوران ہی سپاہی ہادی اپنی جان پر کھیل کر رائفل اور میگزین لے کر ان کے پاس پہنچ گیا اور اب وہ میجر صاحب کے عقب کو محفوظ رکھ کر دشمن سے نبرد آزما تھا۔اچانک ہی ایک گولی میجر طارق کے ہیلمٹ میں لگی اور انہیں اپنی آنکھوں کے سامنے اندھیرا پھیلنے کا احساس ہوا۔غالباً ان پر غشی طاری ہو رہی تھی۔وہ گر پڑے اور بے ہوش ہو گئے۔اس دوران سپاہی ہادی انہیں مسلسل آوازیں دے کر ان کی خیریت دریافت کرتا رہا جب جواب نہ ملا تو وہ تڑپ کر ان تک پہنچ گیا۔میجر طارق نیم بے ہوشی کے عالم میں تھے۔سپاہی ہادی نے ان کا سر زانوں پر رکھا۔ان کا ہیلمٹ اتار کر دیکھا تو سر میں لگی گولی کا خون جو ہیلمٹ نے روکا ہوا تھا۔ان کے چہرے پر پھیل گیا۔سپاہی ہادی نے انہیں ممکنہ طبی امداد دی۔پانی پلایا،قدرے ہوش میں لایا۔اس دوران ان کا مقصد حاصل ہو گیا تھا۔دشمن کو سامنے سے الجھا کر انہوں نے دونوں پارٹیوں کو موقعہ فراہم کیا جنہوں نے سرپرائز حملے کر کے پوسٹ پر قبضہ کر لیا۔

اچانک ہی میجر طارق کے کانوں سے لیفٹیننٹ معاذ کی آواز ٹکرائی۔

''سر......پوسٹ Recaptured (پوسٹ واپس چھین لی ہے)

میجر طارق نے بمشکل ہاتھ اٹھایا کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن ان کا سر ڈھلک گیا۔سپاہی ہادی نے انہیں سہارا دیا اور نائیک عمر دین کو آواز دے کر اپنے پاس بلایا۔دونوں نیم بے ہوش میجر طارق کو کسی نہ کسی طرح نیچے لے آئے۔میجر طارق کے سر میں گہرے زخم سے ان کی حالت انتہائی خراب تھی۔ایک بازو اور ٹانگ شل ہو چکے تھے۔لیکن انہوں نے ابھی تک یہ نہیں بھلایا تھا کہ وہ پوسٹ کمانڈر ہیں۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

''فائر بیس والے تمام لوگ عاقل پوسٹ پر پہنچ جائیں، دونوں مشین گنز بھی لے جاؤ۔ لیفٹیننٹ معاذ سے کہو اپنی پوزیشنز مضبوط کرے۔ دشمن جوابی حملہ کرے گا''

انہوں نے اپنے اوسان بحال رکھتے ہوئے حکم دیا۔ جس پر عمل شروع ہو گیا۔ میجر طارق نے اس وقت تک واپس جانے سے انکار کر دیا جب تک سارا عمل مکمل نہیں ہو جاتا۔ انہیں ایک پتھر پر سہارا دے کر بٹھا دیا گیا جہاں سے وہ عاقل پوسٹ پر ہونے والی کارروائی دیکھتے رہے اور مطمئن ہونے کے بعد ہی واپس جانے پر رضامند ہوئے۔ قریباً پانچ گھنٹے اپنے ساتھیوں کی مدد سے وہ پیدل چلنے کے بعد بیس کیمپ پہنچے۔ اس دوران وہ کئی مرتبہ بے ہوش ہوئے ان کے ساتھیوں کو بھی شاید یہ گنتی یاد نہ رہی ہو۔ ان کی خوش قسمتی تھی کہ ''سنائپر'' کی گولی ہیلمٹ کے ایک سرے کو چیرتی سر کے بالائی حصے کو زخم لگاتی دوسری طرف نکل گئی تھی جس سے انہیں ''غازی'' بننے کی سعادت ہی نصیب ہوئی۔ عاقل پوسٹ کو دشمن کے خونی پنجوں سے دوبارہ چھیننا ان کا لازوال کارنامہ ہے۔

O

2 اور 3 جولائی کو خالد نذیر کے بائیں اور آگے والی کمپنی پر دشمن نے جدید ترین لیزر گائیڈڈ میزائلوں سے حملوں کا آغاز کیا۔ میراج 2000 طیاروں نے پہاڑوں کا کلیجہ پھاڑ دینے والے میزائل برسائے۔ اس کے ساتھ ہی دشمن کا ہیوی توپخانہ حرکت میں آ گیا رات دن اتنے تسلسل سے یہ بمباری اور گولہ باری ہو رہی تھی جس کا تصور بھی عام حالات میں نہیں کیا جا سکتا۔ دشمن کا بنیادی ٹارگٹ دراصل کاشف پوسٹ تھی جہاں موجود واحد (12.7) ایم ایم ایک ایک مشین گن، مارٹر پوزیشن اور کیپٹن امیر نواز کی پوزیشنز اس کا نشانہ بن گئیں۔ خالد نذیر کو اطلاع ملی کہ ایک ہی کمپنی ہیوی ہتھیار تھا۔ وہ بھی تباہ ہو گیا ہے۔ اب وہ دشمن پر اسی وقت ضرب لگا سکتے تھے جب وہ ان کے چھوٹے اور روایتی ہتھیاروں کی رینج میں آتا۔ اس نے پہلے انہیں صرف پتھروں کی اوٹ میں اپنے سر چھپا کر اور کانوں میں انگلیاں دے کر خود کو زندہ رکھنا تھا۔

2 جولائی کی رات سی او خالد نذیر تباہ کن گولہ باری میں کسی نہ کسی طرح کاشف پوزیشن پر پہنچ گئے۔ جسے میجر سعید ناگرہ کمانڈ کر رہے تھے۔ سعید ناگرہ کا شمار بڑے قابل افسران میں ہوتا تھا وہ تدبیرات کی گہرائی کا مکمل ادراک رکھتے تھے اور ممکنہ تدبیراتی اقدامات انہوں نے کئے ہوئے تھے لیکن دونوں افسران اچھی طرح جانتے تھے کہ کاشف پوزیشن شدید خطرات میں گھری ہے۔ ان کی کل نفری 22 تھی۔ کوئی کمپنی ہیوی ہتھیار نہیں تھا۔ دیگر دفاعی پوزیشنز کافی فاصلے پر تھیں اور یہ (Gape) خلاء نہایت حساس اور خطرناک تھا۔

تین اطراف سے دشمن پوزیشن کا مکمل گھیراؤ کر چکا تھا اس کی پیدل فوج، آرٹلری کی توپیں، ملٹی بیرل راکٹ لانچرز کی ڈیپلائمنٹ ننگی آنکھ سے بخوبی دکھائی دے رہی تھی۔ صورتحال کا حقائق کی بنیاد پر تجزیہ کرنے کے بعد خالد نذیر اور سعید ناگرہ دونوں یہ جانتے تھے کہ مقابلہ دو فوجوں کے درمیان نہیں بلکہ 22 سرفروشوں اور غنیم کے آتش و آہن میں ڈوبے سیل بے کراں سے ہے۔ اس مرحلے پر خالد نذیر نے اپنی زندگی کا خطرناک ترین فیصلہ کیا یہ فیصلہ تھا دشمن سے ٹکرا جانے کا، اس کا تکبر پاش پاش کر دینے کا، پاکستان آرمی کی روایات کو اپنے خون سے نئی جلا بخشنے کا، چند لمحوں کے لئے انہیں اپنی دونوں چھوٹی بچیاں یاد آئیں جو ابھی تک ان کے کندھوں پر بیٹھ کر سیر کیا کرتی تھیں۔ کئی خدشات، سوالات جنم لے رہے تھے۔ لیکن انہیں سکول لائف میں پڑھے اے ٹینی سن کی نظم کا وہ بند یاد آ رہا تھا۔

Their,s not to make reply

Their,s not to reason why

Theires but to do and die

in to the vally of death

Rode the six hundred

(A-Tennyson)

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

تمام دفاعی پوزیشنز کو "آگاہی نامہ" دے دیا گیا۔ انہیں بتا دیا گیا کہ طبل جنگ کبھی کا بج چکا۔ غنیم امڈا چلا آتا ہے۔ قافلہ سخت جان پر یہ مرحلہ بڑا نازک ہے۔ لیکن یہی وہ مرحلہ ہے جہاں انہیں اپنے خون سے ایک نئی تاریخ رقم کرنی ہے۔ پاکستان آرمی کی تاریخ میں ایک شاندار اضافہ، خالد نذیر نے انہیں بتایا کہ وہ تمام صورتحال سے آگاہ ہیں۔ نازک مرحلہ ہے۔ قیامت کی گھڑیاں ہیں۔ بڑا چیلنج ہے لیکن انہیں اسی روز کے لئے تیار کیا گیا ہے۔ ثابت قدم رہے تو کامرانی اور فتح ان کے قدموں سے لپٹ جائے گی۔

22 جانبازوں پر مشتمل اس سپاہ کے کمانڈر نے کہ ایک لشکر جرار جس کو نکلنے کے لئے امڈا چلا آتا تھا اپنے ساتھیوں کے ساتھ دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور دشمن کے منتظر ہو گئے۔ اس اثناء میں دوسری طرف سے دشمن کی حرکت، توپ خانہ کی ڈیپلائمنٹ کی خبریں مسلسل مل رہی تھیں۔ کسی بھی ناگہانی حملے کا مقابلہ کرنے کے لئے مراد اور سکندر پوزیشنز الرٹ تھیں۔ خالد نذیر دشمن کے دوطرفہ حملے کی توقع کر رہے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ سعید ناگرہ پوزیشن زیادہ حساس اور خطرے میں ہے۔ اس مرحلے پر انہوں نے فیصلہ کیا کہ سکندر اور مراد پوزیشنز پر مارٹر اور آرٹلری کا فائر گرا کر دشمن کو ابتداء میں تحریمی کارروائی کا نشانہ بنائیں گے۔ اس کی پیشقدمی کو ہر قیمت پر روکیں گے اور مجبور کریں گے کہ وہ پاکستان آرمی کی دفاعی پوزیشن کے نزدیک نہ پہنچ سکے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے ایس ایس جی کے کیپٹن عمار کی ٹیم کو بھی دائیں اپروچ پر تحریمی کارروائی کا حکم دے دیا۔ میجر زکریا یوسف نے بتایا کہ ابھی تک ذخیرہ فورس ان تک نہیں پہنچی۔

3 جولائی کو سعید ناگرہ سے اجازت لے کر خالد نذیر نے دائیں بازو کی طرف توجہ کی ابھی وہ سکرین پوزیشن پر پہنچے ہی تھے کہ شدید آرٹلری فائر شروع ہو گیا سعید اقبال اور امیر نواز دونوں پوزیشنز پر دشمن اپنی دانست میں مسلسل قہر برسا رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی سعید ناگرہ نے اطلاع دی کہ دشمن تین اطراف سے ایک ایک کمپنی نفری کے ساتھ ان کی طرف بڑھ رہا ہے۔ جس پر خالد نذیر نے اس

طرف اپنا مارٹر فائر گرا دیا ادھر سعید ناگرہ اور ان کے مٹھی بھر ساتھی سیسہ پلائی دیوار بن کر دشمن پر ٹوٹے اور دشمن کو دائیں اور بائیں پہلو سے پس قدمی پر مجبور کر دیا خالد نذیر کی شدید خواہش تھی کہ وہ امیر نواز پوزیشن پر پہنچیں اور بٹالین کی آپریشنل کمانڈ سنبھالیں۔ انہوں نے سپاہی خورشید کے ساتھ برستی آگ میں ادھر کا رخ کیا راستے میں اقبال پوزیشن آتی تھی سخت آرٹلری فائر میں وہ بالآخر اقبال پوزیشن پر پہنچ گئے۔ کیپٹن اقبال نے اس دوران دشمن کی پیشقدمی روک دی تھی۔ امیر نواز اپنے مقصد میں کامیاب رہے تھے لیکن سعید ناگرہ پر دشمن کا بڑا حملہ ابھی جاری تھا۔

میجر سعید ناگرہ ایک ایک پوزیشن پر جا کر جوانوں کا حوصلہ بڑھاتے اور بڑی جانفشانی سے برستی آگ میں راستہ بناتے آگے پیچھے دائیں بائیں حرکت کر رہے تھے۔ ہر پوزیشن سے وہ دوربین کے ذریعے دشمن کی نقل وحرکت کا جائزہ لینے کے بعد اس کی جوابی حکمت عملی تیار کرتے تھے۔ اچانک ہی انہیں ایک سمت پتھر گرنے کا احساس ہوا اور دیکھا کہ دشمن ان کے عقب سے رسوں کے ذریعے اوپر چڑھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس کے درجنوں سپاہی اس سمت کو اپنے لئے محفوظ جان کر اوپر پہنچنے میں کوشاں تھے جب میجر سعید ناگرہ عذاب الٰہی بن کر ان پر نازل ہوا اور ان درجنوں سپاہیوں میں سے شاید کچھ خوش قسمت زندہ یا زخمی حالت میں واپس جانے میں کامیاب ہوئے ہوں گے۔ دشمن کی جوابی فائرنگ اور حملہ بڑا ہی تباہ کن تھا۔ لیکن سعید ناگرہ اپنی خطر پسند طبیعت کی وجہ سے اس سے بے نیاز اپنی فورس کو کمانڈ کر رہے تھے۔

ابھی خالد نذیر کیپٹن امیر نواز کی پوزیشن تک پہنچے ہی تھے جب اطلاع ملی کہ سعید ناگرہ کو سات گولیاں لگی ہیں وہ شدید زخمی ہیں اور حملے میں سپاہی محمد حیات شہید ہو گیا ہے۔ بلاشبہ میجر سعید ناگرہ نے اپنی ولولہ انگیز قیادت سے دشمن کی بٹالین کے حملے کا منہ موڑ دیا تھا۔ انہوں نے جس موثر انداز میں دشمن پر فائرنگ کروائی اس نے بھارتی کمانڈ کو ایک مرتبہ تو چکرا کر رکھ دیا جب ان کے بریگیڈ ہیڈ کوارٹر یہ رپورٹ پہنچی تو بٹالین کو فوراً پس قدمی کے احکامات جاری ہو گئے۔ میجر سعید ناگرہ کو ان کی

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

بہادری اور ولولہ انگیز قیادت پر تمغہ بسالت سے نوازا گیا۔

میجر سعید ناگرہ کو شدید زخمی حالت میں پیچھے بھیج دیا گیا۔ اس اہم پوزیشن کے لئے خالد نذیر کی نگاہ انتخاب میجر ارشد ہاشم پر ٹھہری جنہیں چند روز پہلے بھی ان کی مدد کے لئے بھیجا گیا تھا اور جو اس وقت گہرائی میں ایک دفاعی پوزیشن کے انچارج تھے۔ خالد نذیر آزمودہ کار سپاہی تھے۔ اچھی طرح جانتے تھے کہ پہاڑوں پر لڑائی میں آب و ہوا اور لڑائی کے ماحول میں ڈھلنے کا بڑا عمل دخل ہوتا ہے۔ جبکہ ارشد ہاشم کو ابھی چند دن بھی نہیں ہوئے تھے۔ انہوں نے پراعتماد ارشد ہاشم سے رابطہ کیا اور پوچھا کہ وہ اہم ترین ذمہ داری قبول کرنے کے لئے تیار ہیں۔

''سر! پاک سرزمین کے لئے یہ جان کسی کام آجائے اس سے بڑی سعادت اور کیا ہوگی''۔ جواب ملا۔

ارشد ہاشم کے پراعتماد لہجے نے خالد نذیر کا حوصلہ بڑھایا۔

''آؤ اور سعید ناگرہ کی پوزیشن سنبھالو''۔ انہوں نے اگلا حکم دیا۔

ارشد ہاشم نے ایک لمحے کے توقف کے بغیر رخت سفر باندھا، ار چار گھنٹے کی پیدل مسافت کے بعد وہاں پہنچ گئے۔ دشمن کے جارحانہ حملے کا پہلا دن گزر گیا تھا۔ اس کے دوطرفہ حملے کے منصوبے کو ان جانبازوں نے ناکام بنا دیا تھا۔ جبکہ دائیں والا بھارتی بریگیڈ آرٹلری مارٹر کیپٹن عمار کی تحریکی کارروائی اور صوبیدار مراد بیگ، صوبیدار سکندر، حوالدار لالک جان کی سپاہ کی ثابت قدمی کی وجہ سے اپنا سر نالے سے باہر ہی نہیں نکال سکا۔ دوسری طرف بریگیڈ کا حملہ میجر سعید ناگرہ، لیفٹیننٹ اقبال اور کیپٹن امیر نواز کی ولولہ انگیز قیادت کی بھینٹ چڑھ گیا۔

4 جولائی کو خالد نذیر نے اعظم، ابراہیم، مراد اور قادر پوزیشنز کو دیکھنا تھا جنہوں نے دائیں طرف سے دشمن کے بریگیڈر کے حملے کا منہ موڑ دیا تھا اس کے ساتھ ہی بہرصورت ذخیرہ فورس کا اجراء کرنا تھا۔ تمام دفاعی پوزیشنوں سے ہوتے ہوئے بالآخر خالد نذیر، زکریا یوسف کے پاس پہنچ گئے۔ جہاں

انہیں بتایا گیا کہ میجر امجد تنویر، کیپٹن ندیم بخش اور کیپٹن حسین کے زخمی ہونے اور انخلاء کر جانے سے ذخیرہ فورس جمع نہیں ہوسکی۔ دوسری کمپنی کی جانب صرف کیپٹن کرنل شیر خان درست حالت میں تھے اور وہ بھی خالد نذیر سے دوراتوں کی مسافت پر......

خالد نذیر نے کیپٹن کرنل شیر خان کو اپنے جوانوں سمیت زکریا پوسٹ پر پہنچنے کی تلقین کی۔ خالد نذیر خود بیس پر پہنچ گئے جہاں سے پھر ریئر لوکیشن پر رابطہ کیا کیونکہ وہاں موجود فورس واقع احکامات ہونے کی وجہ سے حسن حسین دفاعی پوزیشن سے گلتری کی طرف واپس چلی گئی تھی۔ ابھی وہ ان معاملات کو سلجھا ہی رہے تھے کہ میجر زکریا یوسف کا فون آگیا جنہوں نے بتایا کہ دشمن نے شدید گولہ باری شروع کردی ہے۔ ان حالات میں خالد نذیر کا ایک لمحہ بھی یہاں رکنا ان کے مزاج کے خلاف تھا۔ اعلیٰ حکام سے درخواست کرنے پر انہیں کیپٹن رحیم نے ہیلی کاپٹر کے ذریعے لائن آف کنٹرول کے ساتھ ڈراپ کردیا۔ شدید گولہ باری جاری تھی۔ لیکن چار جولائی کے حملوں میں میجر سعید ناگرہ نے 22 جوانوں کے ساتھ زندگی اور موت کا معرکہ سر کرتے ہوئے ایک بٹالین کو شکست دی تھی۔ اسی رات صوبیدار مراد بیگ اور صوبیدار سکندر نے بھارتی بریگیڈ کا منہ موڑ دیا تھا۔ 4 جولائی کو دشمن نے اس شدت سے گولہ باری کی تھی کہ مواصلاتی لائن بھی کٹ چکی تھی اور حالات اس امر کے متقاضی تھے کہ ریڈیو پر کم سے کم بات کی جائے۔ ان حالات میں خالد نذیر کے پاس صرف ایک چوائس تھی کہ وہ چل کر گہرائی میں واقع ''بند وبستی بیس'' پر جائیں اور وہاں جو بھی نفری میسر ہو اسے بطور ذخیرہ فورس تشکیل دے کر آگے، مدد لے کر جائیں۔

شدید گولہ باری میں وہ اس بندوبستی بیس پر پہنچ گئے جہاں ان کی ملاقات میجر بلال سے ہوئی۔ میجر بلال کا ''تعلق'' ڈیلٹا کمپنی 32 بہادر بٹالین سے تھا جس کے وہ کمپنی کمانڈر تھے۔ انہوں نے خالد نذیر کو بتایا My people are here to Carry out dumping of stores of your positions.

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

ایک لمحے کے توقف کے بعد خالد نذیر نے اس سے کہا۔

thank-u major, but I want to apprise you about latest development. I am faced with a Challenging situation"

اس کے بعد انہوں نے میجر بلال کو صورتحال سے آگاہ کرنا شروع کیا اور بتایا کہ وہ یہاں کس مقصد کے لئے آئے تھے۔ میجر بلال نے اپنے نام کی سنت ادا کرتے ہوئے رسم بلال کو زندہ کیا اور کہا...... ''سر! بے شک ہم یہاں ڈمپنگ کے لئے آئے تھے۔ میری کمپنی کے پاس تو بڑے ہتھیار بھی نہیں ہیں۔ لیکن حالات سے آگاہی اور آپ کے تجربے کے بعد میں آپ کی بات اور اس کی اہمیت کو سمجھتا ہوں۔ ہمیں تو تربیت ہی بدلتے حالات سے نبرد آزما ہونے کی دی جاتی ہے۔ میری خدمات حاضر ہیں۔ ہماری نفری بکھری ہوئی ہے۔ ایک سیکشن کی نفری لیفٹیننٹ عمر کی قیادت میں اگلے مورچوں پر رسد ڈراپ کرنے گئی ہے۔ ایک پلاٹون کی نفری یہاں موجود ہے''

خالد نذیر کو میجر بلال جیسے آفیسر سے اسی جواب کی توقع تھی اگلے پندرہ منٹ میں میجر بلال کی پلاٹون تیار تھی۔ کمپنی حوالدار میجر رقیب نے پلاٹون کو ہوشیار ہونے کی کمان دی اور مروجہ طریقہ کار کے مطابق کمپنی سینئر جے سی او زکو رپورٹ دی۔ صوبیدار رشید یہ فرائض انجام دے رہے تھے جنہوں نے صرف ایک ہفتہ پہلے صوبیدار کے رینک اپنے کندھوں پر سجائے تھے۔ کمپنی کمانڈر نے خالد نذیر کو جوانوں سے بات کرنے کے لئے کہا جنہوں نے ''فال ان'' پلاٹون کو صورتحال سے آگاہ کرنے کے بعد پوچھا۔

''وہ تمام جانباز اور بہادر جو اصل فرض کی پکار سے بالاتر ہوکر ''حیدران'' کا ساتھ دینا چاہتے ہیں۔ ایک قدم آگے آجائیں''

اس لمحے خالد نذیر کا سر فخر سے بلند ہو گیا جب کمپنی کمانڈر سمیت تمام جوانوں نے پاک فوج کی روایات کے مطابق ''لبیک'' کہہ دیا۔ خالد نذیر کو کسی نادیدہ قوت نے کہہ دیا کہ جس فوج کے پاس

ایسے فرض شناس بہادر موجود ہوں سرخروئی اس کا مقدر ہے۔ یہ پلاٹون ابھی تک آب وہوا اور بلندی کے ماحول میں پوری طرح نہیں ڈھلی تھی اور انہیں دفاعی مورچہ بندیوں کا بھی علم نہیں تھا لہٰذا میجر بلال اور خالد نذیر کے درمیان طے پایا کہ بجائے ذخیرہ فورس کے بہتر ہوگا کہ انہیں دفاعی ذمہ داری سونپی جائے۔ جن دستوں کی یہ تبدیلی کریں گے ان سے خالد نذیر ذخیرہ فورس ترتیب دے لیں گے۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

نیا باب

سپاہیان صف شکن کی یہ پلاٹون لے کر خالد نذیر صبح ہونے سے پہلے زکریا پوسٹ پر پہنچ گئے۔ میجر زکریا یوسف نے ساری کارروائی اور صورتحال سے آگاہ کیا۔ دشمن کے پکڑے جانے والے مواصلاتی پیغامات دکھائے۔ خالد نذیر نے پلاٹون کو سیکشن نفری کے حساب سے تقسیم کر دیا۔

علی الصباح ابھی وہ نماز سے فارغ ہوئے تھے کہ صوبیدار مراد بیگ اور صوبیدار سکندر کی پوزیشن سے دو سپاہی مزید ایمونیشن کی درخواست کے ساتھ وہاں آ گئے۔

بہادر کمپنی کے جانباز پوری رات پیدل سفر کرتے ہوئے خالد نذیر کے ساتھ یہاں پہنچے تھے لیکن صوبیدار رشید اور اس کے جوانوں نے خود بھی اپنی خدمات پیش کر دیں۔ دونوں پوزیشنوں پر انہوں نے کمال ہمت سے مطلوب ایمونیشن پہنچا دیا۔ مراد بیگ پوسٹ پر پہنچے تو اس کے جوان دشمن سے نبرد آزما تھے۔ صوبیدار رشید کے ساتھیوں نے جان ہتھیلی پر رکھ کر باری باری ہر جوان تک ایمونیشن پہنچایا اور خود بھی دشمن کے خلاف ڈٹ گئے۔

بروقت کمک سے دشمن کی کمر ٹوٹ گئی اور وہ مراد بیگ پوزیشن سے کچھ لاشیں چھوڑ کر بھاگ گیا۔

اس پوسٹ پر دشمن نے چھ اور سات جولائی کی رات حملہ کیا۔ صوبیدار رشید جنہیں اللہ تعالیٰ نے عظیم

المرتبی سے نوازنے کے لئے یہاں بھیجا تھا سرخرو ہو گئے وہ دو روز پہلے ہی یہاں کمک پہنچانے آئے تھے لیکن ان کی غیرت ایمانی نے اپنے بھائیوں کو اکیلا چھوڑنا گوارہ نہ سمجھا۔ حق و باطل کی اس رزم گاہ میں ان کی آمد ہی تائید ایزدی تھی اپنے مقصد میں کامیابی کے بعد اللہ نے انہیں انعامات سے نوازنے کے لئے اپنے پاس بلا لیا۔ صوبیدار محمد رشید اور سپاہی معروف حسین کو بعد از شہادت ستارہ جرات اور تمغہ جرات کے عظیم منصب سے نوازا گیا جبکہ لانس نائیک معروف سپاہی عابد اور سپاہی نزاکت زخمی ہوئے۔

لیفٹیننٹ عمر کی قیادت میں ایک سیکشن خالد نذیر کے ہمراہ کیپٹن امیر نواز پوزیشن پر مامور ہو گئی۔ اس فورس نے دشمن کی عقبی بازو کی پیشقدمی کو روکا۔ بہادران کے لیفٹیننٹ عمر بڑھ بڑھ کر دشمن کو للکارتے اور حملہ آوروں کو دھتکارتے تھے۔ وہ ایک ایک پوزیشن پر جا کر سپاہ کا حوصلہ بڑھاتے رہے۔ دوسرے روز وہ بم کا ایک سپلنٹر لگنے سے زخمی ہوئے اور قیادت کی روشن مثال قائم کرتے رہے۔

چار اور پانچ جولائی کی درمیانی رات دشمن ایک مرتبہ پھر دفاعی کمپنی کے دونوں بازوؤں پر مکمل بریگیڈ کے ساتھ حملہ آور ہوا۔ حملے کا آغاز حسب سابق بھارتیوں کی طرف سے توپخانے کے تباہ کن فائر سے ہوا۔ دائیں طرف چار بٹالین دو حملہ میں ایک ذخیرہ اور ایک فائر بیس میں دفاع کر رہی تھیں۔ نالے کی طرف سے قادر اور مراد دفاع پر مامور تھے مراد پوسٹ پر دشمن کی ایک بٹالین کا حملہ تو آغاز ہی میں دم توڑنے لگا جبکہ قادر کی طرف حملہ کے لئے آنے والی بٹالین قریباً آٹھ سو گز دور رہ گئی تھی۔ صوبیدار سکندر کی فورس بڑھ چڑھ کر دشمن کو منہ توڑ جواب دے رہی تھیں۔ اب تک کی کامیابی یہی تھی کہ انہوں نے دشمن کی اندھیرے میں شب خون مار کر یلغار کرنے کی کوشش ناکام بنا دی تھی۔ صبح طلوع ہو رہی تھی اور دشمن کی پوزیشن بھی روشنی کے ساتھ ساتھ واضح ہونے لگی تھی۔ یہ جگہ نسبتاً ہموار اور کھلی تھی جس کا مطلب یہ تھا کہ دشمن شکار گاہ میں پہنچ چکا ہے۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

خالد نذیر نے فوراً لالک جان اور سکندر سے رابطہ کر کے ان کو نئی ہدایات دیں اور رپورٹ طلب کی جس پر لالک جان نے بڑے جوش وخروش سے جواب دیا۔

''سر! دشمن دکھائی دینے لگا ہے۔ رات کی جوابی کارروائی سے اس کو خاصا نقصان اٹھانا پڑا ہے اس کے لئے سوائے پسپائی کے اور کوئی راستہ باقی نہیں بچا۔''

اس جواب نے خالد نذیر کے خون کو مزید گرمایا اور انہیں یقین ہو چلا کہ اللہ کی مدد یقیناً ان کے شامل حال ہے ورنہ اس طرح رات کے اندھیرے میں ایک بریگیڈ کا حملہ ایک کمپنی کی طرف سے پسپا ہونے کے امکانات عسکری تاریخ میں ممکن ہی نہیں تھے۔ اچانک ہی دشمن نے نئے اور منظم حملے کا آغاز کیا شاید اس نے رات کو ہونے والے نقصانات کے بعد نئی صف بندی کی تھی اور اب مزید قوت کے ساتھ حملہ آور ہوا تھا۔ خالد نذیر ایک ایک جوان کے پاس جا کر صورتحال کا جائزہ لیتے اور انہیں ہدایات دے رہے تھے جب انہیں اطلاع ملی کہ صوبیدار سکندر کی طرف سے دو جوان پوزیشن پر پہنچے ہیں جنہوں نے بتایا ہے کہ وہاں فوری ایمونیشن درکار ہے۔ خالد نذیر کے لئے اتنے شدید فائر میں کسی بھی جوان کو اپنی پوزیشن سے ہٹا کر صوبیدار سکندر کی پوسٹ پر پہاڑ کی چوٹی پر بھیجنا قدرے مشکل تھا۔ اس مرحلے پر 32 بہادران کے صوبیدار رشید اور کو ایک سیکشن کے ساتھ ایمونیشن دے کر ان جوانوں کے ساتھ روانہ کیا گیا۔ انہیں اسلحہ دے کر واپس آنا تھا لیکن جذبے کا یہ عالم تھا کہ صوبیدار رشید اور ان کے ساتھ سکندر پوسٹ پر بھی ڈٹ گئے اور مل کر دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ دوپہر تک دشمن کی مزاحمت دم توڑتی دکھائی دی۔ اس کی توقعات سے بہت زیادہ جانی نقصان نے انہیں بوکھلا دیا تھا۔ دو بجے دن کے بعد دشمن نے پسپائی اختیار کی اور اپنی کچھ لاشیں بھی افراتفری میں چھوڑ کر پیچھے ہٹ گیا۔

اس مرحلے پر خالد نذیر نے بہادران کی دوسری سیکشن کو اسی پوسٹ پر تعینات کیا اور خود سپاہی خورشید کے ساتھ کیپٹن امیر نواز کی مرکزی پوسٹ کی طرف روانہ ہوئے۔ دن کی روشنی میں شاید دشمن

کے کسی او۔ پی نے انہیں دیکھ لیا تھا اچانک آرٹلری کا چھوٹا بڑا فائر آنے لگا جس کی شدت میں اضافہ ہو رہا تھا۔

''سر! رک جائیں۔ دشمن نے ہمیں دیکھ لیا ہے۔ بہت شدید فائر آ رہا ہے۔'' سپاہی خورشید نے اچانک ہی انہیں باخبر کیا ''فکر کی کوئی بات نہیں۔ اگر اللہ نے ہم سے کوئی کام لینا ہے تو یہ فائر ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اگر اللہ کو کچھ اور منظور ہے تو اس راستے پر ہم پہلے مسافر نہیں ہوں گے۔ ہماری آنکھوں کے سامنے کیسے کیسے جی دار شہید ہوئے ہیں۔ اگر ہماری باری آ گئی ہے تو لبیک! چلتے چلو۔ ہمیں بہرصورت امیر نواز تک پہنچنا ہے۔''

کمانڈر کے اس جواب نے سپاہی خورشید کو حیران تو کیا لیکن اس کے خون کو مزید گرمایا اور وہ اس عزم کے ساتھ کہ اپنے کمانڈر کی طرف لپکنے والی موت کے راستے کی دیوار بنا رہے گا عازم سفر ہوا۔

امیر نواز تک دونوں بحفاظت پہنچ گئے یہاں صورتحال کا جائزہ لینے کے بعد خالد نذیر کو اندازہ ہوا کہ کیپٹن امیر نواز نے اپنی سپاہ کو بازوئی پیش قدمی کے خلاف پھیر رکھا تھا یہی حکمت عملی لیفٹیننٹ اقبال، کیپٹن کلیم اور کیپٹن اعجاز نے اپنائی تھی اور ان کی اس حکمت عملی کی وجہ سے پہاڑیوں میں چھپے دشمن کو سر اٹھانے کا موقع نہیں مل رہا تھا۔ ان کی ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ بڑھ کر حملہ کریں۔

خالد نذیر کو قدرے اطمینان نصیب ہوا لیکن اچانک ہی میجر ارشد ہاشم کا پیغام مل گیا۔ جس پر دشمن نے پوری قوت سے فائر کھولا تھا میجر ہاشم اپنے مٹھی بھر ساتھیوں کے ساتھ ڈٹا ہوا تھا لیکن انتہائی کم نفری ہونے کی وجہ سے دشمن رات کے اندھیرے میں ان سے صرف دو سو گز دور پہنچ گیا تھا۔ میجر ارشد ہاشم کے تمام ساتھی شہید بھی ہو جاتے تو دشمن کی پیش قدمی رکتی دکھائی نہیں دیتی تھی کیونکہ اس نے اس محاذ کا کمزور ترین مورچہ تلاش کر لیا تھا۔ میجر ارشد ہاشم کو فوراً ''ایس۔ او۔ ایس'' فائر درکار تھا۔ صرف یہی ایک صورت اب ممکن رہی تھی خالد نذیر نے فوراً گن پوزیشن پر لیفٹیننٹ کرنل ہمایوں سے درخواست کی جس پر اگلے ہی لمحے عمل شروع ہو گیا۔ پہلا ہی گولہ ''اون ٹارگٹ'' تھا۔ قریباً سو

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

گولے فائر ہوئے جس کے بعد دشمن کی ہمت ٹوٹ گئی اور وہ پسپائی اختیار کر گیا۔

میجر ارشد ہاشم اپنے 21 جوانوں کے ساتھ دشمن کی گرنیڈیئر بٹالین سے ٹکرا گیا تھا۔ میجر ارشد اور پاکستان آرٹلری کی طرف سے آنے والے موثر ایس او ایس فائر کے متعلق حملہ آور 18 گرنیڈیئر نے اپنی سرگزشت اس طرح بیان کی ہے۔

''چار اور پانچ کی رات ''فائر بیس'' کو ٹائیگر ہل کے قریب ترین حرکت دی گئی۔ جہاں ان کے آفیسر کمانڈنگ ''سی'' کمپنی میجر مسیجار ''ڈی'' کمپنی کے کیپٹن سچن نمبالکر اور کمانڈر پلاٹون جو کہ گزشتہ رات خاموشی سے ٹائیگر ہل چوٹی پر پہنچ چکی تھی کی گروپ بندی کی گئی۔ زخمی لیفٹیننٹ بلوان سنگھ نے اپنی پلاٹون چھوڑنے سے انکار کر دیا اور اس نے اس کی قیادت بھی کی۔ انہوں نے دشمن (پاکستان) کو قریباً آڑے ہاتھوں لے لیا تھا لیکن ان پر ایک مضبوط جوابی حملہ ہوا (لیفٹیننٹ کرنل ہمایوں کا فائر) اس کے باوجود جنگ چار بجے تک جاری رہی لیکن دشمن (پاکستانی آرمی) ان سے زیادہ طاقتور تھا اور 18 گرنیڈیئر کا حملہ بالآخر ناکام ہو گیا انہیں ''دشمن'' نے چوٹی سے دھکیل دیا (A RIDGE TOO FAR 128-127)

دشمن کے جارحانہ حملوں کا دوسرا دن تھا......!

دونوں بازوؤں پر دشمن کے دو بریگیڈ حملے ناکام ہو چکے تھے اور اب وہ بے بسی سے اپنے زخم چاٹ رہا تھا۔ اس مرحلے پر دائیں بازو کی حملہ آور یونٹوں نے استحکام کا وقت مانگا اور کارروائی روک دی گئی۔ دشمن جان گیا تھا کہ اس کے لئے کسی دفاعی پوزیشن کی تسخیر ممکن نہیں اس مرحلے پر اس نے اقبال اور کاشف کی دفاعی پوزیشنوں کے خلاء میں نفوذ کر کے کاشف پوزیشن کو کاٹنے کی حکمت عملی ترتیب دے لی۔ سورج غروب ہونے کے بمشکل دو گھنٹے بعد حوالدار اورنگزیب اور نائیک امیر افضل نے دشمن کے نفوذ کی خبر خالد نذیر کو پہنچا دی تھی۔

خالد نذیر کی جوابی حکمت عملی جاننے سے پہلے دشمن کی زبانی اس رات کی کہانی سن لیجئے۔

ترجمہ: بریگیڈیئر (کمانڈر 192 مونٹین بریگیڈ) نے اب فیصلہ کیا۔ حالات کافی حد تک مخدوش ہو رہے ہیں۔ لہٰذا کوئی غیر مروجہ طریقہ کار اپنایا جائے اس کے جائزہ کے مطابق ٹائیگر ہل اور را کی ناب ایک دوسرے کو باہمی فائر دے رہے تھے (را کی ناب) فیچر مغربی پہاڑی سلسلہ کے انتہائی مغرب میں تھا۔ لہٰذا ان دونوں فیچرز کے درمیان اگر ایک فورس حائل کی جا سکے تو (دشمن کا) دفاع تقسیم ہو جائے گا اور ٹائیگر ہل کی مواصلاتی لائن بھی کٹ جائے گی۔ اس طرح دشمن کے حوصلہ پر بھی کافی گہرا اثر پڑے گا۔ لیکن نفوذ کے لئے مغربی کنارہ پر واقع دشمن پر بریگیڈ کا فائر گرا کر پن ڈاؤن رکھنا پڑے گا۔ یہی فورس گرنیڈیئرز کے حملہ میں رکاوٹ بنی ہوئی تھی۔ (صفحہ 114 ایضاً)

8 سکھ رجمنٹ کو رات 5/6 جولائی ٹائیگر ہل اور را کی ناب کے درمیان نفوذ کر کے محاصرہ چوطرفہ کرنے کے احکام ملے۔ تین اطراف سے پہلے ہی گھیراؤ ہو چکا تھا۔ را کی ناب پر مسلسل گولہ باری اور دھوئیں کی دیوار حائل کر دی گئی۔ اب 8 سکھ را کی ناب اور ٹائیگر ہل کے درمیان دو زمینی نشانوں، ہیلمٹ اور انڈیا گیٹ پر براجمان تھی۔ 6 جولائی کی صبح ان پر جوابی حملہ ہوا۔ صفحہ نمبر 116 پر تحریر کیا گیا ہے۔ یہ 8 سکھ کے بیٹل اکاؤنٹ ہیں۔

ترجمہ: اگلی صبح 0645 بجے پہلا جوابی حملہ ہوا۔ جو کہ ایک کمزور پلاٹون تقریباً 20 افراد پر مشتمل تھا۔ اسے ہیلمٹ سے تھوڑا سا پہلے ناکام بنا دیا گیا۔ اس کے باوجود، دو سانگھڑ جن پر نائب صوبیدار کرنل سنگھ اور نائب صوبیدار رویل سنگھ جن کے پاس میڈیم مشین گن اور آٹومیٹک گرنیڈ لانچر تھا اور ہیلمٹ کے اگلے احاطے پر تھے۔ ان دونوں جونیئر کمشنڈ افسروں کو آر پی جی کا گولہ لگا اور وہ دونوں ہلاک ہو گئے دو جے سی اوز کی ہلاکت کے علاوہ بہت زیادہ نقصان پر لیفٹیننٹ شیراوت ''انڈیا گیٹ'' کی طرف پسقدمی کر گیا اور اسی طرح صوبیدار سردار سنگھ اور اس کی ایم۔ ایم۔ جی دستے نے (پسقدمی کی) دشمن نے ان کا تعاقب ''انڈیا گیٹ'' تک کیا۔ 45 منٹ بعد ایک اور بہت مصمم حملہ، بہت بڑی نفری کے ساتھ کیا گیا۔ جس کی قیادت دو آفیسرز کر رہے تھے۔ میجر پرمر کے تند فائر کے باوجود وہ

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http: / /www.Paksociety.com for More

دفاعی (حصار) کے محیط پر پہنچ گئے اور (ان سے) کوئی غلطی سرزد نہیں ہوئی۔ جب کے دونوں آفیسرز ہلاک نہ ہو گئے۔ دو پاکستانی آفیسرز میں سے بعد میں ایک کیپٹن کرنل شیر خان 12 این ایل آئی کی شناخت ہوگئی۔ اسے پاکستان کا بہادری کا سب سے بڑا اعزاز ''نشان حیدر'' ملا۔ جو کارگل جنگ میں اپنی نوعیت کا واحد اعزاز تھا۔ دوسرا افسر میجر اقبال۔ ایس۔ ایس۔ جی تھا (صفحہ 116۔ ایضاً)

اس تمام کارروائی کے باوجود ٹائیگر ہل پر قبضہ کا ذکر 8 سکھ نے اپنے بیٹل اکاؤنٹ میں کہیں نہیں لکھا۔ البتہ 18 گرنیڈیرز اپنے بیٹل اکاؤنٹ کے آخر میں لکھتی ہے۔

ترجمہ: کیپٹن نبالکر کی رہنمائی میں میجر تومر کی ''بی'' کمپنی نے مورخہ 8 جولائی 3 بجے پشتی ڈھلوان پر حملہ کیا اور 2 بج کر 15 منٹ پر انہوں نے پشتی ڈھلوان اور ''وی'' کٹ پر محفوظ قدم گڑھ لئے۔ اسی دوران میجر راٹھور اور اے کمپنی نے علاقہ ''کالر'' پر قبضہ کرلیا اور کمپنیوں نے ایک دوسرے کے ساتھ ملاپ کیا۔ ٹائیگر ہل کو صبح 8 بجے انہوں نے محفوظ کرلیا۔ 10 جولائی 5 بجے تک ''راکی ناب'' کو محفوظ کیا۔ 16 تاریخ کو 3/3 گورکھا رجمنٹ کی گشت نے بلوان کے ساتھ عام علاقہ پوائنٹ 4965 پر ملاپ یعنی لنک اپ کیا (صفحہ 128-129 ایضاً)

O

خالد نذیر کو کیپٹن عمار حسین کی فورس ہی بطور ذخیرہ فورس میسر تھی۔ انہوں نے کیپٹن عمار کو اقبال پوسٹ کی طرف کمک مہیا کرنے کے احکامات اور دعاؤں کے ساتھ روانہ کیا۔ کیپٹن عمار ایس۔ ایس۔ جی کا جانباز تھا وہ اور اس کے ساتھی ''من جانبازم'' کے فلک شگاف نعرے بلند کرتے شہادت وعزیمت کی اس عظیم شاہراہ پر گامزن ہو گئے۔ رات کا وقت ہونے کی وجہ سے خالد نذیر نے سختی سے ہدایت کی تھی کہ جوابی فائر ناگزیر حالات ہی میں کیا جائے۔ رات کے اندھیرے میں خصوصاً اس برفیلے پہاڑی جہنم میں ہر پتھر پر دشمن کا گمان ہوتا تھا۔ انہیں اپنا ایمونیشن صبح تک کے لئے بچانا تھا جب وہ دشمن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس سے نبرد آزما ہو سکیں۔

کیپٹن عمر کی فورس نے اقبال پوزیشن کے بائیں پہاڑی سلسلے پر اپنا تسلط قائم کرلیا تا کہ دشمن نیچے ہی رہے ادھر میجر زکریا یوسف کی ہر ممکن کوشش تھی کہ کرنل خالد نذیر کے لئے زیادہ سے زیادہ ذخیرہ فورس جمع کرلے۔ ان سے رابطہ پر خالد نذیر کو اطلاع ملی کہ کیپٹن کرنل شیر خان ابھی اپنے چار جوانوں کے ساتھ ان کی پوزیشن پر پہنچا ہے۔ کیپٹن کرنل شیر خان نے اپنے پانچ جوانوں کے ساتھ رات ڈیڑھ بجے اپنے او۔ سی کرنل خالد نذیر کو رپورٹ کی۔ پندرہ منٹ بعد نائب صوبیدار علیم زر اپنے تین ساتھیوں کے ہمراہ شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنے کی تڑپ کے ساتھ حاضری دی۔ اس مرحلے پر کیپٹن کرنل شیر خان کہ بارگاہ الٰہی میں جس کی حاضری اعلیٰ ترین منصب کے ساتھ منظور ہو چکی تھی۔ حوریں دامن پھیلائے جس کی منتظر تھیں اور جس کے لئے آسمانوں سے زمین تک سرخ قالینوں کا فرش بچھایا جا رہا تھا نے خون آلود جیکٹ پہن رکھی تھی۔

''سر! میں اسے خود سے جدا نہیں کرسکتا۔ اس پر سپاہی عرفان شہید کا خون لگا ہے جس نے میرے ہاتھوں میں جان ''جان آفرین کو سونپی'' اس نے اپنے او۔ سی سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ سپاہی عرفان شہید کے لئے اعلیٰ عسکری منصب کی سفارش کریں۔ کرنل خالد نذیر نے اسے یقین دلایا کہ وہ اس کی خواہش کا احترام کریں گے۔ انہوں نے کیپٹن امیر نواز، شیر خان، علیم زر کو دشمن کے نفوذ سے متعلق حاصل معلومات سے آگاہ کرتے ہوئے اپنے جوابی منصوبے کا اجمالی خاکہ بیان کیا اور قریباً ایک گھنٹہ بعد وہ خالد نذیر سے اقبال پوزیشن کی طرف گامزن ہوئے۔ کرنل خالد نذیر نے وہاں مزید دو گھنٹے تک نفری کا انتظار کیا پھر کیپٹن امیر نواز اور اس کی سپاہ کو اللہ کے حوالے کرتے خود بھی اقبال پوزیشن کی طرف روانہ ہو گئے۔ پوسٹ سے دو ڈھائی سو گز دور ہی تھے جب ان پر گولوں اور گولیوں کا مینہ برسنے لگا لیکن کسی نہ کسی طرح مختلف پتھروں کی آڑ لئے وہ اقبال پوزیشن پر پہنچ گئے۔ یہاں معرکہ جاری تھا۔ اقبال نے بتایا کہ دشمن اتنا قریب پہنچ گیا تھا کہ ان کے لئے مزید انتظار ممکن ہی نہیں تھا۔ انہوں نے جوابی حملہ کر دیا تھا اب تک شیر خان، عمار اقبال اور صوبیدار بشیر کی جوابی حملہ پارٹیوں نے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

دشمن کے چار سانگھڑ آر۔ پی۔ جی فائر سے تباہ کر دیئے اور بمشکل 45 منٹ کے بعد اگلی اس کے بعد اس سے اگلی ٹیکری ان سے چھین لی تھی۔ یہاں جوابی حملے کا پہلا مرحلہ مکمل ہو گیا تھا۔

ابھی بمشکل آدھا گھنٹہ گزرا تھا جب دشمن نے دوبارہ تنظیم سازی کر کے پہلے سے زیادہ زوردار حملہ کیا۔ اس مرحلے پر کرنل خالد نذیر کو کیپٹن کرنل شیر خان اور کیپٹن عمار کی طرف سے پیغام ملا کہ دشمن میجر ارشد ہاشم کی طرف تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ فوری ایکشن لازم ہے۔ ہم اس طرف جاتے ہیں۔ یہ احساس وفاداری تھا۔ وہ پہل پن تھا جو پاکستان آرمی کی جونیئر قیادت کی شناخت اور اعزاز ہے۔ 16 جوانوں پر مشتمل ایک سیکشن ترتیب دے کر دونوں میجر ارشد ہاشم پوزیشن کی طرف بڑھے۔

لیفٹیننٹ اقبال تاج اور صوبیدار بشیر فائر بیس کے انچارج تھے۔ شیر خان اور عمار ایکشن گروپ کی قیادت کر رہے تھے انہوں نے تین سانگھڑوں کو کلیئر کر لیا تھا اور اب ارشد ہاشم پوزیشن سے بمشکل تین سو گز دور تھے۔ کیپٹن شیر اور ان کے ساتھی شام چھ بجے موقع پر پہنچے۔ انہوں نے صورتحال کا جائزہ لینے کے بعد دشمن کی مزاحمت کو توڑنے کے لئے عسکری تاریخ کا انتہائی دلیرانہ فیصلہ کیا وہ دشمن پر بالکل فرنٹ سے اور علی الصباح حملہ کرنے کا منصوبہ بنا چکے تھے۔ انہوں نے عشا کی نماز باجماعت ادا کی اور اپنے ساتھیوں کو جہاد، شہادت کی فضیلت پر مختصر خطاب کے بعد اپنے منصوبے سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا کہ اس حملے میں جان کا زیاں ہے۔ بچ نکلنے کے امکانات نہ ہونے کے برابر ہیں کیونکہ دشمن تعداد اور اسلحے کی برتری کے علاوہ محفوظ بھی ہے۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا اگر وہ ان کا ساتھ نہ دینا چاہیں تو ان پر کوئی پابندی نہیں لیکن ایسا کیسے ممکن تھا جنہیں شیر خان جیسا شیر دل کمانڈر میسر ہو وہ پیٹھ کیوں دکھاتے انہوں نے اپنے سالار کے ساتھ ہی جینے مرنے کے عزم کو دھرایا۔

صبح ایس ایس جی کے کیپٹن عمار بھی ان سے آن ملے۔ نماز فجر سب نے اکٹھے ادا کی اور اللہ کی عظمت و جلالت کی گواہی دیتے، شوق شہادت سے بے قرار، دشمن پر بالکل سامنے سے قرون اولیٰ

کے مسلمان غازیوں کی طرح حملہ آور ہوئے۔ حملہ ایسا بھرپور تھا کہ دشمن کچھ لاشیں، چار زخمی سپاہی چھوڑ کر بھاگ گیا، اس طرح دو اہم پوسٹوں کے درمیان رکاوٹ ختم ہو گئی اور دونوں میجر ہاشم کی پوزیشن تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ وہ دشمن سے قریباً دو بدو ہو گئے۔ اس مرحلے پر کیپٹن کرنل شیر خان، کیپٹن عمار حسین، نائب صوبیدار علیم زر، باری باری اپنی فورس کی کمان کرتے اپنے چھ اور ساتھیوں سمیت شہادت کے عظیم منصب پر فائز ہو گئے۔ ان کے دلیرانہ اقدام نے دشمن کی کمر توڑ دی تھی۔ حملہ رک گیا۔ کیپٹن کرنل شیر خان اور اس کے جانبازوں کی شہادت اور دلیرانہ اقدام نے دشمن پر لرزہ طاری کر دیا تھا ان کی بہادری نے دشمن کو بھی متاثر کیا جو کیپٹن شیر خان کی لاش دلی لے گیا جہاں سے قریباً پندرہ روز بعد ان کا جسد خاکی واپس پاکستان لایا گیا۔

کرنل خالد نذیر کو اعلیٰ کمان سے حکم ملا کہ میجر ارشد ہاشم کو اور اس کی فورس کو اقبال پوزیشن پر واپس بلا لو۔ رابطہ کرنے پر میجر ارشد ہاشم نے بتایا کہ سپاہی محمد علی اتنا شدید زخمی ہے کہ اس کو معمولی حرکت دینا بھی ممکن نہیں۔ یہ قیامت کی گھڑی تھی۔ اس مرحلے پر خالد نذیر کو بہت دلیرانہ فیصلہ لینا تھا۔

''محمد علی کو اللہ کی رضا پر چھوڑ کر فوراً اقبال پوسٹ پر پہنچو'' انہوں نے بادل نخواستہ حکم جاری کیا۔

خالد نذیر بے چینی سے اپنے جوانوں اور افسروں کی خیریت کا منتظر تھا۔ صبح تک سترہ جوان اقبال پوزیشن پر پہنچ چکے تھے لیکن ان میں میجر ارشد ہاشم، سپاہی فقیر محمد، سپاہی نذیر احمد اور سپاہی محمد علی شامل نہیں تھے۔ جس پر لیفٹیننٹ اقبال اور صوبیدار بشیر کو خالد نذیر نے صورتحال جاننے کے لئے بلایا۔ صبح ہونے پر جب خالد نذیر آنکھوں سے دوربین لگائے سامنے میجر ارشد ہاشم پوزیشن کا جائزہ لے رہے تھے تو انہیں ایک ''پیک'' دکھائی دیا۔ لیفٹیننٹ اقبال کمان میں ایک گشتی پارٹی اس طرف گئی اور اس ''پیک'' کو اٹھا لائی۔ یہ زخمی سپاہی محمد علی تھا جس کے حواس اس وقت قائم تھے لیکن وہ ہوش میں نہیں تھا۔ اسے فوراً پیچھے روانہ کیا گیا وہ آج بھی غازی اور زندہ ہے جبکہ میجر ارشد ہاشم اور ان کے دونوں جوانوں نے بھارتیوں سے آخری لمحے تک دست بدست لڑائی لڑی جس میں تینوں نے جام شہادت

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

نوش کیا۔ افسوس ان کے پیاروں کو اپنے شیر دلوں کے جسد خاکی بھی نصیب نہ ہوئے کہ انہوں نے اپنی جانوں کے عوض اللہ سے بڑے رافع واعلیٰ انعامات و درجات کا سودا کر لیا تھا۔ اعلیٰ ترین جنگی جونیئر قیادت، احساس فرض و ذمہ داری، ایثار قربانی، پہل کاری، مثالی ایکشن اور جرات و جانبازی پر کیپٹن کرنل شیر خان کو نشان حیدر، میجر ارشد ہاشم شہید کو ستارہ جرات، سپاہی عباس علی شہید کو تمغہ جرات، سپاہی ابراہیم کو تمغہ جرات، سپاہی شمس الحق شہید امتیازی سند، سپاہی محمد ریاض شہید کو امتیازی سند اور صوبیدار بشیر کو کمنڈیشن کارڈ سے سرفراز کیا گیا۔ اس دفاعی پوزیشن کے خلاف دشمن کی یہ آخری کوشش تھی جس میں اسے ناکامی کا سامنا ہوا۔

O

بشیر بکروال پر دیوانگی طاری تھی!

رات دیر گئے تک وہ سکینہ کو تلاش کرنے کے بعد اپنی بیوی اور رشتہ داروں کی طرف سے بار بار کہنے پر یہاں آیا تھا اور یہاں پہلی مرتبہ نہیں آیا تھا۔ انوج کمار سے بہت پہلے وہ بھارتی انٹیلی جنس ایجنسیوں کا ٹاؤٹ بنا ہوا تھا۔ تازہ کارنامے کے بعد سے تو وہ خود کو ہیرو سمجھنے لگا تھا کیونکہ اس علاقے میں پاکستانی فوج کی موجودگی کی اطلاع سب سے پہلے اس نے دی تھی۔ جس پر اسے اچھی خاصی انعامی رقم بھی ملی تھی اس کے قد کاٹھ میں اضافہ ہوا تھا۔ مقامی تھانے میں اسے پہلے سے زیادہ پذیرائی ملنے لگی تھی۔

بشیر بکروال کا دھیان کبھی اس طرف نہ جاتا اگر اس کا سالا یہ شک ظاہر نہ کرتا کہ ممکن ہے سیکورٹی والے سکینہ کو پکڑ کر نہ لے گئے ہوں؟

بشیر بکروال کو غصہ تو آیا تھا کیونکہ وہ کبھی اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ اس کی بیٹی کو بھارتی فوج اٹھا کر لے جائے گی۔ اول تو اس کی بیٹی نے ایسا کیا کیا تھا کہ جس پر بھارتی فوج اسے پکڑے گی؟ خدانخواستہ اگر اس پر کوئی شک بھی تھا تو وہ بشیر بکروال سے بات کرتے۔

''کس کی مجال ہے جو میری عزت کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھے''۔

اس نے غصے سے پھنکارتے ہوئے اپنے سالے کو جواب دیا تھا۔

''بھائی صاحب میرا خدانخواستہ یہ مطلب نہیں تھا۔ میں نے تو......'' سالے نے اپنی صفائی پیش کرنا چاہی۔

''بس! بس! بولنے سے پہلے سوچ لیا کرو۔ کس سے بات کر رہے ہو''۔ بشیر نے غصے سے کہا۔ وہ ابھی تک خود کو وی آئی پی ہی سمجھ رہا تھا۔

جب اپنی بیوی کے مجبور کرنے پر وہ کیپٹن انوج کمار سے اپنی دانست میں مدد حاصل کرنے کے لئے گیا تو پہلے ہی جھٹکے نے اس کا سارا نشہ اتار دیا۔

''کون ہے اوئے تو؟ کدھر جا رہا ہے؟''

بلڈنگ کے مین گیٹ پر ہی ایک لمبے تڑنگے جاٹ حوالدار نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

''میں کیپٹن صاحب سے ملنے جا رہا ہوں۔'' اس نے یہ جان کر کہ شاید اس حوالدار کو اس کی شناخت نہیں اپنا تعارف کروانا چاہا۔

''چل اوئے'' اس نے بشیر کو گالی دیتے ہوئے گردن سے پکڑ کر استقبالیہ کی طرف دھکیلا۔

بشیر کے تو چودہ طبق روشن ہو گئے جب ''استقبالیہ'' پر اس کا مکمل اندراج کرنے کے بعد اس کی مجرموں کی طرح تلاشی لی گئی اور ایک کونے میں انتظار کرنے کے لئے کہا گیا۔ یہ سب کچھ اس کے لئے بوکھلا دینے والا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا ہو گیا ہے؟ بے نام سا خوف اس کے رگ و پے میں سرایت کر رہا تھا۔ کل سے اس کی بیٹی غائب تھی اور وہ یہاں ملزموں کی طرح ایک کونے میں منہ چھپائے بیٹھا تھا۔ آدھے گھنٹے کے جان لیوا انتظار کے بعد ایک سنتری اسے لینے آ گیا۔

''بشیر کون ہے بھئی؟'' اس نے بدتمیزی سے پوچھا۔

بشیر بکروال اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ سنتری اسے کیپٹن انوج کے کمرے میں لے گیا۔ اس کمرے کی

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http: / /www.Paksociety.com for More

ایک ایک اینٹ سے اس کی آشنائی تھی کبھی وہ گیٹ سے سیدھا بغیر دستک دیئے اس کمرے میں آیا کرتا تھا اور آج جیسے سب کچھ اچانک بدل کر رہ گیا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کیا ہوا ہے۔

سنتری کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا تو کمرہ خالی تھا۔

''بیٹھو''۔ صاحب ابھی آتے ہیں۔ سنتری نے کہا۔

بشیر بکروال معمول کے مطابق میز کے سامنے دھری آرام دہ کرسی کی طرف بڑھا۔ ابھی بمشکل اس نے بیٹھنے کا ارادہ ہی کیا تھا جب سنتری تیزی سے اس کی طرف لپکا۔ اس نے بشیر بکروال کا بازو پکڑ کر سختی سے اسے ایک طرف کھینچا۔

''ادھر بیٹھ''۔ اس نے ایک کونے کی طرف اشارہ کیا جہاں کوئی کرسی نہیں تھی جس کا مطلب تھا اسے ملزموں کی طرح زمین پر بیٹھنا ہوگا۔

بشیر لرز کر رہ گیا۔ لیکن وہ ان لوگوں کو اچھی طرح جانتا تھا اس نے زبان سے کچھ نہ کہا۔ اگلے ہی لمحے ایک لمبا تڑنگا سکھ میجر اندر آگیا۔

''ہاں بھئی۔ کیا بات ہے۔'' اس نے بشیر سے پوچھا۔

''سرجی! مجھے کیپٹن انوج کمار صاحب سے ملنا ہے'' بشیر نے حیرت اور خوف کے ملے جلے جذبات سے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''کیا کام ہے ان سے''۔ اس نے بشیر کو موٹی سی گالی دے کر پوچھا۔ جو ایک کونے میں ہاتھ باندھے کھڑا تھا اور سامنے مسلح سنتری اسے گھور رہا تھا۔

''وہ جج جناب میں......''

''کیا میں میں لگا رکھی ہے۔ سیدھی طرح بات کر۔''

بشیر نے کچھ کہنا چاہا لیکن میجر نے اس بری طرح ڈانٹا کہ وہ سہم کر رہ گیا۔

''مم میں جی آرمی کے لئے کام کرتا ہوں۔ مم میری بیٹی کل سے غائب ہے''۔ بشیر کے منہ سے

بدقت یہ الفاظ نکلے۔

''سالے ہم پر احسان کرتا ہے کیا۔ ہم نے ٹھیکہ لے رکھا ہے تیری بیٹی کا۔ نکل گئی ہوگی کسی کے ساتھ۔ یہاں کیا لینے آیا ہے۔'' میجر نے اسے گالیاں دینا شروع کر دیں۔

بشیر بکروال نے بچوں کی طرح روتے ہوئے اس کے سامنے ہاتھ باندھ دیئے۔

''مہاراج جی۔ مجھ پر رحم کریں۔ مجھ پر......''

اس سے پہلے کہ وہ ایک قدم بھی آگے بڑھے۔ سنتری نے اچانک اس کے منہ پر دو تین زوردار تھپڑ مار دیئے۔ بشیر بکروال چکرا کر گرا اس کا سر دیوار سے ٹکرایا تھا۔ بمشکل وہ سنبھل کر کھڑا ہوا۔

''اگر آج کے بعد تو یہاں دور نزدیک بھی دکھائی دیا تو زندہ زمین میں گاڑ دوں گا۔ دفع ہو جا''۔

میجر نے مغلظات بکتے ہوئے کہا اور سنتری بشیر کو قریباً کھینچتے ہوئے باہر لایا جہاں تین چار فوجی پہلے سے موجود تھے جو اسے مارتے ہوئے مین گیٹ تک لائے اور وہاں دھمکیاں دے کر پھینک گئے۔

بشیر بکروال بمشکل اٹھ کر کھڑا ہوا اور لڑکھڑاتا ہوا گھر کی طرف چل دیا۔ اس کا دماغ بالکل ماؤف ہو چکا تھا۔ گاؤں سے کچھ فاصلے پر ہی اسے مقامی تھانے کا منشی نظر آگیا جس پر بشیر بکروال نے کافی احسانات کیے تھے۔ اس نے بشیر بکروال کو سنبھالا اور ایک طرف لے کر بیٹھ گیا۔ جہاں اس نے بشیر کو بتایا کہ فوج والوں نے اس کی بیٹی سکینہ کو مجاہدین کی ساتھی سمجھ کر گرفتار کر لیا ہے اور بشیر بکروال سے زیادہ اس بات کو اور کون جانتا تھا کہ ''ات وادیوں'' کو گرفتار کرنے کے بعد ان کا نام ونشان غائب کر دیا جاتا ہے۔ ان کے پیچھے آنے والوں کا حشر اس سے بھی برا ہوتا ہے۔ اس کا دل اور دماغ دونوں یہ بات قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تھے کہ اس کی بیٹی سکینہ بھی دہشت گردوں کی ساتھی ہو سکتی ہے۔ اس کو یقین ہو رہا تھا کہ ضرور آرمی والوں نے سکینہ کو کسی شک کی بنیاد پر گرفتار کر لیا ہے۔

لیکن کیوں؟

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

یہ سوال بار بار اسے کچھ کے لگا رہا تھا اور اس کے اب تک کے تجربے نے جو اسے بھارتی فوج کی ٹاؤٹی کرتے ہوئے ہوا تھا یہ بات سمجھا دی تھی کہ اگر سکینہ کا معمولی سا تعلق بھی مجاہدین سے ثابت ہو گیا تو اس کا جو حشر ہوگا اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ کیا کروں؟ کس سے پوچھوں؟ کس سے مدد طلب کروں؟ اس نے اپنے آپ سے کئی سوال کر دیئے۔ اس کا باس کیپٹن انوج کمار تھا جس تک اس کی رسائی ہی ممکن نہیں ہو سکی تھی۔ جس صورتحال سے وہ آج صبح سے گزر رہا تھا اگر معمولی اعصاب کا بندہ گزرتا تو شاید پاگل ہو جاتا۔ اس کے لئے یہاں سے اپنے گھر تک کا سفر پل صراط کا سفر بن گیا تھا وہ سوچ رہا تھا گھر پہنچ کر اپنی بیوی کو کیا جواب دے گا؟ برادری کو کیا منہ دکھائے گا؟ جو اس سے پہلے ہی بہت ناراض ہے اور اس کے رشتہ دار یہ بات بھی اچھی طرح جانتے تھے کہ بشیر بکروال بھارتی انٹیلی جنس کے لئے کام کرتا ہے۔

O

بخت خان کو زندگی میں کبھی اس نوعیت کے پچھتاوے کا احساس نہیں ہوا تھا جس سے وہ آج دوچار تھا۔ وہ خود کو بار بار ملامت کر رہا تھا کہ اس نے سکینہ کو اعتماد میں لے کر اپنی روانگی اور کچھ عرصہ تک غائب رہنے کی بابت کیوں نہ بتایا۔

بخت خان کو یہ جاننے کی ضرورت نہیں تھی کہ سکینہ کو اغوا کرنے کے بعد بھارتی اس کے ساتھ کیا سلوک کریں گے؟ اس کا دل اس بات کی بھی گواہی دے رہا تھا کہ سکینہ مر تو سکتی ہے لیکن ان سے متعلق ایک لفظ زبان پر نہیں لائے گی۔

لیکن سکینہ مرے کیوں؟ وہ جھنجلا گیا۔

اس نے زندگی سے ابھی لیا ہی کیا ہے؟ اور اس کا گناہ کیا ہے؟ جس کی وہ سزا بھگتے۔ وہ تو سیدھی سادی چرواہن تھی۔ اپنی بکریاں چرا کر زندگی سے اپنے حصے کی خوشیاں وصول کرنے والی۔ اسے اس راستے پر کون لایا؟ اس جہنم میں اسے کس نے دھکیلا؟

ظاہر ہے ان سوالات کا ایک ہی جواب تھا اور وہ تھا بخت خان۔

''سکینہ میں تمہیں ان درندوں کے خونی پنجوں سے نکال لاؤں گا۔ خواہ مجھے اس کی کچھ بھی قیمت ادا کرنی پڑے''۔ اس نے خود سے عزم کیا اور قدرے مطمئن ہو گیا۔

سکینہ کی رہائی کی صرف ایک ہی صورت تھی کہ اس کا کوئی ایسا ''متبادل'' تلاش کیا جائے جس کو وہ بطور ''سودا بازی'' استعمال کر سکیں۔ بخت خان اور اس کے ساتھیوں کو ماضی میں ایسے تجربات ہو چکے تھے جب انہیں اپنے کسی اہم ساتھی کی رہائی کے لئے کسی اہم ''شخصیت'' کو اغوا کرنا پڑا۔

کیا ان حالات میں اس کے لئے یہ ممکن ہوگا؟ اس نے سوچا۔ وہ حالت جنگ میں تھے۔ یہ غیر اعلان شدہ جنگ تھی جو اس محاذ پر جاری تھی۔ اسے بھارتی علاقے میں ہونے کی وجہ سے بہرصورت باخبر رہنا پڑتا تھا۔ ہر روز درجنوں کی تعداد میں بھارتی فوجیوں کی لاشیں آ رہی تھیں اور یہ سب وہ تھے جو کارگل سیکٹر میں مر رہے تھے زخمیوں کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی۔ بھارتی فوج نے یہاں دو بڑے فیلڈ ہسپتال بنائے تھے جو بالکل غیر معمولی بات تھی۔ جہاں زخمیوں کا آنا جانا معمول بن چکا تھا۔ ہر روز درجنوں مرتبہ ہیلی کاپڑوں سے شدید زخمیوں اور لاشوں کو سری نگر منتقل کیا جا رہا تھا جس کی اس علاقے کے لوگوں ہی کو نہیں بھارتی میڈیا کو بھی خبر تھی۔

بخت خان کو سکینہ کے لئے جو ''خصوصی آپریشن'' کرنا تھا وہ ان حالات میں قریباً ناممکن دکھائی دے رہا تھا۔ تمام ساتھی محاذ جنگ پر مصروف تھے اور ''ہائی کمان'' سے اسے اجازت حاصل کرنے میں بہت دشواری پیش آ سکتی تھی اس کے باوجود اس کا ارادہ اٹل تھا اسے سکینہ کو بہرصورت ان ظالموں کے خونی پنجوں سے نکالنا تھا۔

O

سکینہ کو اس بات کا احساس تو تھا کہ وہ کسی گاڑی میں سوار ہے اس کی آنکھوں پر پٹی بندھی تھی۔ دونوں ہاتھ پشت پر بندھے تھے اور وہ کسی گاڑی کی سیٹ پر دو فوجیوں کے درمیان پھنس کر بیٹھی تھی۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

سکینہ کے لئے یہ انتہائی غیر معمولی اور انتہائی پریشان کن صورتحال تھی اس کی سیاست میں کوئی خاص دلچسپی تو نہیں تھی البتہ اس نے ایسی بہت سی کہانیاں ضرور سنی تھیں کہ ایک مرتبہ بھارتی فوج کے قابو آنے والے کسی بھی ''دہشت گرد'' سے یہ لوگ کیا سلوک کرتے ہیں۔ اردگرد کے دیہاتوں سے اس کے گاؤں تک ان مسخ شدہ گمنام لاشوں کی کہانیاں پہنچ جایا کرتی تھیں جو ان دیہاتوں کے گرد کسی کوڑے کے ڈھیر پر پائی جاتی تھیں۔ ان لاشوں کی تصاویر مقامی اخبارات میں شائع ہوتی تھیں اور انہیں ایک نظر دیکھنے کے بعد ایسا گمان ہوتا تھا کہ انہیں یا تو جنگلی جانور کھانے کے بعد چھوڑ گئے ہیں یا پھر انسان نما درندوں نے ان کے جسم کے ایک ایک بند کو کاٹا ہے۔ ان کی ایک ایک ہڈی کو توڑا ہے اور انہیں مرنے کے بعد یہاں پھینک گئے ہیں؟

''کیا میں بھی......؟'' اس نے سوچا۔

حیرت انگیز طور پر سکینہ نے محسوس کیا کہ وہ گھبراہٹ کا شکار ضرور تھی لیکن خوفزدہ نہیں تھی۔ نجانے کیوں اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی نادیدہ قوت اچانک اسے ان بلاؤں کے خونی پنجوں سے چھین کر لے جائے گی۔

وہ تمام راستے دل ہی دل میں قرآنی آیات جتنی بھی اسے ازبر تھیں کا ورد کرتی آئی تھی۔ اس کی نانی نے بچپن میں بتایا تھا کہ آیت الکرسی پڑھنے سے سب بلائیں بھاگ جاتی ہیں اور وہ اب تک یہی سمجھ رہی تھی کہ آیت الکرسی کے مسلسل ورد سے شاید یہ بلائیں بھی بھاگ جائیں لیکن یہ اتنا آسان نہیں تھا۔ جلد ہی اسے گاڑی رکنے کا احساس ہوا اور گاڑی رکتے ہی کسی نے اس کو سر کے بالوں سے پکڑ کر اسے زور سے جھٹکا دے کر گاڑی سے نیچے پھینک دیا۔

سکینہ کو یوں لگا جیسے اس کے سارے بال پکڑنے والے کی مٹھی میں آ گئے ہوں۔ اس کے بال بہت لمبے اور گھنے تھے۔ اسے اپنے بالوں سے بہت محبت تھی اور ان کی سنبھال کے لئے اپنی نانی کے بتائے نسخے بھی اس کے زیر استعمال رہتے تھے جب وہ بال گوندھ کر چوٹی باندھتی تو یہ چوٹی اس کے

قدموں کو چھوا کرتی تھی۔ اس کی سکھی سہیلیاں اس کے لمبے بالوں کی بطور خاص تعریف کیا کرتی تھیں۔

زمین پر وہ منہ کے بل گری تھی اور اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کا منہ کسی پتھر سے ٹکرایا ہو۔ بے ساختہ اس کی زبان سے ''ہائے'' نکلا، دوسرے ہی لمحے کسی مضبوط ہاتھ نے اسے بازو سے پکڑ کر کھڑا کر دیا اور اب وہی اسے قریباً گھسیٹتا ہوا لے جا رہا تھا۔ سکینہ کو اپنے بازو میں اس کے ہاتھوں کی انگلیاں دھنسنے کا احساس ہو رہا تھا اور وہ اس کے ساتھ گھسیٹتی چلی جا رہی تھی۔ اس سفر کا اختتام بمشکل دو منٹ بعد ہو گیا جب اسے کسی کمرے کا دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی اور کسی نے اسے دوبارہ اندر دھکا دیا اس مرتبہ وہ کسی دیوار سے ٹکرا کر گری تھی۔ اس کے منہ سے مسلسل ''ہائے ہائے'' نکل رہی تھی اس مرتبہ اسے زمین سے اٹھانے والے نے سر کے بالوں سے پکڑ کر اٹھایا تھا جس سے زوردار چیخ اس کے منہ سے نکلی اور دوسرے ہی لمحے کسی نے اس کی آنکھوں پر بندھی پٹی کھول دی۔

سکینہ کو چند لمحوں کے لئے تو یوں لگا جیسے وہ اندھی ہو گئی ہو جلد ہی اس کی آنکھیں دیکھنے کے لائق ہو گئیں۔ کمرے میں ایک کونے میں میز کے گرد تین چار کرسیاں پڑی تھیں جبکہ وہ مخالف سمت کی دیوار سے لگی کھڑی تھی اس کے دونوں طرف دو خواتین کھڑی تھیں جن کو ایک نظر دیکھنے سے سکینہ کو اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ عورتیں نہیں ڈائنیں ہیں جن کی شکل ضرور عورتوں جیسی ہے۔ سامنے ایک کرسی پر کوئی کرخت چہرے والا فوجی افسر اپنی دونوں ٹانگیں پھیلائے بیٹھا تھا اور ایک کونے میں ایک فوجی جس نے ہاتھ میں پکڑی گن اس کی طرف تان رکھی تھی۔

''کک کون ہو تم؟ مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟...... سکینہ نے چیختے ہوئے پوچھا جواب میں اسے زوردار شیطانی قہقہے سننے کو ملے۔

''تجھے نہیں معلوم......'' فوجی افسر نے اسے گالی دے کر کہا۔

سکینہ کا خون کھول اٹھا لیکن وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

''مم مجھے کچھ نہیں پتہ......؟اس نے غصے اور درد کی اذیت سے چلاتے ہوئے کہا۔

''اچھا......کچھ نہیں پتہ تجھے''......فوجی افسر نے اپنے ہاتھ میں پکڑی چھوٹی سی سٹک سے اس کی تھوڑی کے نیچے کچوکا لگایا۔

''سرجی! بیچاری بڑی معصوم لگتی ہے''اس کے داہنی طرف کھڑی ڈائن نے دانت نکالتے ہوئے کہا۔

''ہاں!اس بے چاری کو تو یہ بھی معلوم نہیں کہ اسے یہاں کیوں لایا گیا ہے؟

فوجی افسر نے طنزیہ لہجے میں کہا......'' حالانکہ اسے خود بتانا چاہیے تھا......شاید بھول گئی ہے......

منور ماڈارلنگ''......(اس نے ڈائن کو مخاطب کرتے ہوئے کہا......''اسے یاد دلاؤ ناں''......

''آف کورس سر''......ڈائن نے اس طرح سسکاری بھری جیسے اسے طویل عرصے بعد کسی انسان کا خون پینے کا موقع مل رہا ہو۔اس سے پہلے کہ سکینہ کوئی بات کی سمجھ آئے۔اچانک اسے اپنے گاؤں پر انگارے سلگنے کا احساس ہوا۔اس ڈائن نے سکینہ کے خوبصورت گالوں پر زوردار تھپڑوں کی برسات کر دی تھی۔سکینہ کو اپنے گال جلنے اور دماغ پھٹنے کا احساس ہوا۔اس کا منہ خون سے بھرنے لگا تھا اور اس پر تکلیف سے غشی کی سی کیفیت طاری ہونے لگی تھی جب اچانک ڈائن نے اس کے بال پکڑ کر جھٹکا دیا۔

''کچھ یاد آیا جان من''......اس نے سکینہ کو لذت بھرے لہجے میں اس طرح مخاطب کیا جیسے ڈائن کسی آدم زاد کا خون پینے کے بعد لذت کی کیفیت سے سرشار ہوگئی ہو۔

سکینہ سسکیاں لے رہی تھی۔اس کے منہ میں موجود خون ہونٹوں سے رسنے لگا تھا۔اس کے خوبصورت گلابی گال دہکتے انگارے دکھائی دے رہے تھے۔اپنے قدموں پر کھڑے رہنا اس کے لئے ناممکن ہو رہا تھا۔ابھی تک اس کے ہاتھ پشت کے پیچھے بندھے تھے۔سکینہ لڑکھڑا کر گر پڑی۔

''بے چاری بہت کمزور ہے''۔دوسری ڈائن نے تمسخر اڑایا۔

''طاقت تو اسے دینی پڑے گی''پہلی ڈائن نے کہا۔

دونوں مسکراتے ہوئے اس پر نظریں گاڑے فوجی افسر کے اگلے حکم کی منتظر تھیں۔جواب سکینہ کے نزدیک آ گیا تھا۔

''کھڑی کرواسے''۔اس نے ڈائنوں کو حکم دیا جنہوں نے دونوں بازوؤں میں انگلیاں گاڑ کر اسے زمین سے اٹھا کر کھڑا کر دیا۔

''ہاتھ کھولو اس کے''۔اگلا حکم موصول ہوا۔

ایک ڈائن نے اس کے ہاتھ کھول دیئے۔تکلیف اور احساس ذلت سے سکینہ کا سارا جسم کپکپا رہا تھا۔

''تمہارا باپ کون ہے؟ تم کون ہو؟ ہمیں اس سے کچھ لینا دینا نہیں ہے۔ان عورتوں کو اچھی طرح دیکھ لو۔یہ تمہارے جسم کی ایک ایک بوٹی نوچ لیں گی اور تمہارا ڈھانچہ ہم جنگل میں جانوروں کے سامنے پھینک دیں گے جس کے بعد تمہارا نام ونشان مٹ جائے گا۔زندہ رہنا چاہتی ہو تو سچ سچ سب کچھ بتا دو۔ہمیں علم ہے تم پڑھ لکھ سکتی ہو......یہ کاغذ اور قلم موجود ہے۔صاف صاف اور سچ سچ لکھ دو۔ورنہ یاد رکھنا جو سلوک تمہارے ساتھ ہونے والا ہے وہ تمہارے سارے گھرانے کے ساتھ ہوگا کیونکہ ہم دیش کے غداروں کو کبھی معاف نہیں کیا کرتے۔''اس نے اپنی بات ختم کر کے مسکراتے ہوئے سکینہ کی طرف دیکھا۔

''سمجھ آ گئی ناں سر کی بات کی!''......ڈائن نے اس کے بالوں کو جھٹکا دے کر کہا۔

''اسے پانی شانی پلاؤ اور مجھے ایک گھنٹہ بعد رپورٹ دو''

افسر نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

''او۔کے سر''......ڈائنوں کے ایڑیاں بجانے سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ تربیت یافتہ فوجی ہیں اور شاید انہیں اس کام کے لئے رکھا گیا ہے۔ایک ڈائن نے میز کی دراز سے کچھ کاغذ جو پہلے سے ایک

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http: / /www.Paksociety.com for More

پیڈ پر لگے تھے اور ایک قلم اسے دے دیا۔ اتنی دیر میں ایک اور فوجی پانی کا گلاس لے کر اندر آ گیا۔

''بڑی خوش قسمت ہے تو کہ تجھے پانی مل رہا ہے۔ ورنہ ہم مرتے دم تک کسی کے منہ کو پانی نہیں لگنے دیتے۔ ہم جا رہے ہیں اگر تو نے آدھے گھنٹے میں سب کچھ لکھ کر نہ دیا تو یاد رکھنا......'' ایک ڈائن نے اسے پھاڑ کھانے والے لہجے میں کہا اور دونوں وہاں موجود فوجی سمیت باہر نکل گئے۔ سکینہ جانتی تھی کہ دروازے کے باہر وہ لوگ موجود ہوں گے۔

O

بھارتی فوج کا دوسرا بریگیڈ 3/4 اور 4/5 کے واقعات کے بعد 5/6 جولائی کو اپنے زخم چاٹتا رہا اس روز وہ کوئی کارروائی نہ کر سکے۔ 6 جولائی کو علی الصباح انڈین ایئر فورس میراج 2000 کے ساتھ حملہ آور ہوئی۔ میراج 2000 مارٹر پوزیشن پر اونچی پرواز کرتے ہوئے پرسبن گائیڈڈ میزائل داغتے رہے اور شام ڈھلے دشمن تین بٹالین کی نفری کے ساتھ شدید توپخانے کی گولہ باری کی آڑ میں حملہ آور ہوا۔ دشمن مراد اور قادر پوزیشن سے قریباً 35 گز کے فاصلے پر پہنچ گیا۔ لیکن یہ زمینی نہیں پہاڑی جنگ تھی جہاں ایک ایک گز کی معرکہ آرائی اپنے نتائج برآمد کرتی ہے۔ مراد بیگ زخمی ہو چکے تھے۔ 6/7 کی درمیانی رات حوالدار لالک جان کی سپاہ پر قیامت ڈھاتی آ رہی تھی۔ لالک جان اور ان کے بارہ ساتھی بے جگری سے دشمن کی ایک بٹالین کی پیش قدمی روکے ہوئے تھے۔ یہ وہ پوزیشن تھی جو نائیک عبدالقادر نے قائم کی تھی اور جو 12 جون کو دشمن کے توپخانے کی زد میں آ کر شہید ہوئے تھے۔ انہیں دفاعی کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے اور ثابت قدمی کے ساتھ اپنے توپخانہ کا فائر گرانے پر تمغہ جرات عطا کیا گیا۔ لالک جان کے تیرہ جوانوں نے رات 3/4 جولائی سے 6 جولائی تک دشمن کے بریگیڈ حملے کو روکا۔ بلکہ شدید جانی و مالی نقصان سے دوچار کیا۔ ایک نان کمیشنڈ آفیسر کی زیر کمان ایک بہت اہم ذمہ داری اور ایک بہت بڑی آزمائش تھی۔ ہیوی آرٹلری فائر دشمن 35 گز پر لیکن ان جان نثاروں کی قوت ارادی میں کمی نہ آئی۔ لیفٹیننٹ وسیم شفیق جو ندیم پوزیشن پر محمد علی کے ساتھ تھا، اسے

فوری طور پر لالک جان کی پوزیشن کو مزید نفری کے ساتھ مستحکم بنانے کے احکام دیئے گئے۔ سات جولائی علی الصبح جب لیفٹیننٹ وسیم شفیق اپنی فورس کے ہمراہ وہاں پہنچا تو لالک جان کے دس جانباز شہید ہو چکے تھے۔ حوالدار لالک جان سپاہی تجمل اور لانس نائیک بشیر شدید زخمی تھے۔ اس حالت میں بھی وہ دشمن پر فائر کر رہے تھے۔ فرض سے لگن کی انتہا تھی کہ وسیم شفیق نے حتی الوسع مرہم پٹی کر کے ان کی جان بچانے کی کوشش کی۔ دشمن فوج کا دباؤ جاری تھا۔ اس کشمکش میں دشمن فینکٹ میزائل بھی فائر کر رہا تھا اور مشین گنوں کا بھی بے دریغ استعمال کر رہا تھا۔ میزائل پھٹنے سے یہ تینوں زخمی زخموں کی تاب نہ لا کر شہید ہو گئے۔ بلند حوصلہ فورس اور اس کی قیادت آخری سانس تک لڑی۔ چار راتوں تک دشمن کے بریگیڈ حملے کو روکے رکھا۔ حوالدار لالک جان نے ذاتی مثال سے قیادت کی اور آخر میں منزل مراد پا گئے۔ ایک این سی او کی قیادت میں آخری سانس تک دفاع پاک فوج کی تاریخ کا سنہری باب ہے۔ پرعزم ارادے، ثابت قدمی، ہمت و استقلال، بہادری و جرات کے اعتراف میں حوالدار لالک جان شہید کو نشان حیدر اور سپاہی تجمل کو تمغہ بسالت، صوبیدار محمد رشید شہید کو ستارہ جرات سپاہی غلام مہدی شہید کو تمغہ جرات سپاہی معروف حسین کو تمغہ جرات، سپاہی نرسنگ محمد بشیر کو تمغہ جرات اور کیپٹن سید احمد عباس کو امتیازی سند عطا کی گئی۔ کیپٹن ساجد حسین نے مراد پوسٹ پر مثالی قیادت کی اور 8 جولائی کو دشمن کے ہوائی حملے میں شہید ہوئے۔ تین ڈاکٹر کیپٹن ریحان بشیر، امتیازی سند، کیپٹن الیاس اور کیپٹن کامران کی پیشہ وارانہ مہارت لگن و محنت جرات و بہادری بھی قابل دید تھی۔ کرافٹ مین محمد اکرام ای ایم ای نے دفاع کے دوران حسین پوسٹ پر 27 جون کو شہادت کا رتبہ حاصل کیا۔ صوبیدار میجر سعد ملوک کو اعلیٰ کارکردگی پر چیف آف آرمی سٹاف کی تعریفی سند ملی۔ ہر وہ بہادرانہ عمل جو سی۔ او علم میں تھا، اسے سراہا گیا لیکن جنگی دھند میں بہت سے جانبازوں کے کارنامے آنکھوں سے اوجھل رہے۔

کاشف دفاعی پوزیشن کے ان 22 جوانوں کی جن پر بھارتی توپوں نے تیس ہزار گولے داغے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

لیکن انہوں نے دشمن کی دو بٹالینز کو شکست فاش دی۔ ان شیر دل مجاہدوں کی جنہوں نے اپنی جان پر کھیل کر کاشف دفاعی پوزیشن کا محاصرہ توڑا جن پر دشمن توپخانہ کے 1200 گولے پانچ منٹ کے اندر برساتا رہا۔ قادر دفاعی پوزیشن کا دفاع کرنے والے 13 جانبازوں کی جو آخری سانس تک لڑے اور جن پر دشمن کی حملہ آور بٹالین کے مطابق صرف فائر بیس سے ایک لاکھ پانچ ہزار میڈیم مشین گنوں کی گولیاں، چھ ہزار اڑتیس آٹومیٹک گرنیڈ لانچر کے گرنیڈز، چوراسی 84 ایم ایم اینٹی ٹینک راکٹس، دس میلان اور پانچ فیکٹ میزائل کی بوچھاڑ کی گئی۔ دشمن کی ایک رائفل کمپنی نے اوسطاً ایک فسٹ لائن اور بارہ سیکنڈ لائن ایمونیشن صرف کیا۔ اور پھر بھی ہماری اس دفاعی پوزیشن پر قابض نہ ہو سکا۔

O

گیارہ سندھ کو سیون آزاد کشمیر بریگیڈ کا حصہ بنایا گیا تھا۔ اس بریگیڈ نے تین جولائی کو محاذ جنگ کی طرف کوچ کا آغاز کیا۔ پانچ جولائی کو جگلوٹ سے انہوں نے دوسرے روز درہ برزل عبور کیا۔

24 سندھ ڈومیل سیکٹر میں تعینات تھی جولائی کے پہلے ہفتے میں انہیں دشمن سے آمنے سامنے ٹکر لینے کی سعادت نصیب ہوئی۔ حسب روایت دشمن نے پہلے آتش و آہن کا مینہ برسایا اور اس یقین کے بعد کہ یہاں سے ہر زندہ شے کا خاتمہ ہو چکا ہے ان پر کثیر تعداد نفری کی صورت حملہ آور ہوا یہاں تین بنکر تھے جن میں سندھ کے یہ جانباز مورچہ بند تھے۔ پہلے دو بنکروں پر تو دشمن نے قبضہ کر لیا کیونکہ یہاں مقابلہ کرنے والا کوئی زندہ ہی نہیں بچا تھا جبکہ تیسرے بنکر میں دو سندھی جوان ڈٹ گئے۔ تین دن تک یہ شیر دل بھوک کے پیاسے دشمن کے سامنے آہنی دیوار بنے رہے ان تک رسد پہنچانے کی ہر کوشش دشمن ناکام بنا دیتا تھا۔

چوتھے روز صوبیدار رمز گل نے تین جوان ساتھ لئے بند خوراک کے ڈبے اور پانی کی بوتلیں لے کر ان کی مدد کو شہادت گہہ الفت کی طرف گامزن ہوئے۔ دشمن کی تباہ کن گولہ باری سے بچتے بچاتے

کسی نہ کسی طرح رمز گل اور ان کے ساتھی ''لچپال'' پوسٹ تک پہنچ گئے۔ یہاں چند گھنٹے ستا کر انہوں نے بنکر کی طرف بڑھنے کا عزم کیا ابھی راستے ہی میں تھے کہ ایک گولہ پھٹا جس نے صوبیدار رمز گل کو شدید زخمی کر دیا ان کے ساتھیوں نے بوتل کھول کر پانی کا گھونٹ حلق میں انڈھیلنے کی کوشش کی تو رمز گل نے پانی پینے سے انکار کر دیا ان کا کہنا تھا۔

''جانے کب سے میرے جوان بھوک کے پیاسے زخمی حالت میں لڑ رہے ہیں میں پانی کیسے پی سکتا ہوں''

بوتل کا ڈھکن بند کر کے صوبیدار رمز گل رینگتے ہوئے ''اپنے جوانوں'' کو پانی اور راشن دینے جا رہے تھے جب ایک گولہ ان پر گرا اور آپ نے موقعہ پر جام شہادت نوش کر لیا۔ اس نوعیت کی مثالیں قرون اولیٰ کی تاریخ میں شاید ملتی ہوں عسکری انسانی تاریخ میں کم ہی دکھائی دیتی ہیں۔

9 جولائی کو نماز فجر کے فوراً بعد کیپٹن علی ذوالقرنین نے پانچ جوان اپنے ہمراہ لئے اور ''محصور بنکر'' کی طرف ''اللہ اکبر'' کے نعروں کی گونج میں سفر آغاز کیا۔ انہوں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ پہلے دونوں زیر قبضہ بنکر خالی کروائیں گے جس کے بعد ان سندھی شیروں تک رسائی ممکن ہو گی۔ سورج نکلنے سے پہلے انہوں نے اپنے جذبہ ایمانی کے بل پر دونوں بنکر دشمن کے خونی پنجوں سے چھین لئے لیکن اس دوران کیپٹن علی ذوالقرنین اور نائیک رضا سخت زخمی ہو گئے سپاہی بشیر، خیبر اور فیصل ان دونوں کو لے کر واپس آ گئے جبکہ دو سندھی شیر غلام علی اور لیاقت کو یہاں چھوڑ دیا گیا کہ وہ ان بنکروں میں بیٹھ کر دشمن کی پیشقدمی روکے رکھیں تاکہ ان کے عقب سے محفوظ راستہ لے کر تیسرے ''محصور بنکر'' تک مدد پہنچائی جا سکے جہاں گزشتہ چار پانچ روز سے بھوک کے پیاسے سندھی سورمے ڈٹے ہوئے تھے۔ اس تلخ حقیقت کے باوجود کہ اس مورچے میں موجود دونوں سندھ کے شیروں کا تعلق صحرائی علاقے سے تھا وہ پندرہ ہزار فٹ کی بلندی پر بھوک کے پیاسے دشمن کے سامنے سیسہ پلائی دیوار بنے ہوئے تھے۔ ان کی دلیری کو ہدیہ عقیدت گزارنے کے لئے بالآخر میجر مشتاق اپنی جان پہ کھیلتے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

کسی نہ کسی طرح ان تک پہنچ گئے۔ جب میجر مشتاق ان بھوکے پیاسے جانبازوں تک پہنچے تو ان کے پاس صرف 8 گولیاں باقی بچی تھیں اپنے چھلنی وجود کے ساتھ انہوں نے میجر صاحب کو سلیوٹ مار کر کھانے کے بجائے پہلا سوال کیا۔

''سر! ایمونیشن آ گیا؟''

میجر مشتاق نے باری باری انہیں گلے لگایا۔ انہیں زبردستی پانی پلایا، کھانا کھلایا۔ اس بنکر پر آخری لمحات تک دشمن قابض نہیں ہو سکا۔

نیا باب

سکینہ کے لئے زندگی نے فرار کا کوئی راستہ باقی نہیں چھوڑا تھا۔ وہ جن کربناک سے مراحل گزار رہی تھی یہ کچھ اس کے لئے انہونا نہیں تھا۔ اسے علم تھا کہ اس سے پہلے ارد گرد دیہاتوں کی کئی نوجوان لڑکیاں ان مراحل سے گزر چکی ہیں اور ان کا گناہ بھی صرف یہی تھا کہ انہوں نے کسی مجاہد کو کھانا یا دودھ فراہم کر دیا ہو یا کسی کی رہنمائی کر دی تھی۔ اچانک ہی ایک خیال نے اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ دوڑا دی۔

''ان بدقسمت لڑکیوں میں سے کتنی ایسی تھیں جنہیں اس کے باپ کی مخبری نے اس انجام تک پہنچایا؟''

''کیا اسے اپنے باپ کے گناہوں کی سزا مل رہی ہے؟ یہ مکافات عمل ہے؟''

کسی نادیدہ طاقت نے اس کے کانوں میں سرگوشی کی لیکن پھر اس کے دل سے آواز اٹھی کہ اللہ تعالیٰ کسی سے بے انصافی نہیں کرتے۔ یہ اس کی آزمائش ہے اور اسے اس آزمائش میں پورا اترنا ہے۔ یہ سوچ کر کچھ لمحوں ہی کے لئے سہی اسے طمانیت ضرور نصیب ہوئی۔

''تم مجھے جسمانی موت دے سکتے ہو لیکن میری روح کو داغدار نہیں کر سکتے۔'' اس نے عزم کیا

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

اور دیوار سے ٹیک لگا کر زمین پر بیٹھ گئی۔

سکینہ کو اپنے بدن کے ایک ایک ریشے میں درد کا احساس ہو رہا تھا۔ ابھی اسے ان بھیانک مراحل سے نہیں گزرنا پڑا تھا جن سے گزرنے کے بعد کشمیری مسلمان بچیوں کے لئے زندگی کا کوئی جواز باقی نہیں رہ جاتا تھا لیکن وہ خود کو آنے والے وقت کے لئے تیار کر رہی تھی۔ وہ جانتی تھی اس کے باپ کی ساری زندگی کی خدمات جو اس نے ان موذیوں کے لئے انجام دی تھیں کوئی اہمیت نہیں رکھتی اور اسے اس بات کا بھی علم تھا کہ اس کے باپ نے سکینہ کی رہائی کے لئے کیا کچھ نہیں کیا ہوگا؟ لیکن اب وہ ان تمام سوچوں سے چھٹکارہ پانا چاہتی تھی اس کی شدید خواہش تھی کہ جلد از جلد اسے شہادت نصیب ہو اور وہ اس کربناکی سے نجات حاصل کرلے۔

اس نے اتنا بڑا فیصلہ اتنی آسانی سے کرلیا تھا۔ عام زندگی میں شاید وہ یہ سوچ کر ہی لرز جاتی کہ اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے لیکن آج وہ خود کو بہت بہادر، بہت مختلف محسوس کر رہی تھی، اس نے اپنے ناتواں جسم لیکن کوہ شکن عزم کے ساتھ ڈٹ جانے کا فیصلہ کرلیا تھا اور اب وہ مطمئن ہو کر آنے والے وقت کی منتظر تھی۔

اس نے قریب دھرے کاغذ اور قلم پاؤں کی ٹھوکر سے پرے کر دیا۔ بمشکل پندرہ بیس منٹ بعد ہی ایک ڈائن اس فوجی افسر اور گارڈ کے ساتھ کمرے میں آ گئے۔ ان کے تعاقب میں ایک انتہائی خوفناک چہرے والا لمبا تڑنگا انسان نما درندہ بھی اندر داخل ہو گیا جس نے ایک بریف کیس تھام رکھا تھا۔ سکینہ کو حیرت ہو رہی تھی کہ انہیں اندر داخل ہوتے دیکھ کر وہ خوفزدہ کیوں نہیں ہوئی۔

کاغذ ان کے سامنے بکھرے ہوئے تھے اور ان کا غصہ آسمان کو چھو رہا تھا۔

''اے اٹھ کھڑی ہو جا''۔ اچانک ہی ڈائن غصے سے پھنکاری لیکن سکینہ اسی پوزیشن میں بیٹھی رہی۔

ڈائن غصے سے پھنکتی آگے بڑھی اس نے سکینہ کے بال اپنی مٹھی میں پکڑے اور زمین پر بیٹھی سکینہ

کی پسلیوں میں اتنی زور سے ٹھوکر ماری کہ سکینہ کو اپنی پسلیاں ٹوٹنے کا احساس ہوا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے سکینہ کو بالوں سے پکڑ کر اس طرح کھڑا کیا کہ اگر سکینہ مداخلت کرتی تو اس کی گردن جسم سے الگ ہو جاتی۔

''میں تو اسے عام سی لڑکی سمجھتا تھا۔ یہ تو بڑی ''ٹرینڈ ٹیررسٹ'' ہے فوجی افسر نے انگریزی میں اپنے تعاقب میں آئے انسان نما درندے سے کہا جس نے جواب میں بے تحاشہ گالیاں دینے کے بعد سکینہ سے متعلق ایسی بدزبانی کی تھی کہ سکینہ کو اپنے بدن میں خون کی جگہ انگارے دوڑنے کا احساس ہو رہا تھا۔

خدا جانے وہ کون سا لمحہ تھا جس نے اسے اتنا بہادر بنا دیا......! اچانک ہی وہ پھٹ پڑی۔

''تم انسان نہیں وحشی اور درندے ہو۔ ہاں! میں مجاہدین کی ساتھی ہوں۔ اگر زندہ بچ گئی تو بھی آخری لمحات تک ان کا ساتھ دوں گی۔ تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے سوائے مجھے جسمانی موت دینے کے۔ لیکن تم بزدل اور کمینے ہو تم سمجھو گے نہیں۔ مجھے تمہاری کسی بات کی پرواہ نہیں۔ اگر تم میں ہمت ہے تو مجھے گولی مار دو۔ لیکن تم ایسا نہیں کر سکتے۔ تم گھٹیا اور بزدل ہو......'' وہ غصے میں ان موذیوں کو للکارتی رہی لیکن جواب میں وہ سب قہقہے لگاتے رہے۔

''بولے گی۔ بولے گی سر۔ یہ طوطے کی طرح بولے گی۔'' قہقہہ لگاتے انسانی درندے نے اچانک سنجیدگی اختیار کی اور اپنا بریف کیس کھولنے لگا۔ جس میں کراہت انگیز آلات رکھے تھے۔ یہ زندہ انسان کے جسم سے بوٹی بوٹی الگ کر کے اسے موت کی گود میں دھکیلنے والے آلات تھے۔ جن پر ایک نظر ڈالنے سے ہی جسم پر کپکپی طاری ہو جاتی تھی لیکن وہ درندہ نہیں جانتا تھا کہ ایمان کی قوت نے کمزور اور بے بس سکینہ کو ہر قسم کے خوف سے بے نیاز کر دیا ہے۔

درندے نے ایک نائیلون کی باریک سی رسی ڈائن کی طرف پھینکی جس نے سسکاریاں لیتے ہوئے چند سیکنڈ کے اندر اندر سکینہ کے پورے جسم کو اس رسی سے اس طرح جکڑ دیا کہ وہ اپنی مرضی

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

سے جسم کے کسی بھی حصے کو معمولی حرکت دینے پر بھی قادر نہیں رہی تھی۔ سنتری نے اس کے پیچھے کرسی رکھ دی تھی اور ڈائن نے سکینہ کو کسی میکانکی عمل کے تابع کرسی پر اس طرح بٹھا دیا تھا کہ وہ اپنے اختیار سے اس سے اٹھنے پر قادر نہیں تھی۔

اس عمل کی تکمیل پر اس نے مسکراتے ہوئے انسان نما درندے کی طرف دیکھا۔ دونوں کے چہروں کے تاثرات اتنی تیزی سے تبدیل ہوئے تھے۔ جیسے انہوں نے کوئی بہت تیز نشہ کر لیا ہو۔ ڈائن پر ایسی کیفیت طاری تھی جیسی کسی آدم خور پر طویل عرصہ بھوکا رہنے کے بعد تازہ گوشت ملنے پر طاری ہو جائے۔ اس نے شکاری کتیا کی طرح کرسی کے گرد گھوم کر سکینہ کا جائزہ لیا اور اس کی پشت پر کھڑے ہو کر اچانک اس کے دونوں گالوں میں اپنی انگلیاں گاڑ دیں۔ اس کے ساتھ ہی وہ دیوانہ وار اس کے خوبصورت گالوں پر طمانچے مارنے لگی۔ چند منٹ ہی میں سکینہ کے گال اور ہونٹ خون آلود ہو گئے اس کا سارا منہ خون سے بھر گیا۔ اس کے ساتھ ہی درندے نے ایک لوہے کا ''جمبور'' جس سے اناڑی دندان ساز انسانی دانت نکالتے ہیں پکڑا اور اسے ہوا میں چلاتا ہوا منہ سے عجیب وغریب آوازیں نکالتا سکینہ کی طرف بڑھا۔ ڈائن نے سکینہ کے سر کے بال اپنی گرفت میں لئے ہوئے تھے جب درندے نے اچانک جمبور سکینہ کے بازو میں گاڑ دیا اور اسے دباتا چلا گیا۔ درد اور اذیت سے بے حال سکینہ کی چیخیں اس کے خون آلود حلق سے برآمد ہوتیں تو یوں محسوس ہوتا جیسے ذبح ہوتے بکرے کی آوازیں آ رہی ہیں لیکن اس کی دردناک چیخوں پر ڈائن اور درندے کے قہقہے غالب آ جاتے۔ دونوں اس وقت تک سکینہ کے ناتواں اور مقدس جسم پر درندگی آزماتے رہے جب تک اس کی گردن ایک طرف ڈھلک نہ گئی۔ سکینہ کے بے ہوش ہونے پر ڈائن غصے سے بے قابو ہو رہی تھی۔ اس نے بے ہوش سکینہ کو ہوش میں لانے کے لئے اس کے خون آلود گالوں پر طمانچے مارنے شروع کر دیئے پھر اس کے منہ پر چھینٹیں مارنے لگی لیکن سکینہ ہوش میں آتی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

''بس کرو...... کہیں...... کچھ بتائے بغیر نہ مر جائے۔ مجھے اس سے ہر صورت انفارمیشن چاہئیں۔

سمجھ گئے ناں...... خبردار! اسے مرنے نہیں دینا۔ اس سے سب کچھ اگلوانے کے بعد ہی اسے مرنے کی اجازت دی جا سکتی ہے۔''

فوجی افسر نے غصے سے پھنکارتے ہوئے دونوں سے کہا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

O

بشیر بکروال گھر نہیں گیا تھا۔

کس منہ سے جاتا۔ اس نے سوچا اپنی بیوی کو کیا منہ دکھائے گا؟ اس کی بیٹی کے متعلق اسے کیا بتائے گا؟ اور یہ بات بھی وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اگر اگلے دو چار روز سکینہ گھر نہ آئی تو اس کی بیوی مر جائے گی؟ جس کے بعد بشیر بکروال کے پاس زندہ رہنے کا کوئی بہانہ بھی نہیں رہ جائے گا۔ اس نے ایک مرتبہ پھر قسمت آزمائی کا فیصلہ کیا تھا۔ ابھی تک اس کی رسائی کیپٹن انوج تک نہیں ہوئی تھی۔ نجانے اسے کیوں امید تھی کہ کیپٹن انوج اس کی مدد کرے گا؟ کہاں ملے؟ اس تک مجھے کیسے رسائی حاصل کرے؟ اس نے سوچا اچانک ہی اسے وہ ڈاک بنگلہ یاد آ گیا جہاں کبھی کبھی کیپٹن انوج سے ملنے جایا کرتا تھا۔ عموماً ہفتے کی رات وہ اسی ڈاک بنگلے میں گزارتا تھا اور آج ہفتہ تھا......

شام ڈھلنے والی تھی جس کے بعد اس کا ڈاک بنگلہ تک پہنچنا ممکن بھی نہ ہوتا۔ بشیر بکروال تیز قدموں سے ہانپتا کانپتا ڈاک بنگلے تک پہنچا تھا۔ اس کی خوش قسمتی کہ یہاں اس کا جس حوالدار سے سب سے پہلے سامنا ہوا وہ بشیر بکروال کو اچھی طرح جانتا تھا۔ شاید اس کو ابھی تک صورتحال کا علم نہیں تھا کیونکہ اس نے آگے بڑھ کر خود بشیر کا استقبال کیا تھا پھر اس کے منہ پر ہوائیاں اڑتی دیکھ کر قدرے حیرانی سے کہا تھا۔

''خیر تو ہے ناں...... کوئی بڑی خبر لائے ہو کیا''

''بھگوان داس تیری مہربانی ہو گی مجھے بہت ایمرجنسی ہے جلدی صاحب سے ملا دے''

بشیر کو بھی سمجھ آ گئی تھی کہ اسے حالات کی خبر نہیں اور وہ یہ موقعہ ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

''ارے آجا یار۔ تجھے کون روک سکتا ہے ملنے سے..... صاحب کا حکم ہے تمہیں سیدھا ان کے پاس لایا جائے..... آجا..... آجا.....''

اور وہ حوالدار بھگوان داس کے ساتھ چل دیا۔

دونوں وہاں موجود فوجیوں کے درمیان سے گزرتے ڈاک بنگلے کے برآمدے میں پہنچ گئے تھے۔

''جا..... چلا جا..... کیپٹن صاحب اندر ہی ہیں..... اکیلے ہیں!''

یہ کہہ کر حسب سابق حوالدار بھگوان داس وہاں سے چل دیا اور بشیر بکروال نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر دروازے پر آہستہ سے دستک دی۔

''کم آن''..... اندر سے کیپٹن انوج کمار کی آواز آئی اور وہ دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔

''تم؟''..... اس کی شکل پر نظر پڑتے ہی کیپٹن انوج غصے سے چلایا۔

بشیر بکروال نے دونوں ہاتھ باندھ کر بڑی عاجزی سے اسے سلام کیا۔

''دفع ہو جاؤ۔ نکل جاؤ یہاں سے..... تم یہاں آئے کیسے؟.....''

کیپٹن انوج کا غصہ بے قابو ہو رہا تھا۔

''سرجی! خدا کے لئے میری بات سن لیں۔ پھر بھلے مجھے گولی مار دیں''..... بشیر کپکپاتے ہوئے بولا۔

''تم!''..... نفرت سے ناک سکوڑتے ہوئے کیپٹن انوج کمار نے کہا'' تم غدار ہو۔ جس کا کھاتے ہو اس کی تھالی میں چھید کرتے ہو۔ تمہارا علاج ہی گولی ہے۔ تم گھٹیا اور کمینے.....'' اس کے منہ سے پہلی مرتبہ گالیوں کا فوارہ ابلتے دیکھ کر بشیر بکروال حیران رہ گیا اس نے آج تک کیپٹن انوج کو ایسی زبان بولتے نہیں سنا تھا۔ آج پہلی مرتبہ اس کے اندر کا گند اور نفرت باہر ابل رہی تھی۔

''مم مجھے کچھ علم نہیں سرجی! میں.....''

''شٹ اپ'' غصے سے انوج کمار نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا..... ''تم جیسے حرامی اور گھاگ انسان کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ تمہاری بیٹی ہمارے دشمنوں کی ایجنٹ ہے۔ جھوٹ بولتے ہو تم..... تم بھی اس کے ساتھ ملے ہوئے تھے۔ مجھے ذرا سا ثبوت مل جائے تو تمہیں اپنے ہاتھ سے گولی مار دوں گا''..... انوج کمار غصے سے پھٹا جا رہا تھا۔

بشیر بکروال نے اس کے پاؤں پکڑ لئے۔ کپکپاتے ہوئے اس سے فریاد کرنے لگا کہ اس کی بیٹی بے گناہ ہے۔ ممکن ہے اس نے کسی کو کھانے پینے کا سامان اجنبی جان کر دیا ہو لیکن انوج کمار اس کی کوئی بات سننے سے انکاری تھا۔ اچانک ہی ایک خیال سے انوج کمار جھوم اٹھا۔ اسے اپنی کارکردگی دکھانے کا ایک اور موقعہ مل رہا تھا۔

''تمہاری بیٹی کو'' کاؤنٹر ایجنسی'' والوں نے گرفتار کیا ہے۔ میں کچھ نہیں کر سکتا۔ تمہاری خدمات کی وجہ سے ان کی منت کروں گا پھر کچھ بتا سکوں گا'' اس نے اپنے قدموں میں گرے بشیر بکروال کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''اللہ آپ کا بھلا کرے۔ مولا آپ کو ترقی دے''

بشیر جنونیوں کی طرح اس کی تعریفیں اور دعائیں کر رہا تھا۔

''اب چپ چاپ گھر چلے جاؤ اور خبردار کسی کو یہ معلوم نہ ہو کہ تم مجھے ملے ہو سمجھ گئے ناں''..... انوج کمار نے کہا۔

''جی سرکار..... جی سرکار..... کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہو گی''..... بشیر بکروال نے ہاتھ باندھتے ہوئے کہا اور اس پوزیشن میں الٹے پاؤں واپس لوٹ گیا اسے امید تھی کہ کیپٹن انوج ضرور اس کے لئے کچھ کرے گا۔

O

شیپالی پر غصے کے دورے پڑنے لگے تھے۔ جو اس کے والدین کے لئے بڑی عجیب بات تھی وہ

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

گزشتہ تین چار روز میں تین چار مرتبہ مختلف باتوں پر اپنے ملازمین کو اس بری طرح ڈانٹ چکی تھی کہ ب جنرل صاحب کو بھی اس کا رویہ کا نوٹس لینا پڑا۔

''کیا ہو گیا ہے اسے؟''......انہوں نے اس روز اپنی مسز سے کہا۔

''پاگل ہے۔ کارگل جانے پر بضد ہے......انوج کمار تو یہاں آنے سے رہا''

شیپالی کی ماں نے بغیر لگی لپٹی رکھے کہہ دیا۔

جنرل کے چہرے کا رنگ کچھ لمحوں کے لئے تبدیل ضرور ہوا لیکن وہ نارمل ہو گئے یہ الگ بات کہ ان کی بیگم صاحبہ نے اپنے شوہر کی پریشانی محسوس کر لی تھی۔

''آپ پریشان نہ ہوں۔ جانتے تو ہیں اسے......کچھ دنوں کے لئے بہت پر جوش ہوتی ہے پھر خود ہی نارمل ہو جاتی ہے''انہوں نے اپنے خاوند کو مطمئن کرنا چاہا۔

''لیکن یہ کچھ دنوں کی بات نہیں لگتی۔ میرے خیال سے جیسے ہی کیپٹن انوج سری نگر واپس آئے ان کی شادی ہو جانی چاہیے''

جنرل صاحب نے فیصلہ سنا دیا۔

''ہاں! آخر کب تک بٹھائے رکھیں گے اسے اپنے پاس۔ ہے تو پرایا دھن۔ جائے گی تو اپنے ہی گھر ناں......''ان کی بیگم صاحبہ نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

''اس بے وقوف کو بتا دو کہ ہم ان دونوں کی محبت کے درمیان دیوار نہیں بن رہے جیسے ہی انوج آتا ہے شادی کر دیں گے''جنرل صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''میں تو سمجھتی تھی آپ میدان جنگ کے ہی جرنیل ہیں لیکن آج تو آپ نے کمال ہی کر دیا۔ بھئی واہ! مان گئے۔''بیگم صاحبہ مسکرائیں۔

''ارے بیگم صاحبہ ہمارا تمہارا زمانہ اب نہیں رہا۔ اور دو دلوں کے درمیان ولن بنے رہنے کا فائدہ ہی کیا''

دونوں نے قہقہہ لگا کر خود کو نارمل کیا تھا اور شام کو جب شیپالی کی ماں نے اسے باپ کے فیصلے سے اس لئے آگاہ کیا تھا کہ وہ خوشی سے اچھل پڑے گی تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ شیپالی بالکل نارمل تھی۔

''تمہیں خوشی نہیں ہوئی اس بات سے کیا؟''انہوں نے قدرے حیرانگی سے پوچھا۔

''بہت خوش ہوئی مما! لیکن پلیز آپ نے یہ فیصلہ انوج یا اس کے گھر والوں تک ابھی نہیں پہنچانا''شیپالی نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''کیا؟''بیگم صاحبہ نے حیرانگی سے اس کی طرف دیکھا۔

''یس مما! میں چاہتی ہوں کہ اس کے گھر والے خود آپ سے کہیں۔ اور انوج مجھ سے''شیپالی نے سنجیدگی سے جواب دیا''ان میں ایسے کیا سرخاب کے پر لگے ہیں کہ آپ خود......''

''ارے بیٹا! کوئی مریادہ ہے ہماری۔ ریتی رواج بھی کوئی معنی رکھتے ہیں یا نہیں''۔ بیگم صاحبہ نے اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے کاٹ دی۔

''اوہ مما! پلیز میں اس نان سنس کو نہیں مانتی۔ او۔ کے''۔شیپالی پھر بھڑک اٹھی۔

''آخر جنرل کی بیٹی ہو ناں۔ اپنی ناک اونچی رکھنے کے چکر میں دھرم اور ''مریادہ'' کو بھی اہمیت نہیں دو گی۔''بیگم صاحبہ نے ہتھیار ڈال دیئے۔

''او۔ کے مما جی! چلیئے آپ کو چائے بنا کر پلاؤں۔ اپنے ہاتھ سے۔''شیپالی نے ماں کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

وہ اپنی ماں کو ناراض یا دکھی کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتی تھی۔ اسے واقعی اپنے والدین سے بہت محبت تھی۔ دونوں اس پر جان چھڑکتے تھے ان کا شیپالی کے علاوہ تھا بھی کون؟ اور شیپالی نے بھی کبھی انہیں مایوس نہیں کیا تھا۔ اب بھی وہ اپنے باپ کو نیچا نہیں دیکھ سکتی تھی گو کہ ان کے دھرم میں لڑکی والوں کو اپنا سر لڑکے والوں کے جوتوں میں ہی رکھنا پڑتا تھا لیکن وہ اس تلخ سچائی کو ماننے سے انکاری

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

تھی اس کے لئے ناقابل برداشت تھا کہ میجر جنرل کلونت سنگھ کو اپنی بیٹی کے مسئلے پر بھی کہیں سرنڈر کرنا پڑے اس کے باپ نے اسے سرنڈر کرنا نہیں سکھایا تھا۔ 1971ء میں اس کا باپ لیفٹیننٹ تھا جب اس نے پاکستان کے خلاف جنگ لڑی تھی اور پہلی ہی لڑائی میں اسے بہادری کے اعزاز سے نوازا گیا وہ اپنے اور اپنے جوانوں کے کارنامے بڑے فخر سے شیپالی کے سامنے بیان کیا کرتا تھا جبکہ شیپالی کی ماں کو ان باتوں میں کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی۔

اس نے اگلے دو چار دنوں میں کارگل جا کر انوج کمار سے ملاقات کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ جب تک وہاں ایمرجنسی ہے کیپٹن انوج کمار کا سری نگر آنا ممکن نہیں اور ایک فوجی جرنیل کی بیٹی ہونے کے ناطے اسے یوں بھی یہ پسند نہیں تھا کہ اس کا محبوب میدان جنگ سے محض اسے ملنے کے لئے سری نگر چلا آئے۔

شیپالی جانتی تھی کہ اس کی ماں کبھی اسے کارگل جانے کی اجازت نہیں دے گی۔ باپ کی بات البتہ اور تھی اور اس نے صرف اپنے والد کو ہی اعتماد میں لینے کا فیصلہ کیا تھا۔ جو اسے بحفاظت وہاں پہنچا سکتے تھے اور واپس بھی لا سکتے تھے۔ اسے اگلے روز چونکہ واپس لوٹ آنا تھا اور ایک رات کے لئے وہ اپنی ماں سے کوئی بھی بہانہ کر سکتی تھی۔

O

15 جولائی کو 19 ایف ایف کو حکم ملا کہ وہ 12 این ایل آئی کی مدد کے لئے آگے بڑھے جو گزشتہ کئی ماہ سے گلتری محاذ پر زندگی اور موت کا ناقابل یقین معرکہ لڑ رہی تھی اور ابھی تک اپنی پوزیشنوں پر ڈٹی ہوئی تھی۔ 19 ایف ایف کے کمانڈنگ آفیسر لیفٹیننٹ کرنل آصف سیاچن جنگ کا تجربہ رکھتے تھے ان کے لئے یہ کوئی ایسا مشکل محاذ نہیں تھا۔ انہوں نے اگلے آٹھ دس دن میں اپنی پوزیشنیں سنبھال لیں۔ اس محاذ کی مشکل ترین پوسٹ ایم۔6 تھی جس کی ذمہ داری یونٹ کے انتہائی دلیر، بردبار اور مکمل مجاہد کیپٹن مالک کو سونپی گئی جو اپنے پچیس ساتھیوں کے ساتھ ایم۔6 کی طرف عازم

سفر ہوئے۔

کیپٹن مالک کی پوسٹ بہت بلندی پر تھی اور کرنل آصف جانتے تھے کہ وہ اپنے اس افسر کو کس رزم گاہ میں دھکیل رہے ہیں جہاں دشمن کی گولہ باری کا سامنا تو نہیں ہوگا ہی..... لیکن موسم اس سے بڑا عذاب بن کر حملہ آور ہو سکتا ہے۔ کیپٹن مالک کے انتہائی نیک مزاج کی وجہ سے انہیں یونٹ میں بڑی محبت اور عزت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا کرنل آصف اور ساتھیوں نے انہیں باری باری گلے لگا کر بڑی محبت سے رخصت کیا تب یوں ان کے کمانڈنگ آفیسر دم رخصت بہت اداس دکھائی دے رہے تھے۔

کیپٹن مالک نے ان سے گلے ملتے ہوئے قرآنی آیات پڑھیں تو کرنل آصف نے ان کی پیٹھ ٹھونکتے ہوئے کہا۔

''انشاءاللہ تم خیریت سے واپس آؤ گے۔ رخصتی کے کلمات کیوں پڑھ رہے ہو''

''سر! یہ بھی تو ممکن ہے.....'' کیپٹن مالک نے کچھ کہنا چاہا لیکن کرنل آصف نے انہیں محبت سے ڈانٹ دیا۔

''نو..... کچھ نہیں کہو گے تم.....'' انہوں نے محبت بھری ڈانٹ پلائی۔

''او۔ کے سر!''..... کیپٹن مالک نے کہا۔

ان کے پچیس ساتھی ان کے ساتھ زندگی کے اس اہم ترین اور انتہائی خطرناک سفر پر جانے کے لئے تیار کھڑے تھے۔ کیپٹن مالک ان کے نزدیک گئے۔ انہوں نے اپنی عادت کے مطابق اپنے جوانوں کے ساتھ قرآنی آیات تلاوت کرنے کے بعد انہیں جہاد کی فضیلت سے آگاہ کیا اور بتایا کہ مسلمان مجاہد خود کو ہر وقت اللہ کی عدالت میں حاضری کے لئے تیار رکھتا ہے۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ وہ زندگی کے آخری سانس تک ان کی ہر ممکن حفاظت کریں گے اور انشاءاللہ وقت آنے پر سب سے پہلے جام شہادت نوش کریں گے لیکن بطور مسلمان اور پاک فوج کے سپاہی ہونے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

کے ناطے انہیں کسی بھی مشکل گھڑی کے لئے تیار رہنا ہوگا۔

''کیا سب تیار ہو؟'' انہوں نے آخر میں سوال کیا۔

''یس سر''...... تمام جوان یک زبان بولے۔

''اللہ اکبر! اللہ...'' کیپٹن مالک نے اللہ کی ثنائی اور سب سے آگے چل دیئے۔ انہوں نے اپنے جوانوں کو ترتیب سے آگاہ کر دیا تھا۔ ان لوگوں نے اپنے عارضی کیمپ سے تقریباً چار گھنٹے کی مسافت پیدل طے کرنے کے بعد ایم۔6 پر جانا تھا جہاں بارہ این ایل آئی کے جانباز شہادتوں اور فضیلتوں کی عظیم تاریخ رقم کر رہے تھے۔

کیپٹن مالک اور ان کے ساتھیوں کا یہ سفر جذبہ ایمانی کا مرہون منت تھا۔ انہیں اس طرح کے انسان دشمن موسم میں ایسی خطرناک پہاڑی لڑائی کا کچھ خاص تجربہ بھی نہیں تھا لیکن کیپٹن مالک کے جذبہ ایمانی اور شوق شہادت کے سامنے کوئی مشکل ٹھہرتی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ البتہ ان کے کچھ ساتھیوں کے لئے شدید ترین انسانی رگوں میں خون جماتی برفیلی ہواؤں میں سفر کرنے کا یہ تجربہ بڑا جان لیوا تھا۔ راستے کا ایک ایک انچ دشمن کے گولوں کی زد پر تھا۔

کیپٹن مالک کے ایم۔6 تک پہنچنے سے پہلے ان کے تین ساتھیوں کی حالت انتہائی بگڑ گئی تھی ان کے لئے اب ایک قدم چلنا بھی ممکن نہیں رہا تھا۔ خطر پسند اور شوق شہادت سے سرفراز کیپٹن مالک نے انہیں واپس لوٹنے کا حکم دیا۔ تینوں نے انکار کر دیا لیکن اپنے افسر کے مجبور کرنے پر انہیں واپس جانا ہی پڑا۔

24 جولائی کو بالآخر وہ اپنے 22 جانبازوں کے ساتھ معرکہ حق و باطل لڑنے میدان جنگ میں پہنچ گئے۔

دشمن زمین اور فضا سے ان پر دیوانہ وار آگ برسا رہا تھا اور کیپٹن مالک فی الوقت اپنے ساتھیوں کے ساتھ وہاں پتھروں کی آڑ لئے بیٹھے تھے۔ ان کے لئے ان حالات میں دشمن کو جواب دینا ممکن

نہیں تھا ایک تو وہ آسمان سے پہاڑوں کا کلیجہ شق کرنے والے میزائل پھینکتے میراج طیاروں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے جن کے پھینکے میزائلوں سے پہاڑوں کے ساتھ ساتھ کانوں کے پردے پھٹنے کا بھی احساس ہوتا تھا۔ دشمن جس نوعیت کی زمینی گولہ باری کر رہا تھا اس کا جواب توپخانے دے سکتا تھا وہ کچھ نہیں کر سکتے تھے سوائے صبر اور انتظار کے جو وہ کر رہے تھے۔

24 جولائی کی شام کرنل آصف نے ان سے رابطہ کر کے خیریت دریافت کی تو کیپٹن مالک نے انہیں صورتحال سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا کہ فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں وہ اپنے مورچوں میں ڈٹے دشمن کے منتظر ہیں۔

کیپٹن مالک کی آواز میں بلا کا اعتماد اور سکون پایا جاتا تھا۔ انہوں نے اپنے کمانڈنگ آفیسر کو اپنی دانست میں مطمئن کر دیا تھا لیکن کرنل آصف جو سیاچن کی لڑائی لڑ چکے تھے صورتحال کی سنگینی سے زیادہ باخبر تھے۔ انہوں نے خطر پسند کیپٹن مالک سے کہا کہ وہ ہر ممکن طریقے سے اپنا اور جوانوں کا خیال رکھیں اور انہیں ہدایت کی کہ اپنے ہتھیاروں کی صفائی کا خصوصی اہتمام کریں۔ کرنل آصف جانتے تھے کہ اس سرد ترین موسم میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ فائرنگ کے وقت ہتھیار معمولی نقص کی وجہ سے چلنے سے انکار کر دیتا ہے۔ وہ کیپٹن مالک کے جذبے سے مکمل باخبر تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ وہ بدترین حالات میں بھی بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کریں گے لیکن ان کا دل کسی پہلو چین نہیں کھاتا تھا۔

''میں کل رات تمہارے ساتھ گزاروں گا انشاءاللہ''...... انہوں نے کیپٹن مالک سے کہا۔

کیپٹن مالک یہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کے سی۔او کی جان خطرے میں پڑے لیکن وہ اپنے سی۔او کو اس سے روک نہیں سکتے تھے۔ ایم۔6 سے تقریباً تین گھنٹے کی مسافت پر پیچھے کی جانب ایک پوسٹ قائم کی گئی تھی جو قدرے محفوظ تھی۔ بٹالین ہیڈ کوارٹر سے یہاں تک کا فاصلہ تو کسی نہ کسی طرح مختلف پوزیشن اختیار کرتے ہوئے طے کیا جا سکتا تھا لیکن یہاں سے ایم۔6 پوسٹ تک کا چپہ چپہ غیر محفوظ تھا۔ دشمن نے اس علاقے کی کچھ اس انداز سے گھیرا بندی کی ہوئی تھی کہ یہاں سے معمولی نقل و

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

حرکت بھی ممکن نہیں تھی۔کیپٹن مالک نے بٹالین ہیڈ کوارٹر سے یہاں تک سفر کرنے کے بعد یہاں سے ایم۔6 کا سفر رات کے اندھیرے میں دشمن کی نظروں سے چھپ کر کیا تھا۔انہوں نے اپنے سی۔او سے کہا کہ وہ اس پوسٹ تک پہنچیں جہاں سے ان کے گائیڈ انہیں رات کے اندھیرے میں کیپٹن مالک کی پوسٹ تک لے آئیں گے۔

کرنل آصف مطمئن ہو گئے۔کیپٹن مالک اپنے سی۔او کو اپنی پوسٹ تک بحفاظت لانے کی منصوبہ بندی کرنے لگے۔انہوں نے مغرب کی نماز باجماعت ادا کی اور ابھی بمشکل نماز سے فارغ ہوئے تھے جب اچانک انہیں احساس ہوا جیسے بھارت کے سارے توپخانے نے ان پر مل کر حملہ کر دیا ہو۔ابھی تک اس محاذ پر اس نوعیت کی گولہ باری کم ہی ہوئی تھی۔انہوں نے اپنے ساتھیوں کو فوراً محفوظ پناہ گاہوں میں جانے اور اپنے ہتھیاروں کی صفائی کرنے کا حکم دیا اور خود بھی معمول کے مطابق قرآنی آیات کی تلاوت کرتے ایک پتھر کی اوٹ میں اپنی گن اور دوربین سنبھال کر بیٹھ گئے۔

گولہ باری کا یہ سلسلہ رات دیر گئے تک جاری رہا۔حیرت انگیز بات یہ تھی کہ دشمن نے اس دوران بالکل وقفہ نہیں کیا تھا اور مسلسل ان پر آگ برساتا رہا۔کیپٹن مالک اور ان کے ساتھ اپنے ٹھکانوں پر ڈٹے رہے۔

صبح فجر کی نماز سے کچھ دیر پہلے بمشکل آدھے گھنٹے کا وقفہ ہوا تھا جب کیپٹن مالک نے اس وقفے کے بعد صورتحال کا جائزہ لیا تو انہیں اندازہ ہوا کہ ٹیلی فون کی تمام تاریں کٹ چکی ہیں ان کا اپنا وائرلیس سیٹ بھی ناکارہ ہو گیا تھا اور اب پیچھے رابطہ کرنے کا کوئی ذریعہ بہرحال دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

کیپٹن مالک نے صورتحال کی سنگینی کا احساس کرتے ہوئے اپنے ایک لانس نائیک کو پچھلی پوسٹ کی طرف روانہ کیا۔وہ نہیں چاہتے تھے کہ اس حالت میں اپنے سی۔او کو خطرے میں ڈالیں جبکہ انہیں اس بات کا بھی علم تھا کہ جب پچھلی محفوظ پوسٹ پر پہنچنے کے بعد کرنل آصف کا ان سے رابطہ

نہ تو ہو سکا تو وہ ایم۔6 کی طرف چل دیں گے۔

کرنل آصف پروگرام کے مطابق انتہائی خطرناک حالات میں بھی ایک جوان کے ساتھ اس پوسٹ تک پہنچ گئے جب کیپٹن مالک سے رابطہ کی کوشش کی تو رابطہ ممکن نہ ہوا۔کرنل آصف کی پریشانی بڑھنے لگی اس سے پہلے کہ وہ کوئی فیصلہ کریں کسی نہ کسی طرح دشمن کی تباہ کن گولہ باری سے محفوظ لانس نائیک زوار وہاں پہنچ گیا جس نے کرنل صاحب کو بتایا کہ دشمن نے انتہائی تباہ کن گولہ باری کے بعد سینکڑوں کی تعداد میں چاروں اطراف سے یلغار کر دی ہے۔ایم۔6 پر حملہ اتنا شدید نوعیت کا ہے کہ کمیونی کیشن بحال رکھنے والی تاریں بھی کٹ چکی ہیں اور اب پوسٹ سے رابطہ ہی ممکن نہیں رہا۔

اس لانس نائیک کی زبانی کرنل آصف کو علم ہوا کہ کیپٹن مالک کے وائرلیس کو بھی نقصان پہنچا ہے جسے ٹھیک کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔کرنل آصف کی جان توڑ کوشش سے جب کسی طرح رابطہ بحال ہوا تو وہاں ہونے والی گولہ باری اتنی شدید تھی کہ سوائے ان کے اور کوئی کان پڑی آواز بھی سنائی نہیں دے رہی تھی گولہ باری کا اندازہ تو ہو رہا تھا پیدل فوج کے حملے کی اطلاع لانس نائیک زاوار نے دی تھی۔

کرنل آصف کی تشویش بڑھنے لگی تھی۔یہ ان کے لئے ناقابل برداشت تھا کہ ان کے جوان دشمن کی گولہ باری کی زد میں ہوں اور وہ ان تک پہنچ نہ پائیں۔انہوں نے جلد ہی ایک اہم فیصلہ کر لیا۔ابھی تک کیپٹن مالک سے رابطہ ممکن نہیں ہوا تھا لیکن نائیک زروار نے انہیں دشمن کے حملے کے متعلق جو اطلاعات دی تھیں ان کی مدد سے کرنل آصف نے اپنے ذھن میں خاکہ تیار کر لیا تھا۔انہوں نے وہ فیصلہ کیا جو فوجی زبان میں انتہائی خطرناک ہوتا ہے اور ان لمحات میں کیا جاتا ہے جب اور کوئی چارہ کار باقی نہ رہے۔اس فیصلے پر پہنچنے کے بعد انہیں خاصا اطمینان محسوس ہونے لگا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ ان کا فیصلہ صحیح ہے۔

کرنل آصف نے پوسٹ سے پاکستانی توپخانے سے رابطہ کیا۔انہیں ایم۔6 کی ساری پوزیشن

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

سمجھانے کے بعد کہا کہ وہ اس سمت گولہ باری کریں جدھر سے دشمن ایڈوانس کر رہا ہے۔توپخانے نے اس کا بھرپور اور شاندار جواب دیا اور کرنل آصف کے بتائے ہوئے پوائنٹس پر گولہ باری شروع کر دی اس کے ساتھ ہی بٹالین مارٹر کا فائر آنے لگا۔گو کہ پاکستانی توپخانے نے جوابی کارروائی شروع کر دی تھی لیکن دن کے اجالے میں سامنے موجود بھارتی فوج کو سامنے کا منظر نمایاں دکھائی دے رہا تھا اس کے باوجود کرنل آصف نے انتہائی دلیرانہ فیصلہ کیا اور دس جوانوں کو اپنے ساتھ لے کر ایم۔6 پر کیپٹن مالک کی مدد کے لئے آگے جانے کی کوشش کرنے لگے۔

جیسے ہی انہوں نے پوسٹ سے سفر آغاز کیا ان کے دائیں بائیں اور سروں پر گولے پھٹنے سے قیامت برپا ہو گئی۔دشمن کے لئے سامنے کی پوزیشن بالکل صاف تھی اسے کرنل آصف اور ان کے ساتھی صاف دکھائی دے رہے تھے اور ان پر تباہ کن گولہ باری کر رہا تھا۔ایک سمت سے ناکامی کے بعد کرنل آصف نے دوسری پھر تیسری کوشش بھی کر ڈالی لیکن دشمن نے انہیں سر اٹھانے کا موقعہ نہیں دیا جلد ہی ان کو اس تلخ ترین حقیقت کا علم ہوا کہ پوسٹ اور ایم۔6 کے درمیان بھارتی گھس آئے ہیں اور انہوں نے ''بلاکنگ پوسٹ'' قائم کر لی ہے جس کا مطلب تھا کہ اب ایم۔6 کو کوئی کمک نہیں جا سکتی۔اس صورتحال نے کرنل آصف کی تشویش بڑھا دی وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ کیپٹن مالک کے ساتھ 22 جوان ہیں جن کے پاس ایسے حالات سے مقابلے کے لئے ڈھنگ کا سامان بھی موجود نہیں آخر وہ کب تک دشمن کے وار سہتے رہیں گے۔انہیں بہرصورت اپنے افسر اور جوانوں کو دشمن کے خونی جبڑوں کے درمیان سے زندہ نکال کر باہر لانا تھا۔

دشمن کی نظریں اور گنیں اس چیک پوسٹ پر گڑی تھیں شاید اسے بھی اندازہ ہو چلا تھا کہ یہاں کمانڈنگ آفیسر موجود ہے۔اس نے ہر حرکت ناممکن بنا تھی۔کرنل آصف نے بٹالین ہیڈ کوارٹر کو حکم دیا کہ جتنے جوان افسر میسر ہیں سب مدد کے لئے باہر آ جائیں۔

دشمن نے شاید کرنل آصف کا کمیونی کیشن انٹرسپٹ کر لیا تھا۔انہیں علم ہو گیا تھا کہ یہاں ان کا

سی۔او موجود ہے۔اس احساس کے ساتھ ہی دشمن نے ایم۔6 کی طرح اس پوسٹ پر قیامت خیز گولہ باری شروع کر دی جس سے یہاں موجود کمیونی کیشن سسٹم تباہ ہو گیا اردگرد موجود تمام کمیونی کیشن لائنیں کٹ گئیں۔اب پیچھے رابطہ کرنا بھی ممکن نہیں رہا تھا۔کرنل آصف کے لئے یہ صورتحال مزید پریشان کن تھی۔

وہ بہرصورت پیچھے رابطہ کرنا چاہتے تھے تاکہ کیپٹن مالک کے لئے کمک منگوا سکیں جب یہاں دشمن نے لائنیں ہی گولہ باری سے کاٹ دیں تو انہوں نے اپنی جان پر کھیل جانے کا فیصلہ کیا۔

کرنل آصف اپنے ساتھ وائرلیس آپریٹر کو لے کر پوسٹ سے باہر جانے کی تیاری کرنے لگے۔ یہ ایک طرح سے ان کا ان حالات میں خودکشی مشن تھے لیکن پاکستان آرمی کی زریں روایات کے مطابق انہوں نے اپنے افسر اور جوانوں کو بچانے کے لئے اپنی جان سے گزر جانے کا فیصلہ بھی کر لیا تھا انہوں نے سیکنڈ لیفٹیننٹ مدثر کو یہاں چھوڑا اور برستے گولوں اور گولیوں میں اپنے وائرلیس آپریٹر کے ساتھ رخت سفر باندھا۔قرآنی آیات اور کلمہ طیبہ کا ورد کرتے کرنل آصف اپنے وائرلیس آپریٹر کے ساتھ سلامت مارٹر پوزیشن پر پہنچ گئے جہاں انہوں نے ریزرو کمپنی کو فوراً آگے پہنچنے کا حکم دیا۔

اگلے چند منٹ میں اپنے ساتھیوں کی مدد کرنے کے لئے ''دلیر کمپنی'' نے اپنے ہتھیاروں اور ایمونیشن کے ساتھ یلغار کی اور دن کے اجالے میں موت سے پنجہ آزمائی کرتے وہ مارٹر پوزیشن پر پہنچ گئے۔

دلیر کمپنی کے مارٹر پوزیشن پر پہنچنے کے ساتھ ہی ایم۔6 سے دو جوان اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر مارٹر پوزیشن پر پہنچے اور انہوں نے بتایا کہ دشمن کیپٹن مالک والے پہاڑ پر چڑھ چکا ہے لیکن کیپٹن مالک اپنے بائیس جوانوں کے ساتھ بڑی پامردی سے ان سینکڑوں بھارتیوں کو روکے ہوئے ہیں جنہوں نے ان کی پوزیشن پر تین اطراف سے چڑھائی شروع کی ہوئی ہے۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

ابھی تک کیپٹن مالک سے رابطہ ممکن نہیں ہوا تھا جوایم۔ 6 پر پہنچتے ہی شدید ترین حملے کی زد میں آ گئے تھے۔لیکن اللہ کے شیروں کو آئی نہیں روباہی کے مصداق انہوں نے اس آزمائش پر ہمت نہیں ہاری''آ مَنَّا صَدَّقْنَا''پکارتے آگے بڑھے اور ڈٹ گئے۔

کیپٹن مالک نے جو بائیس جوانوں کے ساتھ ہزاروں کی تعداد میں موجود دشمن سے نبرد آزما تھے۔اپنی پوزیشن کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔انہوں نے ایم۔6 پوسٹ والے پہاڑ کے ایک کنارے پر آبزرویشن پوسٹ قائم کر دی تھی۔جہاں سے وہ پہاڑ کی طرف اترنے والی ڈھلانوں کو اچھی طرح دیکھ سکتے تھے۔اس آبزرویشن پوسٹ سے کچھ فاصلے پر پیچھے کی سمت قدرے بلندی پر ان کی Mian پوزیشن تھی جہاں کیپٹن مالک نے خود کار مشین گنیں نصیب کروا دی تھیں اور اس مین پوزیشن کے پیچھے انہوں نے ریسٹ ایریا رکھا ہوا تھا۔

کیپٹن مالک اپنے جوانوں کے اصرار کے باوجود Main مین اور آبزرویشن پوزیشن پر باقاعدہ ڈیوٹی دیا کرتے تھے۔

25 جولائی کو علی الصباح وہ مین پوزیشن پر نماز فجر ادا کرنے کے بعد اپنے معمول کے مطابق تلاوت کلام پاک میں مصروف تھے جب آبزرویشن پوسٹ سے ایک جوان ان کی طرف آیا جس نے اپنے کپتان صاحب کو مطلع کیا کہ دشمن رات بھر کی گولہ باری کے بعد پہاڑ پر چڑھ رہا ہے۔

کیپٹن مالک اس کی بات سن کر اس طرح مسکرائے جیسے وہ اسی خبر کے منتظر تھے جو ان کو مل گئی تھی۔آپ نے اپنے نزدیک موجود ایک دوسرے جوان کو قرآن پاک تھمایا اور انگلی سے نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا میں نے ساڑھے چھ رکوع پڑھ لئے ہیں تم سات رکوع مکمل کرنے کے بعد ہمارے ساتھ شامل ہو جانا۔خود قرآنی آیات کا ورد کرتے آپ نے اپنی گن سنبھالی اور آبزرویشن پوسٹ کی طرف لپکے۔سنتری معروف ان کو پہلو سے کور دے رہا تھا۔قریباً بیس منٹ کی چڑھائی کے بعد جب کیپٹن مالک آبزرویشن پوسٹ پر پہنچے اور انہوں نے دوربین اپنی آنکھوں سے لگا کر چاروں

اطراف کا جائزہ لیا تو ان کے علم میں آیا کہ دشمن ایک بٹالین تین اطراف سے بڑی تیزی سے اوپر چڑھنے کی کوشش کر رہی ہے۔جس مقام پر کیپٹن مالک نے آبزرویشن پوسٹ قائم کی تھی وہاں ایک بڑا پتھر ڈھلان کی شکل میں پہاڑی سے قدرے آگے نکلا ہوا تھا جس کے نیچے کی ڈھلانیں دکھائی نہیں دیتی تھیں۔کیپٹن مالک نے اس پوسٹ پر موجود اس چٹان پر دو مورچے بنوا رکھے تھے تاکہ ضرورت پیش آئے تو وہ آبزرویشن پوسٹ سے نیچے آ کر بھی دشمن سے دو دو ہاتھ کر سکیں اور یہ مورچے اس پوزیشن میں بنائے گئے تھے جہاں سے اس سمت پہاڑ پر اوپر چڑھتے ہوئے دشمن کو روکا جا سکے۔۔

کیپٹن مالک ابھی دشمن کی پوزیشنوں کا جائزہ ہی لے رہے تھے کہ اچانک وہ چونکے جب انہوں نے دیکھا کہ دشمن کی تین چار جوانوں نے ان کے بنائے ہوئے مورچوں میں ٹھکانہ کر لیا ہے۔

''یہ تو زیادتی ہے''وہ آہستہ سے بڑبڑائے اور اپنے دائیں طرف کھڑے حوالدار مبارک شاہ کو مخصوص اشارہ کیا جسے وہ اچھی طرح سمجھ گیا۔

دونوں چپ چاپ دبے قدموں نیچے اترے اور رعد کی طرح کڑکتے ہوئے دشمن کے ان پانچ سپاہیوں پر حملہ آور ہوئے جنہوں نے ان کے مورچوں کو آرام گاہ سمجھ لیا تھا اور یہاں اپنے سانس درست کرنے بیٹھ گئے تھے۔حملہ اتنا اچانک اور بھرپور تھا کہ دشمن کو سنبھلنے کا موقعہ نہیں ملا۔اس کے چار سپاہی تو فوراً مارے گئے پانچوں کی گولی البتہ مبارک شاہ کے سینے میں لگی اور وہ شدید زخمی ہو گئے۔ کیپٹن مالک نے پلک جھپکتے ہی دشمن کے اس سپاہی کو بھی موت کی نیند سلا دیا۔

اس دوران مین پوزیشن سے بھی جوان نیچے آنے لگے تھے اور اب آبزرویشن پوسٹ تک پہنچ گئے تھے۔کیپٹن مالک نے امین سے حوالدار مبارک شاہ کو واپس لے جانے کا اشارہ کیا جو شدید زخمی ہونے کے باوجود وہیں رہنے پر بضد تھے۔کیپٹن مالک کے اصرار کرنے پر وہ بالآخر جانے پر رضامند ہوئے اور دو جوان انہیں سہارا دے کر اوپر لے جانے لگے۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

ابھی انہوں نے بمشکل چڑھائی شروع کی تھی جب ڈھلان کی اوٹ سے دشمن کے دو سپاہی نمودار ہوئے۔ کیپٹن مالک بجلی کی طرح لپکے اور ان کے سنبھلنے سے پہلے انہوں نے دو بھارتی سپاہیوں سے سٹین گن چھین کر انہیں نیچے پھینک کر جہنم واصل کر دیا۔ اس دوران ایک جوان ان تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ کیپٹن مالک نے ایک سٹین گن اسے تھمائی اور پہاڑ کے دوسری سمت پوزیشن لینے کا حکم دیا۔ خود وہ وہیں ڈٹ گئے اور دونوں مل کر اوپر آنے والے دشمن کے فوجیوں کو نشانہ بنانے لگے۔

کیپٹن مالک اس جہاد میں مصروف تھے جب انہیں پیغام ملا کہ دشمن نے بڑی تعداد میں آبزرویشن پوسٹ پر ہلا بول دیا ہے اور وہاں پاکستانی جوان ان سے دست بدست لڑائی میں مصروف ہیں۔

کیپٹن مالک اپنے جوانوں کی مدد کو لپکے اور آبزرویشن پوسٹ پر انہوں نے دیکھا کہ نائیک غازی دشمن سے نبرد آزما ہے۔ اس نے بھارتی فوج کے ایک جوان سے اس کی گن اس طرح چھینی کہ اس کی سنگین الگ ہو گئی اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتا نائیک غازی نے سنگین اس کے سینے میں اتار دی اور وہ پہاڑ سے نیچے گر پڑا۔ دو تین اور جوان دشمن سے گھتم گتھا تھے وہ کسی بھی طرح دشمن کو پوسٹ دینے پر جیتے جی تیار نہیں تھے۔ ان کی دلیری اور کیپٹن مالک کی حملوں میں شمولیت نے بھارتی فوجیوں کو پیچھے اترنے اور گہرائی میں گرتے چلے جانے پر مجبور کر دیا۔ گرتے گرتے ایک بھارتی سپاہی نے ان کی طرف گرنیڈ پھینک دیا جو لانس نائیک حبیب الرحمٰن کے سینے سے ٹکرایا اور وہ موقعہ پر ہی شہید ہو گئے۔

کیپٹن مالک دشمن سے چھینی سٹین گن سے پہاڑ کے کونوں سے سر اٹھاتے بھارتیوں کو نشانہ بنانے لگے۔ بھارتی سپاہی دراصل ان کی مین پوزیشن پر قابض ہونا چاہتے تھے لیکن آبزرویشن پوسٹ سے فائرنگ ہوئی تو وہ واپس پہاڑ کے کناروں کی طرف بھاگے۔ کیپٹن مالک کی حکمت عملی نے انہیں بوکھلا دیا تھا اور وہ یہ سمجھ رہے تھے جیسے سینکڑوں کی تعداد میں یہاں چھپے پاکستانی ان پر حملہ آور ہو گئے ہیں

جبکہ فائرنگ کرنے والوں کی تعداد کیپٹن مالک سمیت بمشکل پانچ تھی کناروں کی طرف بھاگتے سپاہی کمر پر گولیاں لگنے سے اوندھے منہ گرتے اور سینکڑوں فٹ گہرائی میں لڑھکتے چلے جاتے درجنوں بھارتی فوجی اس حملے میں مارے گئے اور کیپٹن مالک نے پوسٹ سے ان کا صفایا کر دیا تھا۔ جس کے بعد آپ مین پوزیشن پر لوٹ آئے۔

دشمن کے اس بڑے حملے کی پسپائی نے جوانوں کا مورال بہت بلند کر دیا تھا۔ اب صورتحال یہ تھی کہ کیپٹن مالک کی مین پوزیشن کے عقب میں پہاڑ تھا جوان کے لئے محفوظ دیوار کا کام دے رہا تھا اور اس سے تین گھنٹے کی مسافت پر چیک پوسٹ ان دونوں کے درمیان دشمن گھس آیا تھا اور اس نے اپنی پوزیشن ایسی مستحکم اور محفوظ کر لی تھی کہ کیپٹن مالک تک کمک پہنچانا ناممکن ہو گیا تھا۔ کیپٹن مالک چاہتے تو آسانی سے اپنے ساتھیوں سمیت پہاڑ کے عقب سے جان بچا کر نکل جاتے لیکن وہ یہاں ''جان بچانے'' نہیں ''جان دینے'' آئے تھے۔ وہ جیتے جی ایم۔6 دشمن کے حوالے کرنے پر تیار نہیں تھے۔

کرنل آصف کی بے چینی بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ وہ کسی نہ کسی طریقے سے کیپٹن مالک تک کمک پہنچانا چاہتے تھے۔ انہوں نے اس کے لئے اب تک متعدد کوششیں کی تھیں لیکن ایم۔6 کی طرف جانے والے تمام راستے دشمن کے گولوں اور گولیوں کی زد میں تھے۔ جیسے ہی کسی راستے پر پاکستانی پوزیشنوں سے کوئی حرکت ہوتی دشمن توپخانہ ایک ایک انچ زمین پر آگ برسانے لگتا اس نے اس علاقے کو اس طرح ''مارک'' کیا ہوا تھا کہ کیپٹن مالک کی طرف جانے والی کوئی بھی شے اس کی آنکھوں سے اوجھل نہیں رہ سکتی تھی۔ کیپٹن مالک نے یہ سب کچھ جاننے کے باوجود ڈٹ جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

مین پوزیشن پر واپس آئے تو انہوں نے دیکھا یہاں موجود سپاہی اشرف کے بدن کا نچلا حصہ قریباً ناکارہ ہو چکا ہے۔ دشمن کی کئی گولیاں اس کی ٹانگوں اور دھڑ کے نچلے حصے میں لگی تھیں اس کے لئے اپنی جگہ سے حرکت کرنا بھی ممکن نہیں تھا۔ سپاہی اشرف نے کیپٹن صاحب سے درخواست کی کہ

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

اس کے سینے میں گولی مار کر اسے اس کرب سے نجات دلائی جائے کیونکہ وہ ان حالات میں اپنے ساتھیوں کے لئے بوجھ بننے کا تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔کیپٹن مالک نے اسے حوصلہ دیا۔وہ چاروں اطراف دشمن کی پوزیشن کا جائزہ لینے کے بعد اس نتیجے پر پہنچ چکے تھے کہ دشمن کو دن کے اجالے میں محدود گولیوں کے ساتھ زیادہ دیر تک روکنے کا سوال ہی نہیں اٹھتا تھا۔اگر وہ اپنی پوزیشن پر ڈٹے رہتے تو ایک ایک کر کے سب شہید ہو جاتے اور دشمن آخر میں وہاں قابض ہو جاتا اس کے لئے ایم۔6 پر قابض ہونے کی قیمت تین چار سو بھارتی فوجیوں کی صورت میں بھی موجود تھی۔

دن کی روشنی میں اگر وہ دشمن کو روکے رکھتے تو بھی رات کے اندھیرے میں وہ ضرور کامیاب ہو جاتا کیونکہ رات کو اندھا دھند ضائع کرنے کے لئے ان کے پاس اسلحہ موجود ہی نہیں تھا۔ان لمحات میں اس شیر دل کپتان نے اپنی زندگی کا دلیرانہ فیصلہ کیا اور پاکستان آرمی کی عظیم روایات کا امین بن گیا۔

کیپٹن مالک نے نائیک غازی اور نائیک نذر کو اپنے پاس بلایا اور حکم دیا کہ وہ سپاہی اشرف کو لے کر نکل جائیں۔دونوں بھونچکا کر رہ گئے۔سپاہی اشرف رونے لگا وہ اپنے کپتان کو اس طرح چھوڑ کر جانے پر تیار نہیں تھے لیکن کیپٹن مالک نے تینوں کو سختی سے واپسی کا حکم دیا۔جس پر وہ آنسو بھری آنکھوں سے بادل نخواستہ پچھلی اور قدرے محفوظ سمت سے واپس لوٹ گئے۔تینوں نے واپسی کا سفر ''سکی انگ'' کے ذریعے کرنے کی ٹھانی تھی غازی اور نذر تو محفوظ رہے جبکہ زخموں سے چور سپاہی اشرف جو چلنے کے قابل نہیں تھا۔دشمن کے نرغے میں آ گیا جسے جنگی قیدی بنالیا گیا اور بعد میں وہ رہا ہوکر واپس آ گیا۔

نذر اور غازی کو روانہ کرنے کے بعد کیپٹن مالک نے اپنے دیگر جوانوں کو اکٹھا کر کے انہیں کہا کہ وہ اپنے اسلحہ سمیت واپس چلے جائیں کیونکہ ابھی واپسی کا سفر کچھ محفوظ ہے کچھ گھنٹوں کے بعد اس کے امکانات بھی ختم ہو جائیں گے۔سب نے انکار کر دیا لیکن فوجی ضوابط کے مطابق بالآخر وہ مرحلہ

آ گیا جب ان کے کیپٹن صاحب نے انہیں ''حکم'' دیا جس پر وہ باری باری گلے مل کر ان سے رخصت ہو گئے۔

یہ لوگ دو مختلف راستوں سے بحفاظت بٹالین ہیڈ کوارٹر پہنچ گئے۔فوجی تربیت کے مطابق وہ ایک دوسرے کو Cover دیتے محفوظ واپسی اختیار کر رہے تھے۔ان کا کپتان اپنے جوانوں کو بچانے کے لئے دشمن اور ان کے درمیان دیوار بن گیا تھا سٹین گن تھام کر وہ پہاڑ کے ایک کنارے پر بیٹھا دشمن کے اوپر چڑھتے سپاہیوں کو نشانہ بناتا رہا۔بالآخر ایل ایم جی کا پورا برسٹ اس کے کشادہ سینے پر لگا۔کیپٹن مالک اس طرح آگے کی سمت جھکے جیسے اللہ کے حضور اپنی شہادت کی آرزو پوری ہونے پر سجدہ ریز ہونا چاہتے ہوں۔زمین نے اپنا دامن شہید کے لئے کشادہ کر دیا اور وہ شہادت وفضیلت کے عظیم منصب پر سرفراز ہو گئے۔اللہ اکبر!

کیپٹن مالک شہید نے اپنی جان کا نذرانہ دے کر اپنے انیس ساتھیوں کی جانیں بچالی تھیں اور پاکستان آرمی کی اس عظیم روایت کا اعادہ کیا تھا جس کے مطابق اس کے افسر ''فرنٹ'' سے ''کمان'' کرتے ہیں۔سالار لشکر آگے اور لشکری اس کے پیچھے چلتے ہیں۔

کرنل آصف کو آپ کی شہادت کی خبر ملی تو انہوں نے ایم۔6 پر توپخانے کا شدید فائر کروایا کیونکہ ان کی دانست میں دشمن وہاں قابض ہو چکا تھا لیکن حیرانگی تو اس بات کی تھی کہ دشمن بھی ایم۔6 پر فائر کروا رہا تھا۔عقدہ کھلا کر ابھی تک اسے یقین نہیں ہوا کہ وہاں اب مزاحمت کرنے والا کوئی باقی نہیں بچا۔

سیز فائر پر حملہ آور تھرڈ گرنیڈیئر کے کمانڈنگ آفیسر کرنل شرما نے ایم۔6 کے تین شہداء کی لاشیں پاکستان آرمی کو اس اعزاز کے ساتھ واپس کیں کہ ایک بھارتی کمپنی نے انہیں سلیوٹ مار کر ان کی بہادری کو سلام کیا انہیں اس بات کا یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ ایک بٹالین کے حملے کو صرف بائیس جوانوں نے روکا اور آخر میں صرف کیپٹن مالک نے اکیلے دو گھنٹے تک انہیں روکے رکھا۔سلامتی ہوان

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

پر!

O

18 جولائی 1999ء رات کا قریباً ایک بجنے والا ہے۔ کراچی کے بین الاقوامی ہوائی اڈے پر معمول کی سرگرمیاں جاری ہیں لیکن یہاں خلاف معمول ایک بڑا مجمع بڑے منظم انداز میں جمع ہو رہا ہے جس میں کراچی کے مختلف علاقوں میں متعین فوجی جوان اور افسران کے علاوہ، سویلین کی بھی بڑی تعداد شامل ہے۔ وی آئی پی لاؤنج میں عمائدین سلطنت اور فوجی افسران خاموش اور احترام سے اکٹھے ہو رہے ہیں۔

یہاں آنے والے عموماً وہی لوگ ہوتے ہیں جو اپنے کسی مہمان کے استقبال کے لئے آئے ہوں یا اسے رخصت کرنے جا رہے ہوں۔ لیکن، یہ سب لوگ جو بڑے احترام وعقیدت سے کھڑے ہیں دراصل اپنے ایک ہیرو کا استقبال کرنے آئے ہیں۔ یہ شہید کیپٹن کرنل شیر خان کا استقبال کرنے آئے ہیں۔ 12 این ایل آئی کے اس شہید کو نذر عقیدت گزارتے آئے ہیں جس کی بہادری، جرات اور جی داری نے دشمن کو بھی احترام پر مجبور کر دیا۔ دشمن بعد از شہادت ان کا جسد خاکی اٹھا کر لے گیا تھا وہ اس شہید کو احترام اور عزت دینا چاہتے تھے۔ جس نے کئی دنوں تک انہیں ناکوں چنے چبائے رکھے اور اب سیز فائر کے بعد ان کا جسد خاکی واپس لوٹایا جا رہا تھا۔

کراچی کے کور کمانڈر جنرل مظفر حسین عثمانی کی قیادت میں بلوچ رجمنٹ کے چاک وچوبند دستے رن وے پر موجود ہیں۔ جہاز لینڈ کر رہا ہے۔ فوجیوں سے کچھ فاصلے پر موجود عمائدین سلطنت اور ان کے بعد سویلین اور شہید کے استقبال کو آئے سولجرز پر سکوت طاری ہے۔

جہاز ٹیکسی کرتا ایک مخصوص مقام کی طرف جا رہا ہے۔ مخصوص مقام پر پہنچ کر جہاز رک گیا۔ جہاز کے انجن بند ہوئے۔ عقبی دروازہ کھلا جس سے دو تابوت باہر آئے۔ ایک کسی گمنام شہید کا ہے جس کی شناخت باقی ہے اور دوسرا کرنل شیر خان نشان حیدر کا۔

بلوچ رجمنٹ کے مستعد، چاق وچوبند دستے نے اپنے قدم زمین میں گاڑے ہوئے تھے۔

تابوت ایمبولینس میں رکھے جا رہے تھے۔ ایمبولینس چلتی ہوئی اس دستے کے سامنے رک گئی۔ بلوچ رجمنٹ کے مستعد اور تیار بر تیار جوانوں نے دونوں تابوت وصول کیے اور Slow مارچ کرتے صفوں میں کھڑے عقیدت گزاروں کے سامنے رکھ کر انہیں روایتی نذر عقیدت گزاری۔

یونٹ کے خطیب آگے بڑھ کر تابوتوں کے پیچھے کھڑے ہو گئے اور باقی لوگ ان کے پیچھے قطاروں میں کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اور دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہوئے قرآن کی ان مقدس آیات کی تلاوت کی جن پر اللہ تعالیٰ نے شہیدوں سے متعلق فرمادیا کہ وہ کبھی نہیں مرتے۔ زندہ رہتے ہیں۔ اپنا رزق وصول کرتے ہیں۔

استقبالی ہجوم پر سکوت طاری تھا۔ کبھی کبھی کسی عقیدت مند کے ضبط کا بندھن ٹوٹتا تو ہچکیوں کی ہلکی سی آواز ابھرتی قریباً ہر شخص کی آنکھیں پرنم تھیں۔ یہ سب لوگ کارگل کے اس عظیم شہید کے کارناموں سے بخوبی آگاہ تھے۔

کور کمانڈر اور عمائدین حکومت نے تابوت اپنے کندھوں پر اٹھا کر ایئر فورس کے اس طیارے تک پہنچائے جو شہداء کو دارالحکومت لے جانے آیا تھا۔ تابوت طیارے میں رکھنے کے بعد کور کمانڈر اور بلوچ رجمنٹ کے چاق وچوبند دستے نے انہیں سلامی دی۔ جس کے بعد طیارے نے اپنا سفر آغاز کیا اور وہ رن وے پر رینگتا ہوا فضاؤں میں بلند ہو گیا۔

اسلام آباد ایئر پورٹ پر صدر پاکستان حیدران کے شیر دل کیپٹن کے استقبال کو باقی عقیدت گزاروں کے ساتھ موجود تھے۔ یہاں پر نماز جنازہ ادا کی گئی جس کے بعد کیپٹن کرنل شیر خان کا تابوت ان کے آبائی گاؤں روانہ کر دیا گیا۔

ہیلی کاپٹر صوابی کی فضا میں داخل ہوا تو وہ ہزاروں عقیدت مند جو صبح سے اپنے شیر کے استقبال کے لئے جمع تھے، ہیلی کاپٹر پر نظریں جما کر کھڑے ہو گئے۔ ہیلی کاپٹر سے شہید کا تابوت گورنر سرحد

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

اور شہید کے بھائی نے وصول کیا جہاں ہزاروں عقیدت گزاروں نے پھر نماز جنازہ ادا کر کے سسکیوں اور آنسوؤں کے نذرانے گزارے۔ صوابی کی تاریخ نے ایسا جنازہ پہلے کب دیکھا تھا۔

تقدس مآب شہید کو ہزاروں سوگواروں نے بالآخر سپرد خاک کر دیا شہید کیپٹن کرنل شیر خان کی شادی طے پا چکی تھی ان کے گھر والے کارگل مہم سے واپسی پر ان کی شادی کرنا چاہتے تھے لیکن قدرت نے اس عالی مرتبت کو کسی بڑے اعزاز سے نوازنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ان کا پروگرام کینسل ہو گیا اور شہید کی شادی کے لئے جمع کی گئی رقم سے نواں کلی میں ایک سکول بنا دیا گیا۔

O

اگلے روز بشیر بکروال کیپٹن انوج سے ملاقات کے لئے اس کے آفس گیا تو اس کی ملاقات کروا دی گئی، یہ آفس اس کے لئے کبھی اجنبی نہیں رہا تھا۔ اس کے دروازے اس پر ہمیشہ کھلے رہتے تھے اور آج بھی ایسا ہی ہوا تھا لیکن آج نجانے کیوں اس کا ضمیر اسے بری طرح ملامت کر رہا تھا۔ ایک بے نام سا پچھتاوہ رہ کر اس کی جان کو آ رہا تھا کہ وہ آج تک کرتا کیا آیا ہے؟

اس نے کتنے بے گناہوں کو عقوبت خانوں تک پہنچایا تھا کوئی نادیدہ قوت اس کی سماعت کو بار بار جھنجوڑ کر اس سے کہہ رہی تھی کہ اس کی بیٹی آج جس اذیت اور عذاب سے گزر رہی ہے اس کا ذمہ دار بشیر بکروال ہے اس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ دراصل اس کی بیٹی کو اس کے گناہوں کی سزا ملی ہے اور اب شاید وہ زندگی بھر اس کی شکل بھی نہ دیکھ سکے۔ جب اسی طرح کا خیال آتا تو اس کے بدن پر لرزہ طاری ہو جاتا۔

آج شاید پہلی مرتبہ وہ کیپٹن انوج کمار کے کمرے میں اس کے سامنے کچھ فاصلے پر ہاتھ باندھے کھڑا تھا اور ایک مسلح سنتری نے اس پر اس طرح نظریں گاڑی ہوئی تھیں جیسے بشیر بکروال کی معمولی سی حرکت پر وہ اسے گولی مار دے گا۔ انوج کمار فون پر کسی سے بات کر رہا تھا اس کی گفتگو سے بشیر بکروال کو اندازہ ہو گیا یہ اس کی سری نگر والی معشوقہ کا فون ہے۔ بشیر بکروال کے سامنے پانچ چھ مرتبہ

اس کا فون آ چکا تھا جب بھی اس کا فون آتا کیپٹن انوج کمار ماحول سے بالکل کٹ کر رہ جاتا وہ اس لڑکی سے جو جنرل کلونت کی بیٹی تھی بہت محبت کرتا تھا اور اس نے ایک روز بشیر بکروال کو بتایا تھا کہ یہ لڑکی اس کی منگیتر بھی ہے۔ اس نے اس جنرل اور اپنی معشوقہ کا نام بھی بشیر کو ترنگ میں آ کر بتا دیا تھا۔

''او۔ کے ڈارلنگ۔ پھر بات کرتے ہیں''۔ قریباً چار پانچ منٹ بعد اس نے فون رکھ کر بشیر کی طرف دیکھا جو ہاتھ باندھے اس کے سامنے کھڑا تھا۔

کیپٹن انوج کمار نے اپنی میز کا دراز کھولا۔ اپنا پستول نکال کر اس کو فائر پوزیشن میں کیا اور اپنے دائیں ہاتھ میز پر اس طرح رکھا کہ ایک سیکنڈ کی مہلت پر اسے اٹھا کر استعمال کر سکے۔

بشیر بکروال حیرت اور خوف کے ملے جلے جذبات سے اس کی حرکات کا کن اکھیوں سے جائزہ لے رہا تھا۔

''بیٹھو......اس نے بشیر بکروال کو ہاتھ سے اشارہ کیا۔

بشیر بکروال دو روز پہلے تک اس کرسی پر بے تکلفی اور بڑے ٹھاٹھ سے بیٹھا کرتا تھا لیکن آج اس پر کپکپاہٹ طاری تھی۔ لرزتے قدموں سے چلتا وہ کرسی تک پہنچا اور اس پر ڈھیر ہو گیا۔

''تم باہر چلو'' ......انوج کمار نے اگلا حکم وہاں موجود گارڈ کے لئے جاری کیا تھا جس نے اثبات میں سر ہلایا اور باہر نکل گیا۔

''دیکھو بشیر'' کیپٹن انوج کمار نے طویل سانس لے کر کہا۔

''جن لوگوں نے سکینہ کو گرفتار کیا ہے ان کے پاس اس بات کے پکے ثبوت موجود ہیں کہ وہ ''اگروادیوں'' کے ساتھ ملی ہوئی ہے اس سے پستول برآمد ہوا ہے جس کے بعد سفارش کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی'' اس نے بشیر کی آنکھوں میں جھانکا۔

''سرکار! خدا کے لئے! خدا کے لئے''......بشیر پر خوف اور صدمے سے لرزہ طاری تھا جب انوج

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

کمار نے اس کی بات کاٹ دی۔

"تم نے میرے ساتھ بہت اچھا وقت گزارا اور مجھے اس بات کا بھی یقین ہے کہ تمہیں اپنی بیٹی کے کارناموں کی خبر نہیں ہوگی ورنہ تم اسے خود روک دیتے یا پھر مجھے بتاتے...... بہت مشکل سے میں نے ان لوگوں کے دل میں تمہارے لئے معمولی سی جگہ پیدا کی ہے......" انوج کمار نے دوبارہ اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ وہ بڑی دلچسپی سے بشیر بکروال کے چہرے کی بدلتی کیفیات کا جائزہ لے رہا تھا۔

"بھگوان آپ کا بھلا کرے کیپٹن صاحب" بشیر نے پھر ہاتھ باندھ دیئے۔

"تم جانتے ہو بشیر کہ یہ انٹیلی جنس کے لوگ یونہی کسی کی بات نہیں مانتے۔ انہوں نے تمہارے لئے کچھ کام بتایا ہے اگر اس کے لئے تیار ہو تو میں آگے بات کرتا ہوں" اس نے بشیر بکروال کو کام کی نوعیت سمجھائی تو بشیر کے پاؤں تلے زمین سرکنے لگی۔ کیپٹن انوج کمار نے اسے لائن آف کنٹرول کے پار جانے اور پاکستان آرمی سے متعلق تفصیلات جمع کر کے لانے کا "ٹاسک" دیا تھا اور کہا تھا کہ اس دوران اس کی بیٹی ان کی حراست میں رہے گی البتہ یہ ضمانت دی تھی کہ اسے کچھ نہیں کہا جائے گا اور وہ اس کی ملاقات بھی سکینہ سے کرواتے رہیں گے اگر اس نے اپنے کام سے افسروں کو خوش کر دیا تو وہ سکینہ کو رہا کر دیں گے۔ اس "سودے بازی" کا سیدھا مقصد تھا بشیر بکروال کی اذیت ناک موت۔ وہ جانتا تھا کہ آج تک جاسوسی کرنے کے لئے جتنے بھی "سورس" یہاں سے پاکستانی علاقے میں گئے وہ ایک دو مرتبہ تو کامیاب رہتے ہیں لیکن بالآخر گرفتار ہو جاتے ہیں اور اس کے بعد ان کی زندگی یا رہائی کی کوئی ضمانت نہیں دی جا سکتی۔ پاکستانیوں کے "جاسوسوں" کے ساتھ ظلم و ستم کی ایسی ایسی کہانیاں اس نے سنی تھیں جن کو سننے سے ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے بہت مہنگا سودا کیا تھا بھارتیوں نے......!! لیکن وہ کیا کرتا...... اس کے پاس اور کوئی راستہ بھی تو باقی نہیں بچا تھا۔

"کیا سوچ رہے ہو؟" کیپٹن انوج کمار نے اس کی طرف دیکھا۔

"وہ تو ٹھیک ہے سرکار لیکن میری بیٹی......" انوج کمار نے پھر اس کی بات کاٹ دی۔

"دیکھو بشیر یہ لوگ تمہارے یا میرے محتاج نہیں۔ ان کا کام تو چل ہی رہا ہے۔ تمہاری بیٹی نے ناقابل معافی جرم کیا ہے۔ اس کی جان بچانے کے لئے یہ کوئی مہنگا سودا نہیں۔ بھگوان کا شکر کرنا اگر وہ تمہارے کام سے خوش ہو گئے" انوج کمار نے کہا۔

بشیر بکروال کو زندگی میں پہلی مرتبہ غیرت اور غصہ آیا تھا۔ اس کا جی چاہا کہ اس کیپٹن کا ٹیٹوا دبا دے۔ لیکن مجبوری اور بے بسی نے اس کے ہاتھ باندھ رکھے تھے۔ اس نے اسی لمحے مضبوط ارادہ کر لیا تھا کہ اب وہ اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کرے گا اور بھارتی فوج کو تباہ کر کے رکھ دے گا لیکن یہ وقت جذبات میں آنے یا غصہ دکھانے کا نہیں تھا۔ اسے ٹھنڈے دل سے فیصلہ کرنا تھا اگر اس نے کچھ کرنا بھی تھا تو اس کے لئے بہت ہوشیاری اور چالائی کی ضرورت تھی۔ اس نے زندگی میں پہلی مرتبہ انوج کمار اور اس کے افسروں کے لئے شدید نفرت محسوس کی۔ بشیر بکروال کو رہ رہ کر یہ پچھتاوہ ہو رہا تھا کہ وہ آج تک جو کچھ بھی کرتا رہا اس کی ان ظالموں نے ذرہ برابر قدر نہیں کی اور آج اس کی بیٹی ان کے قبضے میں ہے۔ اس کا جی چاہتا تھا زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے لیکن اس طرح سکینہ تو گھر آنے سے رہی؟ اس نے سوچا۔ اس کی زندگی کا صرف ایک ہی مقصد رہ گیا تھا کہ سکینہ کو ان ظالموں کے پنجوں سے نکال کر کسی نہ کسی طرح سرحد پار پہنچا دے جہاں اس کے چچا اور ماموں اس کے لئے کافی تھے وہ اپنی بیٹی کو اب یہاں ایک پل بھی رکھنے کے لئے تیار نہیں تھا۔

"ٹھیک ہے صاحب۔ جیسے آپ کا حکم۔ لیکن میں اپنی بیٹی سے ملنا چاہتا ہوں"

اس نے بالآخر زبان کھولی۔

"ابھی نہیں...... یہ میرے لئے ممکن نہیں۔ دیکھو بشیر میں تمہاری خدمات کی وجہ سے تمہارے لئے یہ سب کچھ کر رہا ہوں۔ میرا کچھ لینا دینا نہیں ہے۔ اگر اپنی بیٹی کی سلامتی چاہتے ہو تو کوئی شرط پیش کرنے کے بجائے ان کی بات پر عمل کرو۔ اب اسی کی زندگی تمہارے "کام" کی مرہون منت ہے۔ اگر اچھا کام لاؤ گے تو اسے معافی مل جائے گی ورنہ تم بچے نہیں۔ اچھی طرح جانتے ہو کہ کیا ہو سکتا

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

ہے؟'' انوج کمار نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

بشیر بکروال کو یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کا دل مٹھی میں لے کر زور سے بھینچ دیا ہو۔ اسے اپنے جسم سے جان نکلتی محسوس ہو رہی تھی لیکن اس کے لئے فی الوقت حالات سے فرار کی کوئی راہ باقی نہیں بچی تھی۔ حالات نے ایک ایک کر کے اس پر زندگی کے تمام دروازے بند کر دیئے تھے اب اسے کٹھ پتلی کی طرح کیپٹن انوج کمار کے اشاروں پر ناچنا تھا اور بس۔ تھوڑی دیر بعد انوج کمار نے اس کے لئے چائے اور بسکٹ منگوا لئے تھے جو اس کے حلق سے نیچے نہیں اتر رہے تھے لیکن اس خوف سے کہ کہیں انوج کمار کو اس پر کوئی شک نہ ہو جائے وہ چائے بھی پیتا رہا بسکٹ بھی کھاتا رہا۔

''یہ دیکھو بشیر۔ تم اس جگہ سے اچھی طرح آشنا ہو'' انوج کمار نے میز پر بچھے نقشے پر ایک جگہ انگلی رکھی۔ جس جگہ کی وہ نشاندہی کر رہا تھا وہ بشیر بکروال کے علم میں تھی۔ یہاں سے بمشکل دو کلومیٹر کے فاصلے پر وہ قدرے آباد علاقہ تھا جہاں وہ اکثر اپنی بکریاں لے جایا کرتا تھا۔

''یہاں کنٹرول لائن کے ساتھ ساتھ پاکستانیوں نے خفیہ مورچہ بندیاں کی ہوئی ہیں۔ انڈین ایریا میں ''اگروادیوں'' (دہشت گردوں) نے ٹھکانے بنا رکھے ہیں۔ تمہیں ان کا پتہ لگانا ہے جو تمہارے لئے ناممکن نہیں۔ جتنی جلدی اور جتنی اہم معلومات لاؤ گے اتنا ہی فائدہ تمہاری بیٹی کو ہوگا''

کیپٹن انوج کمار جو اسے اپنے کوٹے کی شراب مفت دے دیا کرتا تھا اور جس کے بیڈ روم تک اسے رسائی حاصل تھی آج اس سے ایک بنیئے کی طرح بات کر رہا تھا۔ انتہائی گھٹیا سودے بازی کر رہا تھا جو بشیر بکروال کے لئے بڑا گھاٹے کا سودا تھا۔ جس برفیلے جہنم میں وہ بشیر بکروال کو دھکیل رہا تھا وہاں سے اس کا زندہ واپس لوٹ آنا ممکن ہی نہیں تھا۔ یہ بات بشیر بھی اچھی طرح جانتا تھا۔ اس کے دل میں شدید نفرت اور انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی۔ ایک لمحے کے لئے تو اس نے چاہا کہ بم بن کر اس چھاؤنی پر پھٹے اور سب کچھ تباہ و برباد کر دے لیکن یہ اس کے اختیار میں نہیں تھا۔

''انوج کمار! آج تک تم نے بشیر بکروال کو اپنا غلام ہی دیکھا ہے۔ اب تمہیں میں بتاؤں گا کہ

تمہارے لئے کیا کر سکتا ہوں۔ برباد کر دوں گا میں تم سب کو'' اس نے دل ہی دل میں عزم کیا اور کچھ دیر اس کے ساتھ گزار کر واپس آ گیا۔ حیرت انگیز طور پر وہ خود کو قدرے ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ جیسے بھی ممکن ہو اس کا رابطہ مجاہدین یا پاکستانی انٹیلی جنس سے ہو جائے اور وہ ان تک یہاں سے متعلق معلومات کا وہ ذخیرہ منتقل کر دے جو اس کے دماغ میں محفوظ ہے۔ بیوی بے چینی سے اس کی منتظر تھی۔ بشیر نے اسے حوصلہ دلایا اور جلد ہی اس کی بیوی پر انکشاف ہوا کہ آج اسے سابقہ بشیر بکروال کے بجائے ایک بدلے ہوئے بشیر سے واسطہ پڑا ہے جو اپنے ماضی پر بری طرح پچھتاوے کا شکار اور اس گناہ کا کفارہ ادا کرنے کے لئے بے چین ہے۔ بشیر کی بیوی کو اپنی بیٹی کے غم نے باؤلا کر رکھا تھا لیکن اپنے خاوند کا بدلا ہوا روپ دیکھ کر جس کی وہ اللہ سے دن رات دعائیں مانگا کرتی تھی اسے قدرے طمانیت کا احساس ہوا۔ شاید اس کی دعائیں قبول ہو گئی تھیں لیکن اس ''تبدیلی'' کی بہت قیمت ادا کی تھی انہوں نے۔ بشیر کی بیوی نیک عورت تھی۔ اپنے خاوند کے کرتوت سے آگاہ لیکن سوائے اس پر کڑھتے رہنے کے اور کچھ کرنا اس کے بس میں کبھی بھی نہیں تھا آج جب اس نے اپنے خاوند کا نیا روپ دیکھا تو جہاں دل میں اللہ کا شکر ادا کیا وہاں یہ سوچ کر اس کا کلیجہ منہ کو آنے لگا کہ اس ''تبدیلی'' کے لئے شاید قدرت نے ان سے بیٹی کی قربانی وصول کر لی ہے۔ اس سے زیادہ وہ کچھ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

آج تک وہ بشیر سے کہتی آئی تھی کہ انہیں پاکستان لوٹ جانا چاہیے لیکن آج بشیر نے اس سے کہا تھا کہ وہ ضرور واپس جائیں گے۔ اب یہ جگہ ان کے رہنے کے لائق نہیں رہی۔ یہاں سے جانے کی وہ ہر قیمت ادا کرنے پر تیار تھا۔ یہاں اس نے اپنی اچھی جائیداد بنا لی تھی لیکن اب اسے کسی چیز کی پرواہ نہیں تھی وہ صرف اپنی بیٹی کی رہائی اور انڈین فوج کی بربادی چاہتا تھا۔ یہی عزم لے کر بشیر رات دیر گئے چارپائی پر لیٹا اور اب آنے والے حالات سے نمٹنے کی منصوبہ بندی کر رہا تھا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

نیا باب

بخت خان کو ایک پل چین نہیں تھا۔

وہ جانتا تھا سکینہ کا باپ بھارتی فوج کا ٹاؤٹ ہے لیکن اسے علم تھا کہ اس کی یہ ''ٹاؤٹی'' اور ماضی کی خدمات اس کے کسی کام نہیں آئیں گی وہ اپنی خدمات کے عوض اپنی بیٹی کو ان موزیوں کے چنگل سے کبھی رہائی نہیں دلا سکے گا اس کے باوجود وہ اس سے ملنا چاہتا تھا۔ وہ جانتا تھا بشیر کے ساتھ فوجیوں نے کیا سلوک کیا ہوگا۔

اس کا دل یہ گواہی بھی دے رہا تھا کہ اس ''سلوک'' کے بعد بشیر کی عقل ٹھکانے آ گئی ہوگی۔ وہ اس کی مدد سے کوئی نہ کوئی راستہ سکینہ کی رہائی کا نکال سکتے ہیں۔ سکینہ کا معاملہ اس نے اپنے ساتھیوں کے سامنے رکھا تھا اور وہ سب اسی پر متفق تھے کہ سکینہ کو جلد از جلد فوج کے چنگل سے نکالنا چاہیے خواہ اس کے لئے کسی حد تک بھی جانا پڑے۔

کیا اسے سکینہ کے باپ سے رابطہ قائم کرنا چاہیے؟ اس نے سوچا اور اس سوال کا جواب اسے ''ہاں'' میں ملا۔ لیکن اتنا بڑا قدم وہ خود سے نہیں اٹھا سکتا تھا۔ اس کے لئے اسے بہر حال اپنے ساتھیوں سے مشاورت کرنی تھی یہی ان کا اصول تھا۔ جب یہ سوال اور اس کا ممکنہ جواب بخت خان

نے اپنے ساتھیوں کے سامنے رکھا تو انہوں نے کافی غور و خوض کے بعد اسے اجازت دے دی لیکن اس سے پہلے اپنے تمام ممکنہ حفاظتی اقدامات بھی کر لئے تھے۔ سب سے پہلے انہیں اس امر کی یقین دہانی حاصل کرنی تھی کہ بھارتی انٹیلی جنس نے بشیر پر نگرانی تو نہیں رکھی ہوئی؟

اس امر کا جائزہ لینے کے لئے انہوں نے پہلے بشیر کی نگرانی کا فیصلہ کیا تھا اور دو مقامی مجاہدین یہی مشن لے کر اس سے چمٹے ہوئے تھے۔ ان کی طرف سے اس یقین دہانی کے بعد کہ فی الوقت میدان صاف ہے۔ بخت خان نے بشیر سے ملنے کا عزم کر لیا تھا اور آج یہی ارادہ لے کر اس کی طرف جا رہا تھا۔

O

بشیر نے ہاں تو بھر لی تھی اور بظاہر انوج کمار کو اس بات کا یقین بھی تھا کہ بے غیرتی کی جن حدود کو بشیر بکر وال عبور کر چکا ہے اس کے بعد انہیں اس کی طرف سے ڈبل کراس ہونے کا کوئی خطرہ نہیں ہونا چاہیے۔ یوں بھی بشیر کے جتنے مفادات بھارتی مقبوضہ کشمیر سے جڑے ہوئے تھے ان کی قربانی دینے کے لئے کوئی بھی عقل مند شخص کبھی تیار نہیں ہو سکتا تھا۔

بشیر کے دل و دماغ میں جو آندھیاں چل رہی تھیں اس کا تو منوج کمار کو اندازہ ہی نہیں تھا۔ بشیر نے اس سے دو تین دنوں کی مہلت مانگی تھی کیونکہ یہ چاند کی ڈھلتی راتوں کا آغاز تھا اور بشیر نے بظاہر انہیں اس چکر میں ڈالا تھا کہ چاندنی راتوں میں وہ سرحد عبور کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ شام ڈھلے وہ چپ چاپ گھر سے نکل گیا۔ لیکن سرحد عبور کرنے کے لئے نہیں بلکہ مجاہدین سے ممکنہ ملاقات کے لئے اس دھندے میں طویل عرصہ گزارنے کے بعد اسے اس بات کا تو بخوبی اندازہ ہو گیا تھا کہ یہاں مجاہدین کی نقل و حرکت ہے اور یہ بات بھی اسے اچھی طرح سمجھ آ گئی تھی کہ اس کی بیٹی نے مجاہدین کی مدد کی تھی اسے اندھیرے میں رکھ کر، کیونکہ وہ اپنے باپ کے کرتوت اچھی طرح جانتی تھی۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

گاؤں سے ملحقہ پہاڑی سلسلے میں جیسے ہی وہ داخل ہوا اچانک اسے اپنے تعاقب کا احساس ہونے لگا۔ بشیر بکروال نے ساری زندگی سرحد کے آر پار آنے جانے میں لگا دی تھی طویل عرصے سے وہ اس دھندے میں لگا تھا اور گہرے سناٹے میں اس کے کان ضرورت سے زیادہ ہی حساس ہو جایا کرتے تھے۔ اپنی فطرت کے مطابق وہ چوکنا ہو گیا اور تربیت کے مطابق اس نے اپنی جگہ بیٹھ کر سن گن لینے کی کوشش کی۔ اسے اس بات کا شک تھا کہ انوج کمار نے ضرور اس کی خفیہ نگرانی شروع کروائی ہوئی ہے۔ ممکن ہے انوج کمار کو یہ شک پیدا ہو گیا ہو کہ بشیر اپنی بیٹی کی گرفتاری اور بھارتیوں کے سلوک کے بعد باغی نہ ہو جائے۔

یہی وہ امکانات تھے جنہوں نے وسوسوں کا روپ دھار کر بشیر کو جکڑا ہوا تھا یہ امکان تو اس کے گمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا کہ وہ بھارتی انٹیلی جنس کی نہیں بلکہ مجاہدین کی نگرانی میں ہے جو خود اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

قدرے مطمئن ہونے کے بعد بشیر نے قدم آگے بڑھائے اور وہ راستہ اختیار کیا جو دوسرے گاؤں کو جانے کا شارٹ کٹ سمجھا جاتا تھا۔ اس طرح شاید وہ تعاقب کرنے والوں کو یہ تاثر دینا چاہتا تھا کہ دوسرے گاؤں اپنے عزیزوں سے ملنے جا رہا ہے۔

ابھی بمشکل وہ سو گز ہی چلا ہو گا جب اچانک اس کا دل اتنے تیزی سے دھڑکا کہ بشیر لرز کر رہ گیا بات ہی کچھ ایسی تھی۔ اچانک اسے ایک نوجوان جس نے اپنے چہرہ چھپایا ہوا تھا اپنی طرف گن تانے دکھائی دیا۔ عام حالات میں ایسا ہوتا تو بشیر کے ہاتھ پاؤں بھی شاید پھول جاتے لیکن اپنے طرف اٹھی گن سے اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ کم از کم بھارتی فوج نہیں کوئی اور ہے؟

”دائیں طرف چلو“......

بشیر فوراً دائیں طرف گھوم گیا اور گھومنے پر اسے ایسا ہی ایک دوسرا نوجوان دکھائی دیا جس نے اس کی طرف پستول تان رکھا تھا جس پر سائلنسر لگا ہوا تھا ”سیدھے چلتے جاؤ...... خبردار اگر اپنی زبان

سے ایک لفظ بھی نکالا تو اس......؟“ اگلا دھمکی نما حکم ملا۔

بشیر آہستہ آہستہ نارمل ہو رہا تھا اس کے دل و دماغ نے گواہی دے دی تھی کہ یہ وہی لوگ ہیں جن سے وہ خود رابطہ کرنے جا رہا تھا۔ بمشکل پچاس قدم چلنے کے بعد انہوں نے بشیر کو رکنے کا حکم دیا۔ اس کے ہاتھ کھڑے کروائے اور بڑی پھرتی سے اس کی آنکھوں پر سیاہ پٹی باندھ دی۔ جس سے اسے اپنے اندھے ہونے کا احساس ہو رہا تھا۔

”مجھے کچھ دکھائی نہیں دے رہا“ اس نے بڑی گھبراہٹ میں بمشکل کہا۔

”بے فکر ہو جاؤ......اور اب تم نے بولنا نہیں“

اس کے کانوں میں آواز سنائی دی اس کے ساتھ ہی کسی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کے ساتھ پیدل چلنا شروع کیا۔ قریباً پندرہ بیس منٹ وہ پیدل چلتے رہے جس کے بعد اسے ایک موٹر سائیکل کے پیچھے بٹھا دیا گیا۔ اس سفر کا اختتام قریباً پچیس تیس منٹ کے بعد ہوا۔ جس کے بعد پھر دس منٹ کا پیدل سفر اور ایک جگہ پہنچنے پر اس کی آنکھیں کھول دی گئیں۔ بشیر بکروال اب تک صبر شکر سے بیٹھا رہا تھا۔ اس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ یہ وہی لوگ ہیں جن سے وہ رابطہ کرنا چاہتا ہے لیکن یہ بھی ممکن تھا کہ اس کے ساتھ بھارتی انٹیلی جنس ہی اس کی اصلیت جاننے کے لئے کوئی ڈرامہ نہ رچا رہی ہو۔ یہی سوچ کہ وہ ابھی تک بالکل خاموش رہا تھا۔ یہاں موجود چہروں کو غور سے دیکھنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ ضرور یہ مجاہدین ہی ہیں۔

”کیا نام ہے تمہارا؟“......اس کے سامنے چار پائی پر بیٹھے نوجوانوں میں سے ایک نے سوال کیا۔

”بشیر بکروال......میں سکینہ کا والد ہوں“......

دوسرا فقرہ اس کے منہ سے غیر ارادی طور پر نکل گیا تھا۔ سوال کرنے والے نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

''کبھی اس پر شرم محسوس کی ہے کہ تم سکینہ کے باپ ہو؟''......

بشیر کو یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے پگھلتا سیسہ اس کے کانوں میں انڈیل دیا ہو۔ وہ خاموش رہا۔ اسے اپنا اندر کٹتا محسوس ہو رہا تھا۔ سوال کرنے والا غور سے اس کے چہرے کے بدلتے تاثرات کا جائزہ لے رہا تھا۔

''شاید میری بات تمہیں بری لگی ہے؟'' اس نے دوبارہ کہا۔

''نہیں برخودار......'' بشیر نے ہمت کرتے ہوئے کہا...... ''دکھ تو اس بات کا ہے کہ سب کچھ لٹ جانے کے بعد ہوش آ بھی گیا تو کیا فائدہ...... صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ میں تم لوگوں سے ملنے آ رہا تھا؟''......

''تمہیں علم تھا ہمارے متعلق؟''......

اگلا سوال بڑا ابھرپور اور اچانک ہوا تھا۔

''نہیں......اور ان لوگوں کو بھی نہیں''......

بشیر بکروال نے وضاحت کی۔

''سکینہ کے متعلق جانتے تھے تم''؟...... بڑا چبھتا ہوا سوال کیا تھا اس نے......

''نہیں......اس بات کا دکھ ہے۔ کاش میں پہلے سے جان لیتا''......

بشیر نے ٹھنڈی آہ بھری۔

'' تا کہ اسے بھی......؟ اس مرتبہ دوسرے مجاہد نے ان کی گفتگو میں مداخلت کی تھی اس نے نامکمل فقرہ کہا تھا لیکن بشیر کو یوں لگا جیسے کسی نے پوری قوت سے اس کے دل پر گھونسہ مارا ہو......

''نہیں بیٹا...... ممکن ہے جو ہدایت مجھے اتنا بڑا زخم کھانے کے بعد ملی ہے وہ شاید یہ جان کر ہی مل جاتی کہ میری بیٹی مجاہدہ ہے۔ شاید......''

بشیر کے لہجے کا تاسف نمایاں تھا۔

بشیر سے سوالات کرنے والے بخت خان نے اپنے ساتھی کی طرف دیکھا۔

''ان کے لئے قہوہ لے آؤ''......

دوسرا ساتھی اٹھ کر باہر چلا گیا۔

بشیر اور بخت خان آپس میں باتیں کرتے رہے۔ قہوہ آنے تک بخت خان کو اس بات کا اندازہ ہو گیا تھا کہ بشیر اب ایک بدلا ہوا انسان ہے۔ اور بری طرح پچھتاوے کا شکار...... وہ اپنے ماضی کے گناہوں کا کفارہ اپنی جان دے کر بھی ادا کرنے پر تیار تھا لیکن ایک ہی خواہش کے ساتھ کہ کسی بھی طرح اس کی بیوی اور بیٹی کو سرحد پار پہنچا دیا جائے۔

سکینہ کی رہائی کے لئے ضروری تھا کہ بشیر کا تعلق اپنے سابقہ مالکان سے بنا رہے تا کہ وہ سکینہ کی خبر اور ممکن ہو تو اس مقام سے آگاہ رہے جہاں اسے رکھا گیا تھا۔

''ہم آپ کو واپس چھوڑ رہے ہیں......'' بخت خان نے اسے اگلا پلان سمجھاتے ہوئے کہا۔

''اللہ تمہارا بھلا کرے بیٹا...... میرا دل تو اب ایک لمحے کے لئے بھی ان کی شکل دیکھنے کو نہیں چاہتا''......

بشیر نے کہا۔

''ابھی مجبوری ہے چاچا! وقت آنے پر سارے حساب چکا دیں گے۔ فی الوقت ہمیں سکینہ کو ان بھیڑیوں کے خونی پنجوں سے نکالنا ہے اور ہاں...... اس بات کا خاص خیال رکھنا انہیں تمہاری کسی حرکت پر معمولی سا بھی شک ہو گیا تو سارا کھیل بگڑ جائے گا۔

بخت خان نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''نہیں بیٹا! ایسا نہیں ہوگا۔ میں تمہاری ہر بات کا دھیان رکھوں گا''

بشیر نے اسے مطمئن کیا۔

''ٹھیک ہے آپ چلیں''......

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

بخت خان نے اسے ایک نوجوان کے حوالے کیا۔ جس نے معافی مانگتے ہوئے دوبارہ اس کی آنکھوں پر پٹی باندھی اور پہلے کی طرح اسے کچھ پیدل گھمانے اور پھر موٹر سائیکل پر بٹھانے کے بعد وہ گاؤں کے نزدیک ایک محفوظ ٹھکانے پر چھوڑ کر واپس لوٹ گیا۔

گاؤں واپس آنے تک اس نے ان تمام امکانات کو ذہن نشین کر لیا تھا جن سے ممکنہ واسطے کی صورت میں اسے بخت خان کی متعلقہ ہدایات پر عمل کرنا تھا۔ فی الوقت اس کے لئے ''دیکھو اور انتظار کرو'' کی پالیسی ہی بہترین تھی۔ بخت خان نے اسے یقین دلایا تھا کہ اس کی ملاقات اگلے ایک دو روز میں سرحد پار کے اہم بندے سے کروا دے گا جس کے بعد اسے اپنے بھارتی افسران کو مطمئن کرنے کے لئے اہم ''اطلاعات'' بھی مل جایا کریں گی اور بھارتیوں کو اس بات کا یقین رہے گا کہ وہ ان کے لئے کام کر رہا ہے۔

مجاہدین کے خفیہ ٹھکانے پر مختصر قیام کے دوران اس نے اپنی وفاداری کا یقین دلانے کے لئے ان تک وہ تمام اہم معلومات منتقل کر دی تھیں جو وہ عرصے سے اپنے ذہن میں محفوظ رکھے ہوئے تھا ان معلومات کو کاغذ اور کیسٹ پر منتقل کر لیا گیا تھا اور اسے یقین دلایا گیا تھا کہ اگلے 24 گھنٹوں میں یہ تمام ''معلومات'' سرحد پار پہنچ جائیں گی جو ان کے لئے بہت کارآمد ہوں گی۔

بشیر بکروال کے دل و دماغ پر دھرا بھاری بوجھ کافی حد تک کم ہو گیا تھا اسے امید تھی کہ اس کے حوالے سے سرحد پار اہم معلومات پہنچ گئیں تو اس طرف کے لوگوں کا اعتماد اسے ضرور حاصل ہو جائے گا اور جس نوعیت کی معلومات اس نے فراہم کی تھیں ان کی ''حساسیت'' کو جاننے کے بعد سرحد پار کے لوگ اس کی اہمیت اور اہلیت کے بھی قائل ہو جائیں گے۔ فی الوقت اپنا اعتماد بحال کرنے کا اسے اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ سمجھائی نہیں دیا تھا۔

بخت خان نے اسے ہدایت کی تھی کہ وہ کیپٹن انوج کمار کو اس بات کا یقین دلاتا رہے کہ وہ ابھی تک پہلے کی طرح ان کا وفادار ہے اور اگلے دو دن کے بعد وعدے کے مطابق اپنے مشن پر [illegible]

جائے جہاں اس کے لئے مناسب بندوبست کر لیا جائے گا۔

بخت خان نے اپنے متبادل آپشن نہیں بھلائے تھے۔ وہ جانتا تھا کہ جتنی دیر سکینہ ان وحشیوں کے قبضے میں رہے گی اتنی ہی ان کے لئے مشکلات بڑھتی جائیں گی۔ اس نے ہائی کمان سے سکینہ کی رہائی کے لئے کسی بھی اہم بھارتی عسکری شخصیت کو یرغمال بنانے کی اجازت لے لی تھی اور اب اس کے ساتھی سری نگر سے کسی ایسے فوجی قافلے کی اس طرف آمد کے منتظر تھے جہاں انہیں مطلوبہ ٹارگٹ ہاتھ لگ جائے۔

O

شیپالی کے لئے اب مزید انتظار ناقابل برداشت ہوتا جا رہا تھا۔ وہ انوج کمار کے سامنے اپنی کمزوری بھی ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی البتہ اسے سرپرائز ضرور دینا چاہتی تھی۔ اس کے قیام کی مدت ایک دن ہی کیوں نہ وہ ایک دن بھی کیپٹن انوج کمار کے ساتھ گزارنا چاہتی تھی۔

اس روز جب جنرل اپنے آفس سے گھر واپس لوٹا تو رات ایک پہر ڈھل چکی تھی اور شیپالی کی والدہ جنرل صاحب کی سخت ہدایات کے تحت بروقت دوا لے کر اپنے بیڈ روم میں جا چکی تھی۔

جنرل کا استقبال ان کی صاحبزادی شیپالی نے ڈائننگ روم میں کیا۔

''تھینک یو...... میں نے ڈنر کر لیا تھا۔ تم آرام کرو......''

انہوں نے اپنی بیٹی کو سونے کی ہدایت کی۔

''پپا! کچھ بات کرنی تھی'' ......شیپالی نے اچانک ان کے سامنے آتے ہوئے کہا۔

''صبح کر لینا بھئی...... سنڈے ہے۔ میں گھر پر ہی ہوں'' ......جنرل صاحب کو اندازہ تھا وہ کس قسم کی بات کرے گی یہ تو وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ شیپالی ان سے کیا اجازت مانگنے جا رہی ہے۔

''وہ پپا دراصل مما کے سامنے بات نہیں ہو سکتی ناں'' ......شیپالی نے بڑے لاڈ سے کہا۔

''کم آن ڈارلنگ ایسی کیا بات ہے؟'' ......انہوں نے شیپالی کے دونوں کندھوں پر ہاتھ رکھتے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

ہوئے بڑی محبت سے کہا۔

''پپا! وہ...... بات یہ ہے کہ میں انوج سے ملنے جارہی ہوں؟''

اس نے بالآخر کہہ ہی دیا۔

''What?''...... جنرل نے حیرانگی سے اس کی طرف دیکھا...... ''کیا کہہ رہی ہو...... کارگل جاؤ گی...... بیٹی وہاں جنگ ہورہی ہے''......

''اسی لئے تو جانا چاہتی ہوں پپا...... میں بھی جنرل کی بیٹی ہوں۔ ڈرتی نہیں کسی بات سے...... انوج نے پہلے ہی خدشہ ظاہر کیا تھا کہ شاید آپ مجھے اجازت نہ دیں''......

شیپالی نے جنرل صاحب کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا اور دو تین منٹ بعد ان سے ''ہاں'' کروالی۔

جنرل صاحب نے اسے ماں کو بتائے بغیر اگلے روز دوپہر کو یہاں سے کارگل جانے والے ایک کنوائے میں ایڈجسٹ کرنے کا فیصلہ تھا جس میں آرمی کی کچھ فیملیز بھی جارہی تھیں۔ کیونکہ حالات کارگل میں بھارتی فوج کے دعوے کے مطابق ان کے مکمل کنٹرول میں تھے اور انہوں نے بھارتی علاقے پر قابض مجاہدین اور پاکستانی فوجیوں کو کنٹرول لائن کی طرف پسپا کرنے کے لئے بڑے حملوں کا آغاز کیا ہوا تھا۔ اب وہ اس پوزیشن میں آگئے تھے کہ دشمن صرف ان کے حملوں کا سامنا کرے اور واپس لوٹ جائے وہ پلٹ کر حملہ کرنے کا آپشن کھو چکا تھا کیونکہ بین الاقوامی سطح پر پاکستان کا کیس اندرونی ملکی سیاست اور بعض شخصیات کے ٹکراؤ کی وجہ سے بہت خراب ہوگیا تھا جس کا خمیازہ بہرحال ان سولجرز کو بھگتنا تھا جو اپنے افسران بالا کے احکامات کی تعمیل میں اس بے فیض جہنم میں کودے تھے۔

شیپالی اگلے روز علی الصباح آرمی کنوائے کے درمیان اس بڑی اور کالے شیشوں والی جیپ میں سری نگر سے کارگل کی طرف عازم سفر تھی جس میں ایک کرنل کے بیوی اور دو بچے بھی اس کے ہمراہ موجود تھے۔ جو کافی عرصے بعد اپنے والد سے ملنے جارہے تھے۔ ان کی جیپ کنوائے کے درمیان

چل رہی تھی اور بظاہر کوئی پریشان کن صورتحال نہیں تھی۔ انہیں دن میں ہی سفر کرتے ہوئے تین بجے تک کارگل پہنچ جانا تھا۔

سری نگر سے کارگل تک گزشتہ ایک ڈیڑھ ماہ سے فوجی کنوائے کی مسلسل نقل و حرکت کی وجہ سے سیکورٹی کے انتظامات انتہائی مضبوط ہوگئے تھے۔ پہاڑی راستوں کے ہر قابل ذکر موڑ اور پہاڑی پر متعدد کمانڈوز ''اگروادیوں'' کے اچانک حملے کا مقابلہ کرنے کے لئے بالکل تیار کھڑے تھے اور انہوں نے اب تک تین چار بڑے حملے ناکام بھی کیے تھے۔

شیپالی نے اپنے محبوب کو بھرپور سرپرائز دینے کے لئے ابھی تک اسے یہ اطلاع نہیں دی تھی کہ وہ اس سے ملاقات کرنے آرہی ہے۔ اپنے ہم سفروں کے ساتھ وہ ہنستی کھیلتی عازم سفر تھی۔ سری نگر سے روانہ ہونے انہیں دو گھنٹے ہوچکے تھے جب کنوائے ایک قدرے ہموار علاقے میں رک گیا۔ یہ بھارتی فوجی کی کوئی عارضی کیمپ تھا جس نے جنرل صاحب کی صاحبزادی کی اس قافلے میں موجودگی پر انہیں بطور خاص چائے پیش کرنے کی سعادت حاصل کرنا ضروری جانا۔

ان کے لئے پہلے سے انتظامات مکمل تھے۔ شیپالی کے ''ناں ناں'' کرنے کے باوجود اسے اس ''پرخلوص چائے'' میں شرکت کرنی پڑی۔ سی۔ او کرنل باجوہ نے اسے رجمنٹ کا سوونیئر بھی پیش کیا تھا۔ شیپالی ایسے تکلفات پسند نہیں کرتی تھی لیکن ایک جنرل کی صاحبزادی ہونے کے ناطے وہ ان پر کبھی معترض بھی نہیں رہی تھی۔

''یہ کیا ان لوگوں نے ''اگروادیوں'' کا شور مچا رکھا ہے۔ مجھے تو راستے میں کچھ ایسا دکھائی نہیں دیا۔''

جیپ میں سوار ہوتے ہی اس کی ہم سفر مسز کرنل کپور نے کہا ''بس ایسا ہی ہے''...... شیپالی اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکی۔ گھر کے ماحول نے اسے عسکریات کے حوالے سے کوئی بھی کمنٹس دینے کی خاصی تربیت دے رکھی تھی اور وہ اپنے منہ سے کبھی کوئی ایسی بات نہیں نکالتی تھی جو اس کے والد کے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

لئے پریشانی کا باعث بنے۔

ایک دو اور باتوں کا ایسی ہی سرد مہری سے جواب ملنے کے بعد مسز کپور کو اندازہ ہو گیا کہ شیپالی اس موضوع پر گفتگو سے کترا رہی ہے۔ اس نے بھی بڑے نامحسوس انداز میں شیپالی کو کوئی تاثر دیئے بغیر اپنی توجہ بچوں کی طرف مبذول کر لی۔

O

ان کی منزل بمشکل دس کلومیٹر دور رہ گئی تھی اور بہت دشوار گزار راستہ شروع ہو گیا تھا۔ اب تک گاڑی نے اتنے موڑ کاٹ لئے تھے کہ شیپالی کو اپنا دل ڈوبتا محسوس ہونے لگا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ کچھ دیر کے لئے کارروان یہاں رک جائے لیکن یہ اس کے اختیار میں نہیں تھا۔ اس کی ہمسفر اور ان کے بچوں کی حالت تو اس سے بھی زیادہ خراب تھی۔ شیپالی کی طبیعت مالش کرنے لگی تھی جب اچانک ایک زوردار دھماکے نے ان سب کو ہلا کر رکھ دیا۔

ان کی گاڑی مکمل طور پر تو نہیں الٹی تھی لیکن اس کی ایک سائیڈ پہاڑ سے رگڑ کھانے لگی تھی۔ ڈرائیور نے جو خاصا تجربہ کار دکھائی دے رہا تھا۔ گاڑی روک دی کیونکہ اچانک ان کے آگے پیچھے فائرنگ ہونے لگی تھی۔

مسز کپور کے بچے خوفزدہ ہو کر چلانے لگے تھے۔ خود اس کی حالت بھی غیر ہو رہی تھی۔ شیپالی کے لئے گو کہ یہ لرزا دینے والا تجربہ تھا لیکن اس نے اپنے حواس قائم رکھے۔ ڈرائیور پیشہ ور کمانڈو تھا اس نے اپنے پہلو میں رکھی گن سنبھالی اور دوسرے ہی لمحے وہ پوزیشن لے کر کسی بھی حملے کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار تھا۔ شیپالی نے ہمت کر کے گاڑی کے شیشوں سے باہر جھانکا، باہر کا منظر دھندلا گیا تھا۔ ایسا دکھائی دے رہا تھا جیسے وہاں کسی نے جان بوجھ کر دھوئیں کے بم پھینکے ہوں۔ ان کے ڈرائیور نے گردن موڑ کر ان کی طرف دیکھا۔

''میڈم جی آپ مطمئن رہیں۔ پلیز سیٹوں سے نیچے بیٹھ جائیں۔ بچوں کو فرش پر لٹا دیں۔''

اتنا کہہ کر وہ دروازہ کھول کر گن سمیت باہر نکل گیا۔ اس مرحلے پر اس کا اچانک انہیں چھوڑ کر باہر جانا شیپالی کو پسند نہیں آیا تھا۔

''کہاں جا رہے ہو''...... مسز کپور نے چیخ کر کہا۔

لیکن...... ڈرائیور ان کے سوال کا جواب دینے کے لئے رکا نہیں تھا غالباً وہ اپنی تربیت کے مطابق اقدامات لے رہا تھا۔

''اوہ مائی گاڈ...... یہ تو ہمیں چھوڑ کر بھاگ گیا''...... مسز کپور دوبارہ چیخی۔

''پلیز مسز کپور...... حوصلہ رکھیں۔ کہیں نہیں بھاگا وہ...... پوزیشن لے رہا ہوگا...... آپ سولجر کی وائف ہیں پلیز...... اپنے بچوں کا خیال کریں۔'' شیپالی کو مسز کپور کی گھبراہٹ پر غصہ آنے لگا تھا۔

مسز کپور نے گھبرائی ہوئی اور خوفزدہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور اپنے بچوں کو اپنے ساتھ چمٹا لیا۔

فائرنگ میں شدت آ گئی تھی۔ یوں محسوس ہو رہا تھا۔ جیسے بھارتی فوجی حملہ آوروں پر اپنے پاس موجود ہتھیار استعمال کر رہے تھے اور ان کا قلع قمع کرنے پر تلے تھے۔ فائرنگ کی آوازوں سے بچے گھبرا کر چیخنے لگے تھے۔ شیپالی انہیں حوصلہ دلا رہی تھی گو کہ وہ خود بھی پریشان تھی لیکن خوفزدہ نہیں اس نے بہرحال اپنے اعصاب پر قابو رکھا تھا۔

کھڑکی کا شیشہ نیچے کرنے پر اسے باہر کا منظر بڑا دھندلا دکھائی دیا۔ دھواں اندر آنے لگا تھا جس پر اس نے دوبارہ شیشہ چڑھا دیا۔ اچانک ہی انہیں ایسا محسوس ہوا جیسے گاڑی کو زوردار جھٹکا لگا ہو۔ شیپالی کا اندازہ درست تھا کسی نے اس کے ٹائروں پر فائرنگ کر کے انہیں پھاڑ دیا تھا۔ اس مرتبہ بچوں کے ساتھ ساتھ مسز کپور بھی زور سے چیخی تھی لیکن شیپالی نے بڑی ہمت سے خود پر قابو رکھا۔

اچانک ہی ان کی گاڑی کا دروازہ کھلا۔ باہر دو نقاب پوش موجود تھے۔ جن کی شکل پر نظر پڑتے ہی مسز کپور پر کپکپی طاری ہو گئی۔ انہوں نے فوراً اپنے بچوں کو اپنے ساتھ لپٹا لیا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

''آپ باہر آجائیں۔'' ایک نقاب پوش نے شیپالی کی طرف گن سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

شیپالی اپنی جگہ بیٹھی رہی۔ وہ خوفزدہ تھی۔ سمجھ نہیں آرہی تھی کہ اس اچانک نازل ہونے والی بلائے ناگہانی سے کیسے نمٹے گی۔

''پلیز آپ باہر آجائیں''۔ دوسری مرتبہ پھر بڑے مہذب لہجے میں کہا گیا لیکن شیپالی کے لئے فی الوقت اپنی جگہ سے اپنی مرضی سے جنبش کرنا ہی ممکن نہیں رہا تھا۔

''ہمارے پاس وقت نہیں۔ بچوں کی جان خطرے میں نہ ڈالیں آپ سے گزارش ہے کہ فوراً باہر آجائیں۔''

اس مرتبہ بات کرنے والے کے لہجے میں جانے کیا چھپا تھا کہ کہ شیپالی کسی میکانکی عمل کے تابع اپنی جگہ سے اٹھی اور نیچے اتر آئی۔ نقاب پوشوں میں سے ایک نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے پہاڑی کے ڈھلوان کی طرف لے جانے لگا۔

شیپالی کے لئے حیران کن بات یہ تھی کہ یہاں چاروں طرف گولیاں چلنے کی آوازیں آرہی تھیں لیکن ان کے اردگرد کوئی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

''کیا ان لوگوں کو ہماری خبر نہیں؟ کیا وہ صرف اپنی جان بچانے پر لگے ہیں''۔ اس سوچ نے اسے لرزا کر رکھ دیا۔ اس کے لئے مزاحمت ممکن ہی نہیں تھی۔ اس کا دماغ تو یہ سوچ سوچ کر سن ہو رہا تھا کہ آخر بھارتی فوجی کہاں گئے؟ ان کی گاڑی کے آگے پیچھے فوجی گاڑیوں میں مسلح اور مستعد جوان بیٹھے تھے اور انہیں اس بات کا بھی علم تھا کہ ایک جنرل کی بیٹی ان کے ساتھ سفر کر رہی ہے پھر کوتاہی کہاں ہوئی؟ انہوں نے آخر انہیں نظر انداز کیسے کر دیا؟

''اگر زندہ بچ گئی تو ایک ایک کا کورٹ مارشل کرواؤں گی''۔

اچانک ہی اسے غصہ آگیا۔

''کیا بات ہے؟ کون ہو تم؟ کہاں لے جا رہے ہو مجھے؟''۔ اس نے غصے سے چیختے ہوئے اپنا

بازو اس ہاتھ کی گرفت سے چھڑانا چاہا لیکن ناکام رہی۔

''چپ چاپ چلتی رہو...... ہم عورتوں کا احترام کرتے ہیں...... ہمیں مجبور نہ کرنا'' نقاب پوش نے اس کی طرف اس طرح دیکھا کہ شیپالی کو اس کی آنکھیں اپنے وجود میں دھنسنے کا احساس ہوا۔

O

یہاں سے ''اگروادیوں'' کے خفیہ ٹھکانہ تک کا سفر اس کے لئے بھیانک خواب بن گیا تھا۔ اس کے اندازے کے مطابق شیپالی نے مسلسل دو گھنٹے سفر کیا تھا اور وہ بھی آنکھوں پر پٹی باندھ کر۔ غصے سے اس کا دماغ پھٹ رہا تھا۔ یہی غصہ اس کے خوف پر غالب آگیا تھا۔

اس وقت وہ کہاں تھی؟ اس کا اسے نہ علم تھا نہ اندازہ...... ابھی تک تو اغوا کرنے والوں نے اپنا باقاعدہ تعارف بھی نہیں کروایا تھا۔ وہ ایک چھوٹے سے کمرے میں ضرور موجود تھی جس کے صرف اندر کا ماحول اسے دکھائی دے رہا تھا اس کی ایک کھڑکی تھی جو خدا جانے کب سے بند تھی۔ کمرے میں ایک چارپائی، ایک کرسی، میز اور دو تین چھوٹے چھوٹے سٹول پڑے تھے۔ اسے کرسی پر بٹھایا گیا تھا۔ کمرے کا دروازہ بند تھا جسے شیپالی نے اٹھ کر کھولنے کی کوشش اس لئے نہیں کی تھی کہ اس طرح اس کے لئے کوئی نیا عذاب نہ کھڑا ہو جائے۔

اچانک ہی دروازہ کھلا اور بند ہو گیا۔

کمانڈر بخت خان اور ایک خاتون اندر آئے تھے۔ جنہوں نے اپنے عقب میں دروازہ بند کر دیا تھا۔

شیپالی اسے دیکھتے ہی غصے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

''بیٹھ جایئے پلیز!''......

اس کے کچھ بولنے سے پہلے ہی بخت خان نے کہا خدا جانے اس کے لہجے میں کیا چھپا تھا کہ شیپالی انہی قدموں پر بیٹھ گئی۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

''مجھے علم ہے آپ کے ذہن میں کتنے سوالات ہیں؟ میں آپ کو سب کا جواب دوں گا لیکن سب سے پہلے میں آپ سے معافی مانگتا ہوں کہ آپ کو اس پریشان کن صورتحال کا سامنا ہوا۔ یقین کیجئے ہم خواتین کا بہت احترام کرتے ہیں......''

''اس کا اندازہ اپنے اغوا سے مجھے ہو گیا ہے''......شپالی نے غصے اور طنز سے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا جبکہ اس کے انداز گفتگو سے متاثر ہونے کے بجائے حیران ہو رہی تھی کہ دہشت گرد کب سے ایسی مہذب گفتگو کرنے لگے۔

''جب آپ میری پوری بات سن لیں گی تو شاید آپ کو یہ برا نہ لگے۔ بخت خان نے اس لہجے میں کہا البتہ خاتون نے پہلی مرتبہ اس کی طرف بھرپور نظروں سے دیکھا تھا۔

''میں آپ کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ آپ کے والد کو بھی......اور کیپٹن انوج کمار کو بھی......''

جیسے ہی اس کی زبان سے یہ لفظ ادا ہوئے شپالی کو یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے پگھلتا سیسہ اس کے کانوں میں انڈھیل دیا ہو۔''اس کا تو مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کی رسائی بہت دور تک ہے۔ انڈین آرمی کے اندران کے ہمدرد موجود ہیں۔ کسی نادیدہ قوت نے اس کے کانوں میں سرگوشی کی۔ شپالی کے لئے اس کی بات جھٹلانا ممکن نہیں تھا۔ جو شخص اتنا پراعتماد ہو کر اس سے بات کر رہا تھا یقیناً وہ بہت کچھ جانتا ہوگا۔

''میری آپ، آپ کے والد، یا آپ کے منگیتر سے کوئی دشمنی نہیں۔ ہم کبھی عورت کو یرغمال بنا کر اپنے مطالبات پورا بھی نہیں کرواتے لیکن اس مرتبہ بات کچھ ایسی ہے جس نے ہمیں مجبور کر دیا......''

بخت خان نے اپنی بات مکمل کرنے کے بعد شپالی کی آنکھوں میں جھانکا جہاں اب غصے کی جگہ تجسس نے لے لی تھی۔

''آپ کے منگیتر نے ہماری ایک بہن کو اٹھا لیا ہے۔ اس پر ظلم وستم توڑ رہے ہیں محض اس الزام میں کہ ہم نے اس سے کبھی سبزی یا دودھ کیوں خریدا تھا ممکن ہے اس بے چاری کو اس کا علم ہی نہ رہا ہو

کہ ہم کون ہیں؟ ہم تو کسی سے بھی ضروریات زندگی خرید سکتے ہیں......

بخت خان نے شپالی سے کہا اور خاموش ہو کر اس کا جائزہ لینے لگا۔ شپالی کچھ الجھی الجھی دکھائی دے رہی تھی شاید بخت خان کی باتوں سے متاثر ہو گئی تھی۔

''مجھ سے کیا چاہتے ہیں آپ؟'' اس نے بخت خان سے سیدھا سوال کر دیا جبکہ اسے اس کا جواب بھی پہلے سے معلوم تھا۔''

''آپ کیپٹن انوج کمار کو یہ پیغام دے دیں کہ ابھی معاملہ ہمارے اور اس کے درمیان ہے۔ اگر وہ سکینہ کو رہا کر دیں تو ہم آپ کو رہا کر دیں گے۔''

بخت خان نے کہا۔

''اگر ایسا ممکن نہ ہوا؟ مم میرا مطلب ہے یہ اس کے اختیار میں تو نہیں۔ جب تم اتنا کچھ جانتے ہو تو یہ بھی جانتے ہو گے کہ یہ فیصلہ وہ اکیلا نہیں کر سکتا۔''

''ابھی میں آپ کے سوال کا جواب نہیں دے سکتا صرف اتنا کہوں گا کہ اس صورت میں آپ کی قسمت کا فیصلہ بھی میرے ہاتھوں میں نہیں رہے گا۔ ہم بھی ایک سسٹم کے تابع ہیں کیپٹن صاحب کی طرح......اور یہ جنگ ہے۔ اس میں کچھ بھی ممکن ہے۔ وہ سکینہ کو نہ اٹھاتے تو شاید ہم بھی آپ کو بھی زحمت نہ دیتے''......بخت خان نے قدرے سرد لہجے میں یہ بات کہی تھی۔

شپالی نے اس سے بہت کچھ پوچھنا چاہتی تھی لیکن فی الوقت اس نے کوئی بھی سوال کر کے صورتحال کو الجھانا مناسب نہ جانا۔ ان لوگوں نے ابھی تک اس کے ساتھ کچھ ایسا سلوک نہیں کیا تھا جس سے شپالی ان کے متعلق کوئی غلط رائے قائم کرتی۔ اگر اس کا اغوا ہوا تھا تو اس لئے کہ ان ''اگروادیوں'' کے مطابق اس کے منگیتر نے ان کی ایک ساتھی سکینہ کو حراست میں لیا تھا اور کسی بھی ''اگروادی لڑکی'' کو حراست میں لینے کے بعد اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا ہے اس کا اندازہ اسے اچھی طرح تھا وہ جانتی تھی کہ گرفتار ہونے والے دشمن کے ساتھ ایک جیسا ہی سلوک کیا جاتا ہے خواہ وہ

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

عورت ہو یا مرد...... اسے اس بات کا بھی علم تھا کہ سکینہ کوئی معصوم یا بے گناہ لڑکی نہیں ہو گی۔ ان دہشت گردوں کا کسی بھی طرح ساتھ دینا ان کی مدد کرنا بھی اتنا ہی بڑا جرم تھا جتنا کہ خود دہشت گرد ہونا۔ یہ لوگ ''دیش دروھی'' (غدار) تھے اور اس سلوک کے مستحق تھے لیکن کیا وہ اس سلوک کی مستحق تھی جو اس کے ساتھ ہوا؟

یہ سوچ اسے غصے سے بے تاب کر دیتی تھی۔ وہ انڈین آرمی کے جرنیل کی بیٹی تھی اور ایک فوجی کنوائے کے ساتھ سفر کر رہی تھی جس کے عین درمیان سے کسی بے بس مرغی کی طرح اس کی گردن پکڑ کر اسے یہ لوگ کہاں لے آئے تھے۔ اتنے لمبے ہاتھ ہیں ان لوگوں کے؟ ضرور ان کو فوج کے اندر سے اطلاعات ملتی ہیں یا پھر ان کا اپنا نیٹ ورک اتنا مضبوط ہے۔ کہ انہیں سری نگر سے کارگل کی طرف آنے والے فوجی قافلوں کے پل پل کی نہ صرف خبر رہتی ہے بلکہ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ اس قافلے میں کون سفر کر رہا ہے؟

لیکن کیپٹن انوج کمار اور اس کے درمیان تعلق کا علم انہیں کیسے ہوا؟ اس سوال نے اسے چکرا کر رکھ دیا تھا۔

اس نے تو کبھی اس کا تذکرہ کھلے عام نہیں کیا تھا البتہ فوج کے مخصوص حلقے میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ ان دونوں کے درمیان تعلقات موجود ہیں۔ دونوں نہ صرف اچھے دوست ہیں بلکہ دونوں کی شادی بھی جلدی ہونے والی ہے۔

لڑکی جو کچھ دیر پہلے باہر چلی گئی تھی۔ واپس لوٹی تو اس نے ایک ٹرے اٹھا رکھی تھی جس میں تازہ کھانا موجود تھا۔ جو اس نے میز پر رکھ دیا اور احتراماً پیچھے ہٹ گئی۔

''کھانا کھالیں...... میری درخواست ہوگی کہ آپ کوئی ایڈونچر نہ کریں آپ کی ذات کو کوئی بھی نقصان پہنچا تو کم از کم مجھے بہت دکھ اور افسوس ہوگا۔ ہم آپ سے ایک گھنٹے بعد ملیں گے۔''

بخت خان یہ کہہ کر اس کا جواب سنے بغیر باہر چلا گیا وہ اپنی گفتگو سے شیپالی کو دہشت گرد سے

زیادہ فلسفی یا پھر سیاستدان دکھائی دیا تھا۔

''یہ سب دہشت گرد ایسے ہی ہوتے ہیں...... اپنے جرم کے لئے ان کو جواز تو چاہیے اور دوسروں کے سامنے خود کو مہذب اور سچا ثابت کرنے کے لئے اس ڈرامہ بازی کی ضرورت کیا ہے؟ اس نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

پہاڑی علاقے میں سفر کے لئے اس نے اپنا معدہ خالی رکھا تھا بصورت دیگر اس کی طبیعت خراب ہونے لگتی تھی۔ راستے میں بھی اس نے صرف کافی پی تھی اور مسز کپور کے بضد ہونے پر ایک بسکٹ کھا لیا تھا۔ اسے بھوک لگی تھی جو اس حادثے نے غائب کر دی اور اس کی جگہ اب پریشانی نے لے لی تھی۔ ابھی تک یہ لوگ شیپالی سے بہت مہذب انداز میں پیش آ رہے تھے لیکن ان کے اطوار سے شیپالی کو اس بات کا بخوبی انداز ہو گیا تھا کہ وہ جو کہتے ہیں وہ کر گزریں گے خواہ اس کی کچھ بھی قیمت ادا کرنی پڑے۔ اسے اگر سکینہ کی رہائی کے لئے اغوا کیا گیا تھا تو وہ ضرور سکینہ کو رہا کرائیں گے۔

اگر ایسا نہ ہوا تو؟

اس سوال نے شیپالی کو لرزا کر رکھ دیا۔

وہ جانتی تھی کہ بھارتی حکومت نے یہ پالیسی بنائی ہے کہ وہ دہشت گردوں کے آگے نہیں جھکیں گے؟ لیکن اسے اس بات کا بھی علم تھا کہ کبھی کبھی یہ لوگ اہم بھارتی شخصیات جن کا تعلق خصوصاً حکومت سے ہوتا ہے کو اغوا کر کے اپنے کسی نہ کسی ساتھی کو رہا کروا لیتے ہیں۔ یہ سارے معاملات پریس کے علم میں لائے بغیر ہو رہے تھے خود حکومت بھی اپنی سبکی کے پیش نظر یہ نہیں چاہتی تھی کہ ایسی کوئی بھی ''ڈیل'' عوام تک پہنچے یہ الگ بات کہ کچھ عرصہ بعد کسی نہ کسی طرح افواہ کی صورت میں یہ بات عوام کے سامنے آ ہی جاتی تھی۔

شیپالی کو کبھی فوجی زندگی سے کچھ خاص دلچسپی نہیں رہی تھی لیکن اس نے کسی بھی مصیبت میں

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

حوصلہ نہ ہارنے کا سبق اپنے باپ سے اچھی طرح سیکھ لیا تھا۔ اس نے خود کو حوصلہ دیا اور یہ سوچ کر خود کو مطمئن کرنے کی کوشش کی کہ ضرور اس کو ان اگروادیوں کے چنگل سے رہائی مل جائے گی اور وہ اپنے گھر پہنچ جائے گی۔

وہ خود کو ان لوگوں کے سامنے کمزور ظاہر کرنا نہیں چاہتی تھی یہی سوچ کہ اس نے کھانے کی طرف توجہ دی اور کھانا شروع کر دیا۔

O

بشیر بکروال گھر میں موجود تھا لیکن حیرت انگیز طور پر اس وقت گھر میں اس کی غمزدہ بیوی اور کام کرنے والی دو لڑکیوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ جب سے گاؤں کے لوگوں کو اس کی بیٹی کی گرفتاری کا علم ہوا تھا انہوں نے خوف کے مارے اس سے ملنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ یہ بے چارے بے بس بے کشمیری جانتے تھے کہ اگر کسی کو اس بات کا معمولی سا شک بھی ہو گیا کہ انہیں بشیر یا اس کی بیٹی سے کوئی ہمدردی ہے تو اس کی قیمت ان کے تصور سے زیادہ ادا کرنی پڑے گی۔

بشیر کی بیوی نے اس بات کو شدت سے محسوس کیا تھا کہ یہ اس میں ان لوگوں کا کوئی قصور نہیں وہ بے چارے اس قابل نہیں تھے کہ پولیس کا تشدد برداشت کر سکتے۔ گاؤں کی وہ تین چار لڑکیاں جن سے سکینہ کی دوستی تھی ان کو ان کے رشتہ داروں نے دوسرے دیہاتوں میں اپنے عزیزوں کے پاس بھیج دیا تھا۔ انہیں ڈر تھا کہ ان کی بچیوں کو بھی تفتیش کے بہانے پکڑ کر بے عزت نہ کیا جائے۔

بشیر بکروال اکیلا اپنی بیٹھک میں سر جھکائے بیٹھا تھا جب قدموں کی آہٹ پر اس نے اپنا سر اٹھایا تو ایک نوجوان کو اپنے قریب کھڑا پایا۔ اچانک کسی کو اپنے گھر کے اندر اپنے سامنے دیکھ کر وہ گھبرا گیا۔

''گھبراؤ نہیں چاچا۔ میں آپ کا دشمن نہیں۔

بشیر نے غور سے دیکھا تو شکل کچھ جانی پہچانی دکھائی دی۔ اسے یاد آ گیا اس نوجوان کو اس نے مجاہدین کے ساتھ دیکھا تھا اس کی یادداشت غضب کی تھی اور ایک مرتبہ دیکھا ہوا چہرہ وہ کبھی نہیں بھولتا

تھا۔

''معافی چاہتا ہوں کہ میں اس طرح اچانک آ گیا...... لیکن میری آمد کی خبر کسی کو نہیں ہونی چاہیے تھی اس لئے یہ کچھ کرنا پڑا'' نوجوان نے وضاحت کی اور اس کے سامنے والی چارپائی پر بیٹھ گیا۔

''خیر تو ہے ناں......'' بشیر نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں بشیر چاچا...... آپ کو فوراً یہاں سے نکلنے کی تیاری کرنا ہے اور ہاں چاچی اور ایک بیگ میں ضروری سامان بھی ساتھ رکھ لیں۔ ممکن ہے اب دوبارہ یہاں واپس آنے کا موقعہ نہ ملے۔''

نوجوان نے بڑے پرسکون لہجے میں کہا۔

''مم میں سمجھا نہیں......'' بشیر بوکھلا گیا۔

''خود کو نارمل رکھیں۔ گھبرانے والی کوئی بات نہیں۔ فی الوقت آپ کی جان کی حفاظت کے لئے ضروری ہے کہ آپ وہی کریں جو میں کہہ رہا ہوں۔ تفصیلات آپکو بتا دیں گے۔ ہمارے پاس تیاری کے لئے صرف آدھا گھنٹہ ہے۔''

نوجوان اسے اس طرح بریفنگ دے رہا تھا جیسے بشیر کوئی چھوٹی عمر کا بچہ ہو۔ بشیر نے بھی کچی گولیاں نہیں کھیلی تھیں۔ اس کے نہ بتانے کے باوجود یہ بات تو بشیر کی اچھی طرح سمجھ میں آ گئی تھی کہ ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔ یہ لوگ اس سے زیادہ خبردار اور ہوشیار تھے اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ فی الوقت ان کی بات پر عمل کرنے کے علاوہ اس کے پاس اور کوئی راستہ بھی باقی نہیں بچا۔

وقت کم تھا......

اسے فوراً اپنی زندگی کا اہم ترین فیصلہ کرنا تھا۔ وہ تو یہ فیصلہ کر چکا تھا لیکن اپنی بیوی کو کیا بتائے؟ کیسے سمجھائے؟ یہ سوچ اسے پریشان کر رہی تھی۔

''تم یہیں ٹھہرو گے؟'' اس نے نوجوان سے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

''نہیں...... میں مکان کے باہر جا رہا ہوں لیکن ہم یہاں موجود ہیں اور ہماری حالات پر مکمل نظر

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

ہے...... جیسے ہی تم گھر کے دروازے سے باہر نکلو گے۔ ہم تمہیں سنبھال لیں گے۔ مجھے علم ہے کہ چاچی کو سمجھانا آپ کے لئے مشکل ہوگا لیکن یقین مانیے اس کے سوا کوئی راستہ باقی نہیں بچا۔ ہمارا قیام خطرات میں مسلسل اضافہ کر رہا ہے۔ جلدی کیجئے۔ اچھا اللہ کے حوالے...... میں باہر کھڑا ہوتا ہوں''......

یہ کہہ کر وہ خاموشی سے جس طرح آیا تھا اس طرح واپس لوٹ گیا۔

O

بشیرا ابھی تک اپنی جگہ ساکت و جامد کھڑا تھا۔ اسے یہ تو علم اور احساس تھا کہ اس کے لئے فی الوقت ان مجاہدین کی ہدایت یا حکم پر عمل ہی واحد راستہ ہے لیکن وہ یہ کیسے کر پائے گا؟ اپنی بیوی کو کیا بتائے گا؟ وہ تو سکینہ کے غم میں ویسے ہی نیم جان ہو چکی ہے۔

''بشیر! حوصلہ کر...... اگر قدرت کو تجھ پر رحم آ گیا ہے اور اس نے تیرے گناہ معاف کر دیئے ہیں تو ایک لمحہ ضائع کیے بغیر وقت سے فائدہ اٹھا''۔

کسی نادیدہ طاقت نے اس کے کانوں میں سرگوشی کی۔ بشیر مضبوط ارادے سے اٹھا اور اپنی بیوی کے پاس پہنچ گیا۔

''صغراں...... چل اٹھ''...... اس نے ایک چارپائی پر قرآن پاک پڑھتی اپنی بیوی کو مخاطب کیا جس نے لڑکیوں کو چھٹی دے کر گھروں کو بھیج دیا تھا۔ کیونکہ سورج ڈھلنے والا تھا۔

صغراں نے حیرانگی سے اس کی طرف دیکھا۔

''کہاں جانا ہے؟'' اس نے صرف ایک سوال کیا۔

''خدا کے لئے ابھی کوئی سوال نہ کرنا...... میرے پاس ابھی کسی سوال کا جواب نہیں...... صغراں میں نے زندگی میں کوئی ایسا عمل تو نہیں کیا جس پر فخر کر سکوں لیکن تمہاری اور میری بچی کی دعائیں رنگ لے آئی ہیں۔ فی الوقت میں اس کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتا...... جلد ہی تمہیں تمام باتوں کا علم ہو

جائے گا''۔

اس نے صغراں کی طرف بھیگی آنکھوں سے دیکھ کر کہا۔

صغراں نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا۔ اسے اپنے خاوند کے کرتوتوں کا اچھی طرح علم تھا۔ لیکن آج نجانے کیوں وہ اسے گناہگار کے بجائے ایک ستم رسیدہ انسان دکھائی دے رہا تھا۔

چلو...... اس نے کہا اور قرآن پاک بند کر کے پرچھتی پر رکھ دیا۔

بشیر بکروال نے کل ہی اس دن کے لئے تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ اس نے ایک بڑا بیگ اپنی بیوی کے علم میں لائے بغیر تیار کر لیا تھا جس میں تمام زیورات، نقدی اور کام کی چیزیں موجود تھیں۔ ایک دوسرا بیگ انہوں نے ضروری کپڑوں سے بھر لیا اور گھر سے باہر آ گئے۔ ابھی وہ بمشکل گھر کے دروازے تک پہنچے تھے جب وہی نوجوان ایک کونے سے نمودار ہوا اس نے بشیر کی بیوی کو احترام سے سلام کیا اور دونوں اس کی رہنمائی میں اس محفوظ راستے سے گاؤں کے باہر آ گئے جہاں کوئی بھی گاؤں والا انہیں دکھائی نہیں دیا تھا۔ سب سردی اور خوف سے سرِ شام ہی اپنے گھروں میں سمٹ گئے تھے۔

عام حالات میں شاید اس کی گھر سے غیر موجودگی کا انکشاف اگلے چند منٹ میں ہو جاتا لیکن اب چونکہ سارے گاؤں نے ایک طرح سے اس کا بائیکاٹ کر رکھا تھا اب وہ گاؤں کا چوہدری یا سرپنچ نہیں بلکہ ایک معتوب کشمیری تھا جس سے کسی کا کوئی بھی معمولی تعلق اس کے لئے مسائل کھڑے کر سکتا تھا۔ سچی بات تو یہ تھی کہ فی الوقت لوگوں کا یہ رویہ اس کے لئے زحمت کے بجائے باعث رحمت بن گیا تھا۔

اس کی بیوی سحر زدہ معمول کی طرح اس کے ساتھ چل رہی تھی گو کہ وہ ذہنی طور پر بالکل غیر حاضر تھی لیکن اپنی بیٹی کی گرفتاری کے بعد سے تو اسے واقعی اپنے تن بدن کا ہوش نہیں رہا تھا لیکن اب جب مصیبت نے ہر طرف سے ان کا گھیراؤ کر لیا تھا تو اس میں قدرتی طور پر حالات سے نمٹنے کے لئے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

ہمت بھی آ گئی تھی۔

گاؤں سے باہر اب پہاڑی سلسلہ شروع ہو گیا تھا قریباً آدھا گھنٹہ پیدل چلنے کے بعد وہ اس سلسلے میں ایک ایسی جگہ پہنچ گئے تھے جہاں پہلے سے تین نوجوان ان کے منتظر تھے۔ ایک طرف دو گھوڑے بندھے کھڑے تھے۔ انہوں نے ”ناں ناں“ کرنے کے باوجود دونوں کو گھوڑوں پر بٹھایا اور پہاڑی سلسلے میں ان کا سفر شروع ہو گیا۔ اس سفر کا اختتام قریباً تین گھنٹے بعد مجاہدین کی ایک محفوظ پناہ گاہ پر ہوا تھا۔

صغراں تھک چکی تھی۔ لیکن یہاں پہنچ کر انہیں پہلی مرتبہ سکون اور حفاظت کا احساس ہوا۔ ایک بے نام سی طمانیت نے ان دونوں کو قدرے مطمئن کر دیا تھا۔ اس ٹھکانے پر دو مجاہدین لڑکیاں بھی موجود تھیں دونوں نے صغراں کا استقبال اپنی ماں کی طرح کیا۔ اس کے منع کرنے کے باوجود اس کا بدن دباتی رہیں اور دونوں کو کھانا اور قہوہ دینے کے بعد آرام کرنے کا مشورہ دیا۔

عین ان لمحات میں بخت خان کی آمد ہوئی۔ جس کی زبانی اسے علم ہوا کہ کیپٹن انوج کمار کی محبوبہ اور منگیتر شیپالی ان کے قبضے میں ہے۔ جس کے بدلے وہ انشاء اللہ سکینہ کو رہا کروائیں گے اور اس کے بعد تینوں کو وعدے کے مطابق سرحد کے دوسری طرف پاکستان پہنچا دیا جائے گا۔

بشیر بکروال کی بیوی کے لئے تو یہ باتیں بہت عجیب وغریب اور حیران کن تھیں لیکن جب بشیر کو علم ہوا کہ شیپالی ان کے پاس موجود ہے تو اس کے دل نے گواہی دی کہ اب اس کی بچی ضرور ان سے آن ملے گی کیونکہ شیپالی کیپٹن انوج کمار کی محبوبہ اور منگیتر ہی نہیں جنرل کلونت سنگھ کی بیٹی بھی ہے۔ جس کی رہائی کی وہ کوئی بھی قیمت ادا کریں گے اگر یہ خبر میڈیا تک پہنچ گئی تو ان کی بے حد بدنامی ہو گی اور فوج کا رہا سہا بھرم بھی خاک میں مل جائے گا۔

بخت خان انہیں وہیں انتظار کرنے اور دعا کرنے کی تلقین کے ساتھ واپس چلا گیا اور دونوں اللہ کے آگے سجدہ ریز ہو گئے۔

O

شیپالی نے کھانا کھالیا تھا۔ اس کے لئے بطور خاص کھانے کے بعد کافی بھی آئی تھی جو اس نے فوراً پی لی۔

”مہذب نظر آنے کی کوشش کر رہے ہیں کمبخت“

اس نے دل ہی دل میں کہا۔

وہ کھانے سے فارغ ہو کر کرسی پر بیٹھ گئی جب لڑکی، بخت خان اور ایک کیمرہ مین اندر آئے۔

شیپالی سنبھل گئی۔

”آپ کو ایک پیغام ریکارڈ کروانا ہے۔ لیکن صرف وہی جو ہم آپ کو لکھ کر دے رہے ہیں۔ میری درخواست ہے اس سے کم یا زیادہ ایک لفظ بھی ادا نہ کیجئے“...... بخت خان نے اسے مخاطب کیا۔

شیپالی نے کچھ لمحے کے لئے خاموشی اختیار کی۔

”او۔ کے“......اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

لڑکی نے کالر مائیک اس کی قمیض میں لگا دیا۔ خاصے تجربہ کار لوگ دکھائی دے رہے تھے اس کے ساتھ ہی انگریزی زبان میں ٹائپ ایک کاغذ اسے تھما دیا گیا جسے شیپالی نے دو مرتبہ پڑھا۔ اس میں شیپالی کی طرف سے کہا گیا تھا کہ اسے مجاہدین نے اغوا کر لیا ہے اور رہائی کے بدلے سکینہ کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ان کا کوئی مطالبہ نہیں۔ ان کا جواب لینے کے لئے 24 گھنٹے بعد رابطہ کیا جائے گا۔ اگر 24 گھنٹے تک وہ لوگ کسی نتیجے پر نہ پہنچے تو فوراً یہ سی۔ ڈی میڈیا کو دنیا بھر میں جاری کر دی جائے گی۔ جس کے بعد تازہ مطالبات پیش کیے جائیں گے۔

شیپالی نے لفظ بلفظ وہی کہا تھا جس کا مطالبہ کیا گیا لیکن وہ ان لوگوں کی چالاکی پر حیران رہ گئی انہوں نے ایسا شاندار منصوبہ بنایا تھا جس میں ناکامی کے بظاہر کوئی چانس دکھائی نہیں دے رہے تھے جس کسی نے بھی یہ پلان بنایا تھا بلا کا ذہین انسان تھا۔ اس نے ایک ہی وقت میں بھارتی فوج کے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

ساتھ کئی داؤ کھیلے تھے جن میں سے کسی ایک میں فوج کے پھنس جانے کے امکانات موجود تھے......
کارگل کی لڑائی چل رہی تھی۔ بھارتی فوجیوں کی لاشوں کے جہاز بھارت کے مختلف ایئرپورٹس پر مسلسل لینڈ کر رہے تھے اور عوام میں فوج کے خلاف بددلی بڑھ رہی تھی۔ میڈیا کارگل پر پاکستانیوں کے قبضے کے حوالے سے عجیب وغریب سوالات اٹھا رہا تھا۔ فوج کی ساکھ داؤ پر لگی تھی اگر اس منظر نامے میں شیپالی کے اغوا کی خبر بھی سامنے آجاتی تو کیا ہوگا؟

اس ریکارڈنگ کے بعد اسے کم از کم اس بات کی امید تو ضرور بندھ گئی تھی کہ اگلے دو تین روز کے بعد وہ رہا ضرور ہو جائے گی۔

O

میجر جنرل کلونت سنگھ کو یہ سی ڈی گھر پر علی الصباح موصول ہوئی تھی اور یہ بتایا گیا تھا کہ متعلقہ اتھارٹیز سے دو روز بعد دن میں دس بجے رابطہ قائم کیا جائے گا۔ اور اب گیند ان کے کورٹ میں ہے اگر انہوں نے خاموشی سے معاملات طے کر لئے تو فریقین کا بھلا اس میں ہے بصورت دیگر ان کے پاس بہت سے آپشن موجود ہیں۔ خط میں یہ بات زور دے کر کہی گئی تھی کہ اب شیپالی اس صورت میں اپنے باپ سے مل سکے گی جب سکینہ مجاہدین تک پہنچ جائے گی۔

جنرل سنگھ کے لئے یہ سی۔ ڈی ایک دھماکہ تھا جو ٹائم بم کی طرح اس کے اعصاب پر پھٹا۔ یہ خبر تو اسے مل چکی تھی کہ سری نگر سے کارگل جانے والے کنوائے پر مجاہدین نے حملہ کیا ہے لیکن مکمل تفصیلات اس تک نہیں پہنچی تھیں۔ اس نے ابھی تک شیپالی کی ماں کو یہ نہیں بتایا تھا کہ ان کی بیٹی کہاں ہے؟ اسے وہ کیا بتاتا؟

ابھی بمشکل وہ آفس پہنچا تھا کہ خصوصی فون کی گھنٹی بجنے لگی اسے فوراً فیلڈ ہیڈ کوارٹر پہنچنے کی ہدایت کی گئی تھی جہاں ''را'' چیف کے علاوہ بہت سی اہم شخصیات ایک ایمرجنسی کرائسس روم میں اکٹھی ہو رہی تھیں۔ یہ عمل بمشکل آدھے گھنٹے میں مکمل ہو گیا کیونکہ ''را'' کا چیف ان دنوں سری نگر کے دورے

پر تھا۔ دلی ہیڈ کوارٹر سے ویڈیو کانفرنس کے ذریعے ان کا رابطہ بحال ہو گیا تھا۔
ایک ایک لمحے کی رپورٹ ان کے سامنے آ رہی تھی۔ ''را'' کا چیف سب سے زیادہ غصے میں دکھائی دے رہا تھا۔ ان کے لئے سب سے بڑی کمزوری یہی تھی کہ شیپالی کوئی عام لڑکی نہیں تھی۔ اس نے دبی زبان میں یہ ضرور کہا تھا کہ جنرل صاحب کو ایسے حالات میں شیپالی کو کارگل نہیں بھیجنا چاہیے تھا......!

اس کی اس بات کا یہاں اور دلی میں موجود جنرلز نے برا منایا تھا جس کا انہوں نے برملا اظہار بھی کیا۔ یوں بھی ان دنوں آرمی کی طرف سے ''را'' پر سخت تنقید ہو رہی تھی اور وہ بار بار یہ سوال کھڑا کر رہے تھے کہ اربوں روپے کی مالیت سے تیار کردہ ''را'' کے وہ سیٹلائٹس کہاں گئے؟ جن کے ذریعے زمین پر ہونے والی معمولی نقل و حرکت ہزاروں فٹ کی بلندی سے ریکارڈ ہو سکتی تھی وہ سیٹلائٹ کارگل میں مورچہ بندی کرتے مجاہدین اور پاکستانی فوجیوں کی نشاندہی کیوں نہیں کر سکا۔ یہ سسٹم کی مکمل ناکامی تھی اور وہ بھارتی فوج کی ہزیمت کا ذمہ دار ''را'' کو قرار دے رہے تھے جبکہ ''را'' کی طرف سے سارا الزام آرمی انٹیلی جنس خصوصاً بھارتی ایئر فورس انٹیلی جنس کے سیٹلائٹ سسٹم پر لگایا جا رہا تھا وہ اپنی ناکامی ان کے کھاتے میں ڈالنا چاہتے تھے۔ پریس نے الگ سے آسمان سر پر اٹھا رکھا تھا۔ اس پس منظر میں یہ میٹنگ چل رہی تھی یہاں موجود تمام ذمہ دار ایجنسیوں کے شہ دماغوں نے 24 گھنٹے میں کوئی کارنامہ انجام دینے سے معذرت کر لی تھی اور بتایا تھا کہ اس صورت میں شیپالی کی جان جانے کا خطرہ ہے۔ وہ اس کا بھی خطرہ مول لے لیتے لیکن شیپالی کی جان سے زیادہ بھارتی فوج کی ساکھ داؤ پر لگی تھی۔ پوری ایک رجمنٹ اپنے ساز و سامان کے ساتھ سری نگر سے کارگل جا رہی تھی اور ان کے عین درمیان سے مجاہدین ایک جرنیل کی بیٹی چھین کر لے گئے یہ ان کے لئے ڈوب مرنے کا مقام تھا۔

آرمی کی طرف سے متعلقہ رجمنٹ کے افسران اور ذمہ داروں کے خلاف فوری کارروائی شروع

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

ہو چکی تھی۔ Counter کاؤنٹرانٹیلی جنس نے ان ''آستین کے سانپوں'' کا کھوج لگانا شروع کر دیا تھا جو ''اگروادیوں'' کے ''سورس'' ہو سکتے تھے اور اب تک سری نگر کے آرمی میں سے تین کشمیری باورچی گرفتار کر کے ٹارچر سیلز میں پہنچا دیئے گئے تھے جن کا تعلق اس ہیڈ کوارٹر سے تھا جہاں سے اس رجمنٹ نے کارگل کی طرف سفر آغاز کیا تھا۔

انٹیلی جنس کے مقامی یونٹ نے ہر ممکن امکان کو جس سے انہیں یہ معلوم ہو سکتا کہ شیپالی کی اس کنوائے کے ساتھ روانگی کا علم کس کس کو تھا، پتہ لگایا تھا اور اس اہم میٹنگ کی موجودگی میں یہ اطلاع پہنچائی گئی کہ آرمی کے مقامی ریسٹ ہاؤس میں جہاں کرنل کپور کی بیوی نے اپنے بچوں کے ساتھ قیام کیا تھا یہ اطلاع پہنچی تھی۔ کسی نے برسبیل تذکرہ مسز کپور کو بتایا تھا کہ کرنل سنگھ کی بیٹی شیپالی بھی ان کے ساتھ کارگل جا رہی ہے۔ اس کمرے سے متعلقہ ہر سویلین کو حراست میں لے لیا گیا تھا اور دس گھنٹے مسلسل مار کھانے کے بعد بالآخر ایک بٹلر نے اس بات کا اقرار کر لیا تھا کہ وہ مجاہدین کے لئے کام کرتا ہے اور اس کی صرف یہ ذمہ داری ہے کہ وہ یہاں سے کارگل کی طرف جانے والے کنوائے اور ان کے ساتھ موجود سویلین کی مکمل خبر رکھے۔

اس نے یہ اقرار صرف اس لئے کیا تھا کہ اس کے ساتھ موجود تین انتہائی بوڑھے اور کمزور باورچی مسلسل مار کھا رہے تھے ان کی حالت غیر ہو رہی تھی جبکہ ان کا چوتھا ساتھی اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔ اقرار کرنے والے کو یقین تھا کہ تھوڑی دیر میں اس کے ساتھ مار کھانے والے تین بزرگ کشمیری باورچی بھی اس طرح مارے جاتے اور کسی کو خبر نہ ہوتی اس نے ان کی جان بچانے کے لئے یہ اقرار کیا تھا۔

''ویل ڈن''...... رپورٹ پر نظر ڈالتے ہی بریگیڈیئر سوری کے منہ سے بے ساختہ نکلا جو یہاں آرمی انٹیلی جنس یونٹ کے انچارج تھے۔

''معاف کیجئے بریگیڈیئر صاحب''...... ''را'' چیف نے ان کی طرف سرد آنکھوں سے دیکھتے

ہوئے کہا...... ''لڑائی کے بعد یاد آنے والا مکہ منہ پر مار لینا چاہیے''......

''را'' چیف کے منہ سے یہ طنزیہ فقرہ نکلتے ہی سب سناٹے میں آ گئے۔ میٹنگ میں موجود دو جرنیلوں اور دلی میں وڈیو کانفرنس پر موجود تین جرنیلوں نے بیک وقت اس پر احتجاج کیا تھا۔

''لڑائی ابھی شروع ہوئی ہے مسٹر!''...... بریگیڈیئر سوری نے غصے سے کہا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http: / /www.Paksociety.com for More

نیا باب

میٹنگ میں تناؤ خاصا بڑھ گیا تھا۔فوجی افسران نے ''را'' چیف پر سخت تنقید کی تھی اور بالآخر وہ اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ انہیں آخری آپشن تک انتظار کرنا ہے جس کے بعد ہی شیپالی کی قسمت کا کوئی فیصلہ ہوگا لیکن ''را'' اور فوج دونوں کی طرف سے اس بات کی سخت مخالفت کی گئی تھی کہ معاملہ پریس تک پہنچے۔ دونوں اس پر متفق تھے کہ اُنہیں جو کچھ بھی کرنا ہے اس سے پہلے پہلے کرنا ہے۔ دہشت گردوں کے ساتھ ایک طویل جنگ کے بعد وہ اُن کی نفسیات اچھی طرح سمجھنے لگے تھے۔ اُنہیں اس بات کا اندازہ تھا کہ کس گروپ نے شیپالی کو اغوا کیا ہے اور وہ لوگ اپنی بات منوانے کے لئے کس حد تک جا سکتے تھے۔

اس علاقے میں بدقسمتی سے اُن کا کوئی سپیشل یونٹ موجود نہیں تھا یہ وہ سپیشل یونٹ تھے جو ''موساد'' کی مدد سے ''اُگروادیوں'' کے خلاف تیار کئے گئے تھے۔ اُنہیں خصوصی تربیت اور ہتھیار دیے جانے تھے اور اب تک ان کی طرف سے تین چار بہت اہم کارنامے بھی انجام پا چکے تھے۔ فی الوقت ان کی تعداد اتنی زیادہ نہیں تھی کہ اُنہیں پورے مقبوضہ کشمیر میں ڈیپ لائے کیا جاتا۔ اُنہیں سری نگر مضافات میں ہی آپریٹ کیا جا رہا تھا۔

''وقت تیزی سے گزر رہا ہے سر''......ایس ایس جی کے مقامی کمانڈر نے کرائسز کمیٹی سے آخری بات کہی تھی۔

''احساس ہے ہمیں......معلوم ہے''...... بریگیڈیئر سوری نے کہا۔ اُسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اپنی کارروائی کا آغاز کہاں سے کریں۔

جو لوگ فوج کے منہ سے شیپالی کو چھین کر لے گئے تھے اُن سے آسانی سے نہیں نمٹا جا سکتا تھا۔ ابھی تک سری نگر میں اسرائیلی کمانڈوز کا وہ خصوصی دستہ موجود تھا جو بھارت سے خصوصی تعلقات کے بعد ''موساد'' نے مقبوضہ کشمیر میں مجاہدین کے خلاف لڑنے کے لئے روانہ کیا تھا۔ ان لوگوں نے بھارتی کمانڈوز کو خصوصی تربیت دی تھی اور خود بھی اُن کے ساتھ کئی کارروائیوں میں شامل رہے تھے۔

کرنل دیوان نے اُن کی مدد لینے کا آپشن دیا تھا لیکن بریگیڈیئر سوری نے اُسے سختی سے رد کر دیا جبکہ ''را'' نے بھی اس تجویز کی حمایت کی تھی۔ بریگیڈیئر سوری کو اچھی طرح اس حقیقت کا احساس تھا کہ شیپالی کس باپ کی بیٹی ہے اُسے شیپالی کی زندگی موت سے زیادہ یہ فکر دامن گیر تھی کہ اگر یہ بات میڈیا تک پہنچ گئی کہ بھارتی جرنیل کی بیٹی کو ''اُگروادیوں'' نے اغوا کر لیا ہے تو فوج کا مورال مزید ڈاؤن ہو جائے گا اور کارگل کی موجودہ صورتحال میں وہ اس کا خطرہ کبھی مول نہیں لے سکتے تھے۔

میٹنگ اس اہم فیصلے کے ساتھ ختم ہوئی کہ اگر مجاہدین کی طرف سے دیے گئے وارننگ ٹائم کے اندر اندر بھارتی کمانڈوز اُن تک پہنچ گئے تو پھر سرنڈر نہیں کیا جائے گا اور شیپالی کو اُن سے چھیننے کی کوشش کی جائے گی بصورت دیگر اُن کے مطالبات مان لئے جائیں اور کسی بھی طرح یہ خبر میڈیا تک نہیں پہنچنی چاہیے۔ اسرائیلی کمانڈوز کی مدد کا آپشن اس لئے نامنظور ہوا کہ اس خبر سے جو نہ صرف شیپالی کے لئے خطرات بڑھ جاتے بلکہ یہ معاملہ فوراً میڈیا میں بھی آ جاتا اور بھارتی فوج کی پریشانیوں میں مزید اضافہ کرتا۔

کیپٹن انوج کمار کو جیسے ہی یہ خبر ملی کچھ لمحوں کے لئے تو وہ سن ہو کر رہ گیا......!

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

اُسے شیپالی پر غصہ آ رہا تھا جس نے کیپٹن انوج کمار کو اعتماد میں لئے بغیر اتنا بڑا فیصلہ کر لیا۔ لیکن جلد ہی وہ قائل ہو گیا کہ اس میں شیپالی کا کیا قصور؟ وہ تو کیپٹن انوج کمار کو اپنی محبت کا نذرانہ پیش کرنے آ رہی تھی۔ انوج کمار سے ملے اُسے تین ماہ ہونے کو آ رہے تھے اور گزشتہ پندرہ بیس روز سے تو انوج کمار ڈھنگ سے اُس سے فون پر بھی بات نہیں کر سکا تھا۔ اُس کی مصروفیات بہت زیادہ بڑھ گئی تھیں۔

وہ خود کو شیپالی کا مجرم سمجھنے لگا تھا اور یہ احساس رہ رہ کر اُسے ستا رہا تھا کہ اس حادثے کا محرک وہ خود ہے۔ اس بات کا تو سوال ہی نہیں اُٹھتا تھا کہ شیپالی اور اُس کے معاشقے کی خبر آرمی انٹیلی جنس کو نہ رہی ہو، یوں تو یہ کوئی غیر اخلاقی یا غیر قانونی بات نہیں تھی۔ وہ اُس کی منگیتر تھی۔ دونوں کی شادی ہونے جا رہی تھی دونوں فوج کے بڑے افسران کے بچے تھے لیکن نجانے کیوں انوج کمار احساس ندامت میں گرفتار تھا۔

اُس نے دل ہی دل میں یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ جیسے ہی شیپالی محفوظ ہاتھوں میں پہنچے گی وہ بشیر بکروال کے سارے خاندان کو چن چن کر مار ڈالے گا۔ اس نے دل ہی دل میں اب تک نجانے بشیر کو کتنی گالیاں دی تھیں اور یہ خیال بار بار اُسے ڈس رہا تھا کہ اُس کے ایک اہم ''سورس'' کی بیٹی دہشت گردوں کی اتنی قریبی ساتھی ہے کہ اُن کے لئے انہوں نے ایک جنرل کی بیٹی کو اغوا کرا لیا۔

اچانک ہی ایک خیال کوندے کی طرح اُس کے ذہن پر لپکا۔

''بشیر بکروال اور اُس کی بیوی شیپالی کا متبادل بھی تو ہو سکتے ہیں...... کیوں نہ وہ ان دونوں کو یرغمال بنا لے...... مجاہدین سے سودے بازی کے لئے کچھ تو اس کے پاس ہونا چاہیے......''

دوسرے ہی لمحے وہ اپنے سی او کے سامنے موجود تھا

''ویل ڈن...... سی او نے بے ساختہ کہا...... DO it (کر گزرو)''

اُس نے کیپٹن انوج کمار کو گرین سگنل دے دیا۔

''سر''...... کیپٹن انوج کمار نے ایڑیاں بجائیں اور تیزی سے باہر کو لپکا۔

انتہائی تربیت یافتہ اور آرمی انٹیلی جنس کے خصوصی سکواڈ کے ساتھ کیپٹن انوج کمار نے بشیر بکروال کے گھر پر چھاپہ مارا تھا۔ انہوں نے گھر میں داخل ہونے سے پہلے یہاں سے فرار کے ہر ممکن راستے کو بند کر لیا تھا اور دیواریں پھلانگتے ہوئے اندر داخل ہوئے تھے جہاں کیپٹن انوج کمار کے لئے ایک بڑا ''سرپرائز'' موجود تھا۔

اُس کے کمانڈوز نے گھر کے ایک ایک کمرے کو چھان مارا۔ لیکن یہاں سوائے مرغیوں اور بکریوں کے اور کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

''سر! گھر میں تو کوئی نہیں''...... لیفٹیننٹ آہوجہ نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا

''What (کیا)''؟ انوج کمار نے قریباً چیختے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

''یس سر...... اندر کوئی نہیں؟...... آہوجہ کے عقب سے حوالدار کرپارام کی آواز سنائی دی۔

''اوہ No......'' غم و غصے سے بے قابو کیپٹن انوج کمار نے اپنا ہاتھ اتنی زور سے اپنی ران پر مارا کہ اُسے خود تکلیف کا احساس ہونے لگا۔

'' گاؤں کے ایک ایک گھر کی تلاشی لو...... کہیں نہیں جا سکتے وہ...... یہیں چھپے ہوں گے۔'' اُس نے چیختے ہوئے حکم دیا۔

اگلے ہی لمحے گاؤں والوں کی کم بختی آ گئی۔

علی الصباح کارروائی کا آغاز ہوا تھا۔ وہ سردی سے سہمے ٹھٹھرے اپنے بستروں میں دُبکے ہوئے تھے جب یہ قیامت ٹوٹی۔ فوجیوں نے اُنہیں فوراً گھروں سے نکلنے اور لائن اپ ہونے کا حکم دیا تھا۔ یہ اُن کے لئے کوئی نئی بات تو نہیں تھی لیکن کافی عرصہ بعد اس گاؤں کے ساتھ فوج نے یہ سلوک کیا تھا۔ جس کی وجہ بشیر بکروال تھا جس کے فوج اور پولیس سے خصوصی تعلقات نے اُس کو ابھی تک اس عتاب سے بچایا ہوا تھا جب اُنہیں معلوم ہوا کہ یہ لوگ تو بشیر بکروال کو ڈھونڈنے آئے ہیں

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

توان کا خوف بڑھ گیا اور اُنہیں یقین ہونے لگا کہ اب اس عذاب سے اُن کی جان نہیں چھٹتی۔

''تم ادھر آؤ''......کیپٹن انوج کمار نے بشیر بکروال کے سالے کو پہچانتے ہوئے قطار سے باہر نکالا۔ جو کپکپاتا اس کے سامنے کھڑا تھا۔

''بشیر کہاں ہے''؟ انوج کمار نے اُس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سرد لہجے میں پوچھا......

بشیر بکروال کے سالے کو کانوں کان خبر نہیں تھی۔ وہ تو اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ بشیر بکروال بھی بھارتی فوج کے خوف سے گھر چھوڑ کر بھاگ جائے گا۔ وہ تو سارے گاؤں کو اپنے ہاں پناہ دیا کرتا تھا......یہ ہو کیا رہا ہے؟ اس کا تو ذہن ہی ماؤف ہو گیا تھا۔ خوف سے اُس کی ٹانگیں لرز رہی تھیں۔

''سرکار۔ سارے گاؤں سے حلف لے لیں، ہمیں تو اس بات کا بھی علم نہیں کہ وہ گھر سے جا چکا ہے......شام تک وہ گھر میں تھا''۔ اس نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

ابھی اُس کا فقرہ بمشکل مکمل ہوا تھا جب ایک زوردار بٹ اُس کی کمر میں لگا۔ اُس کے عقب میں کھڑے حوالدار کرپا رام نے اُسے گالیاں دیتے ہوئے اس کی کمر میں اتنی زور سے رائفل کا بٹ مارا تھا کہ بشیر کے سالے کو اپنی ہڈی ٹوٹنے کا احساس ہوا۔ وہ درد سے بے حال زمین پر لوٹنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی کیپٹن انوج کمار نے اُس کو اپنی ٹھوکروں پر رکھ لیا۔ وہ دیوانہ وار گالیاں دیتے ہوئے اُس کے کمر اور پسلیوں پر ٹھوکریں مار رہا تھا۔ مضروب کو اپنے بدن سے جان نکلنے کا احساس ہو رہا تھا۔ اسے یوں لگا جیسے ساری پسلیاں ایک ایک کر کے ٹوٹ گئی ہیں۔ درد سے بے حال بشیر بکروال کے سالے کو اس اذیت سے نجات اُس وقت ملی جب وہ بے ہوش ہو گیا۔ اس کے منہ سے خون جاری تھا۔

سارا گاؤں سہما ہوا یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ خوف کے مارے اُنہیں اپنی سانس گھٹتے اور دھڑکنیں رُکتی محسوس ہو رہی تھیں۔ اُن کی زبانیں گنگ ہو گئی تھیں۔

''چپ چاپ بتا دو بشیر بکروال کہاں گیا ہے؟ ورنہ میں تمہیں مار ڈالوں گا''......غصے اور قہر سے

بھرے کیپٹن انوج کمار کو خود اپنی آواز اجنبی محسوس ہو رہی تھی۔

اس کے اشارے پر اُس کے ساتھی گاؤں کے دس پندرہ مردوں پر پل پڑے۔ اُنہوں نے مار مار کر اُن کا بھرکس نکال دیا۔ اب تک چار پانچ لوگ مار کھاتے کھاتے بے ہوش ہو چکے تھے۔ کیپٹن انوج کمار نے اندازہ کر لیا کہ اُنہیں واقعی بشیر کے فرار کا علم نہیں

''بہت چالاک نکلنا حرام خور اُس نے دل ہی دل میں بشیر بکروال کو گالیاں دیتے ہوئے کہا۔

دو گھنٹے کی بے مقصد ریاضت کے بعد وہ دوبارہ اپنے سی او کے سامنے سر جھکائے کھڑا تھا۔

''سر! بہت حرامی نکلا۔'' اُس نے بشیر بکروال کے خلاف اپنے غصے اور نفرت کو زبان دی۔

''ہونہہ......تو یہ بات ہے......'' سی او نے اپنی چھڑی آہستہ سے میز پر بجاتے ہوئے کہا۔

''میں نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا کہ وہ اس طرح......؟

''کیپٹن انوج کمار......انٹیلی جنس امکانات کا کھیل ہے۔ یہاں کسی آپشن کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا......دھوکہ، جھوٹ، ریاکاری، ان خوبیوں کو جمع کر کے ہی ہم اچھے انٹیلی جنس آمیز بن سکتے ہیں۔ یہاں کسی پر اعتبار نہیں کیا جاتا۔ اس سے صرف کام لیا جاتا ہے......بشیر بکروال صرف تمہارا ''سورس'' تھا اور تم اس کے ''ہینڈلر'' (HANDLAR) اگر اس سے زیادہ کوئی تعلق تمہارے درمیان تھا تو یہ سب بکواس ہے......'' اس نے کیپٹن انوج کمار کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

یس سر......انوج کمار نے اطاعت گزاری

''Any how؟ دیکھتے ہیں......کہاں تک بھگاتا ہے ہمیں......'' سی او نے مسکراتے ہوئے انوج کمار کی طرف دیکھا جس کا چہرہ ضرورت سے زیادہ سیریس ہو گیا تھا۔

''بشیر بکروال اگر زندگی میں کبھی میرے سامنے آ گئے تو تمہارے جسم کا ایک ایک بند اپنے ہاتھ سے الگ کروں گا'' انوج کمار نے غصے اور تاسف سے بے قابو ہوتے ہوئے دل ہی دل میں عہد کیا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

وہ بوجھل قدموں سے واپس آیا تھا اور اب انویسٹی گیشن یونٹ کی طرف جا رہا تھا۔

سکینہ نے خود کو عرصہ پہلے مار لیا تھا......

اُسے کبھی کبھی حیرت ہوتی تھی کہ آخر اُس کا جسم اتنا بے حس کیسے ہو گیا۔ پہلے پہل اُسے جو ڈر اور خوف لگا رہتا تھا وہ اب ختم ہو چکا تھا، اُس کے زخم جسم پر نمایاں ہو رہے تھے لیکن اب وہ اُن میں اُٹھنے والی ٹیس اور درد سے بے نیاز ہو چکی تھی۔ اُس کی ایک ہی خواہش تھی کہ اس مرتبہ جب کبھی اُسے مارا جائے اس کے جسم پر کوئی ایسی ضرب لگے جو اُس کے سانسوں کا تانا بانا بکھیر دے اُسے زندگی کے تمام جھنجٹوں سے بے نیاز کر دے۔

اُس نے اللہ سے دل ہی دل میں دعا مانگی تھی کہ جس طرح وہ دنیا میں پاک دامن آئی تھی اس طرح پاک دامن اُس کے دربار میں حاضر ہو جائے۔ اُس کے لاشعور میں اگر کوئی خوف تھا تو صرف یہ کہ کہیں اُس کے دامن کو داغدار نہ کر دیا جائے۔ وہ اب تک متعدد مرتبہ خودکشی کرنے کا ارادہ کر چکی تھی۔ لیکن کہاں؟ کیسے؟ کب؟

یہاں تو وہ بے بس پرندے کی طرح صرف پھڑ پھڑا سکتی تھی۔ اُن ظالموں نے اُس کی مرضی سے مرنے کا اختیار بھی چھین لیا تھا اور اُسے اس طرح جکڑ کر رکھا ہوا تھا کہ اگر وہ مرضی سے مرنا بھی چاہے تو مر نہ سکے۔ آج جب اچانک اُس کے کمرے کا دروازہ کھلا تو خلاف توقع پہلے والے درندے وہاں موجود نہیں تھے۔ دو اجنبی چہرے اُس کے سامنے تھے۔ جنہوں نے گو کہ سویلین لباس پہنے ہوئے تھے لیکن سکینہ جانتی تھی یہ کون ہیں؟ اور یہاں کیوں آئے ہیں؟

اُن دونوں کے عقب میں ایک بہت سمارٹ لڑکی بھی دکھائی دے رہی تھی جس کی شکل پہلے والی دونوں ڈائنوں سے کافی مختلف تھی۔ تینوں اپنے چہروں سے خاصے مہذب دکھائی دے رہے تھے لیکن سکینہ کے لئے اُن کے چہرے اب قابل اعتبار نہیں رہے تھے وہ جانتی تھی یہ...... انسان نما بھیڑیے ہیں ان سے خیر کی توقع نہیں ہے۔

لیکن...... حیرت انگیز طور پر اس مرتبہ آنے والوں نے نہ اُسے گالیاں دیں، نہ ہی اُس سے کوئی اور سوال کیا۔ وہ بڑے اطمینان سے کمرے میں اُن کی آمد سے پہلے رکھی جانے والی کرسیاں سنبھال کر بیٹھ گئے۔

''سکینہ! جاؤ اور اپنے کپڑے تبدیل کر لو......'' اُن میں سے ایک نے اُس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

سکینہ نے بڑی حیرانگی اور گھبراہٹ سے اُس کی طرف دیکھا تھا۔ یہ رویہ اُس کے لئے پریشان کن تھا۔

کہیں انہوں نے مجھے گولی مارنے کا ارادہ تو نہیں کر لیا؟'' فوراً اُس کے اندرونی خوف نے سر اُٹھایا۔

اس کے ساتھ ہی اُن کے عقب میں آنے والی لڑکی نے اُس کی ہتھکڑی کھول دی اُس نے سکینہ کو سہارا دے کر کھڑا کیا۔ جو حیرانگی سے ابھی تک اُن کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''میرے ساتھ آؤ...... گھبراؤ نہیں۔ ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے۔''

لڑکی کے لہجے میں نہ جانے کیا حلاوت گھلی تھی کہ سکینہ سحر زدہ معمول کی طرح اُس کے ساتھ چل دی۔

دونوں برآمدے میں چلتیں ایک کمرے تک پہنچیں جہاں ایک کونے میں لگے باتھ روم کے پاس وہ رُک گئی۔

''اندر تمہارے کپڑے موجود ہیں۔ میں دس پندرہ منٹ بعد واپس آتی ہوں۔''

اُس نے سکینہ کی راہنمائی باتھ روم کی طرف کرتے ہوئے اس کی طرف ایک مرتبہ دیکھا اور واپس مڑ گئی۔

سکینہ اُسے واپس جاتے دیکھتی رہی...... اُس کے لئے یہ سب کچھ ناقابل یقین تھا۔ قریباً دو منٹ

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

وہ سکتے کی سی کیفیت میں کھڑی رہی۔ لڑکی نے کمرے کا دروازہ باہر سے بند کر دیا تھا۔ سکینہ نے بڑی گھبراہٹ میں باتھ روم کا دروازہ کھولا۔

یہ ایک صاف ستھرا باتھ روم تھا جہاں ایک کونے میں سلیقے سے اُس کے کپڑے لٹک رہے تھے۔

''کیا ماجرا ہے یہ میرے اللہ''......وہ آہستہ سے بڑبڑائی اور دروازہ لاک کر دیا۔

اپنے زخمی جسم کو اُس نے بڑی بہادری سے غسل دیا اور تیار ہو کر جب دروازہ کھولا تو کمرے میں وہی لڑکی ایک کرسی پر بیٹھی کسی اخبار کا مطالعہ کر رہی تھی۔

''آؤ......''اس نے سکینہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

سکینہ ایک مرتبہ پھر اُس کے تعاقب میں چل دی۔

اس سفر کا اختتام ایک ڈرائنگ روم نما کمرے پر ہوا جہاں وہ دونوں موجود تھے۔ ایک بڑی میز پر ناشتے کا سامان رکھا تھا۔ ''آؤ ہمارے ساتھ ناشتہ کرو......'' یہ کہتے ہوئے اسی لڑکی نے بڑی نرمی سے سکینہ کا ہاتھ پکڑا اور اُسے اپنے برابر والی کرسی پر بٹھالیا۔

سکینہ ہونقوں کی طرح اُن کی طرف دیکھ رہی تھی۔ لڑکی نے اُس کے لئے ایک پیالے میں کشمیری چائے ڈالی پھر سب نے باری باری یہی عمل دہرایا۔

''ہمیں تمہارے ساتھ ہونے والے سلوک پر بہت افسوس ہے۔'' اُن میں سے ایک نوجوان نے جس سے آنکھیں ملاتے ہوئے سکینہ کو قدرے ہچکچاہٹ ہو رہی تھی کہا۔

''دیکھوناں سکینہ بی بی۔ تم نے ساری زندگی اس دیش میں رہنا ہے۔ بھارت پر تمہارا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا ہمارا۔'' دوسرے نے بڑی نرمی اور آہستگی سے کہا۔

''دھرتی اپنی ماں ہوتی ہے سکینہ بہن''......لڑکی نے بڑی نرمی سے اُس کی کمر پر ہاتھ رکھتے ہوئے دوستانہ انداز میں کہا۔

''کوئی اپنی ماں سے غداری تو نہیں کر سکتا ناں''......آفیسر نے کہا

''اوہ......تو یہ...... دوسرے ہتھیار کے ساتھ حملہ آور ہوئے ہیں۔ سکینہ کے دماغ نے راہنمائی کی۔

قریباً آدھ گھنٹہ تک وہ ناشتے کی میز پر اُس کے ساتھ موجود رہے اس درمیان اُن ماہرین نفسیات نے سکینہ کی اپنی دانست میں مکمل برین واشنگ کر دی تھی اور وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ اب کوئی مسئلہ نہیں رہا......اُنہوں نے سکینہ کو باور کروایا تھا کہ وہ برے لوگ نہیں لیکن ملک کے ساتھ غداری کرنے والوں پر اگر سختی نہ کی جائے تو پھر ملک قائم کیسے رہے گا۔ انہوں نے سکینہ سے کہا تھا کہ کچھ گمراہ نوجوان دہشت گردی کر رہے ہیں جنہیں وہ بات چیت کے ذریعے سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ گمراہ نوجوان جنہیں پاکستان نے شرارت سے اپنے ساتھ ملایا ہوا ہے اپنے اور اپنے خاندان والوں کے لئے مسائل پیدا کر رہے ہیں۔

آخری لمحات میں انہوں نے سکینہ پر اچانک انکشاف کر کے اُسے بوکھلا دیا کہ وہ اُسے رہا کرنے والے ہیں۔

''تم اُن ہی نوجوانوں کے پاس جاؤ گی جن کے ساتھ کام کرتی رہی ہو دیکھو اُنہیں سمجھاؤ کہ بندوق رکھ دیں۔ ہم اُنہیں نوکریاں دیں گے۔ اچھا مستقبل دیں گے۔ بھارت بڑا وشال دیش ہے اُن کے لئے یہاں بہت کچھ ہے۔ وہاں سرحد پار کیا ہے اُن کے لئے؟''

سکینہ حیرت اور سکتے کی سی کیفیت میں اُن کی باتیں سن رہی تھی۔ اُس پر ایک طرح سے بوکھلاہٹ طاری تھی۔ سمجھ نہیں آتی تھی کہ سچ کیا ہے اور جھوٹ کیا۔

ایک بات تو بالکل صاف تھی کہ یہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ اگر واقعی اُسے رہا کرنے کا فیصلہ ہو گیا ہے تو ضرور اُنہیں کسی نے اس پر مجبور کر دیا ہوگا۔

''کیا میرے والد نے؟'' اُس نے خود سے سوال کیا۔ آخر وہ بھی تو کئی سال سے ان کے لئے کام کر رہا ہے۔ ممکن ہے اُس نے اپنی گزشتہ خدمات کا واسطہ دے کر آئندہ کے لئے کوئی بڑی ضمانت

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http: / /www.Paksociety.com for More

دے کراُسے رہا کروالیا ہو؟

''لیکن نہیں''......اُس کے دل و دماغ دونوں نے یہ ماننے سے انکار کر دیا یہ لوگ اس طرح ماننے والے نہیں۔ضرور مجاہدین کے ہاتھ ان کی کوئی بڑی کمزوری آ گئی ہے۔ یہ کارروائی ضرور مجاہدین کی ہے۔اگر یہ سچ ہے تو بخت خان نے اپنا وعدہ نہیں بھلایا۔اُس نے یقیناً اپنی جان پر کھیل کر کوئی بڑی کارروائی کی ہوگی۔جس کے بعد ہی اُس کو یہ لوگ رہا کرنے پر مجبور ہوئے ہیں۔

وجہ کچھ بھی رہی ہو؟ اُس نے فیصلہ کرلیا تھا کہ وہ بظاہر اُن کی ہاں میں ہاں ملاتی رہے گی۔اُس مرحلے پر اگر واقعی اُن لوگوں نے کس دباؤ میں آ کر ہی اُسے رہا کرنے کا فیصلہ کیا ہے تو وہ کوئی غلط بات کہہ کر انہیں طیش دلا کر معاملہ بگاڑنا نہیں چاہتی تھی۔

گزشتہ پانچ روز سے اُس کو حیوانوں سے بدتر حالت میں رکھا گیا تھا اُسے صرف اتنا کھانے کو دیا جاتا جس سے وہ زندہ رہ سکے۔

آج پانچ روز بعد اُسے اپنے انسان ہونے کا احساس ہوا تھا۔اُس نے ساری زندگی ایک دیہاتی دوشیزہ کی طرح گزاری تھی۔زندگی میں کبھی کوئی بڑا ہنگامہ نہیں ہوا تھا۔گھر میں اپنی ماں، سکھی سہیلیوں اور کبھی کبھی والد کے ساتھ سری نگر اور ایک دو مرتبہ دلی کا سفر۔اس سے آگے اُس نے کچھ دیکھا سنا نہیں تھا۔گھر میں موجود ٹی وی پر صرف مقامی چینل آن ہوتا تھا۔اس گاؤں میں کیبل تھی نہ کوئی اور سہولت۔گھر کے ٹی وی پر اُس نے کچھ بھارتی فلمیں دیکھی تھی وہ بھی قریباً نامکمل۔

جیسے ہی کوئی غلط قسم کا منظر آتا اُس کی ماں اُس کا ہاتھ پکڑ کر باہر لے جاتی۔ شیر بکر وال بھی اُن کے ساتھ ہی باہر آجاتا اور گانا ختم ہونے تک سب اسے برا بھلا کہتے رہتے نجانے کہاں سے بخت خان اُس کی زندگی میں آ گیا؟ صرف اخبارات کے مطالعے سے جس کا اُسے شوق تھا اُسے مجاہدین کی سرگرمیوں کا علم ہوتا تھا یا پھر گاؤں کے لوگوں سے جو ایک دوسرے سے چوری چھپے مجاہدین کے کارناموں کا ذکر کیا کرتے تھے۔ان ہی کی زبانی تحریک آزادی کی خبریں اُس تک پہنچتی تھیں۔گاؤں

کے لوگوں کو باہر کے حالات سے بے خبر رکھنے کے لئے حکومت نے بہت کچھ کیا تھا لیکن حیرت انگیز طور پر گاؤں کے لوگوں کو مجاہدین سے ہمدردی تھی۔

سکینہ جانتی تھی اُس کی ماں بھی اُن عورتوں میں شامل ہے جو اپنی نمازوں میں مجاہدین کی کامیابی کی دعائیں دن رات مانگا کرتی تھیں۔گزشتہ کچھ دنوں سے اُن کے علاقے میں فوجی نقل و حرکت بہت بڑھ گئی تھی۔گاؤں کے بزرگ بتاتے تھے اُنہوں نے اپنی زندگی میں کبھی اتنا بڑا فوجی اجتماع نہیں دیکھا۔ضرور کوئی بڑی گڑبڑ ہو رہی ہے۔

اور......ایک روز گاؤں والوں پر یہ دھماکہ خیز انکشاف ہوا کہ سرحد پار سے مجاہدین نے حملہ کر کے بھارت کے اندر تیس پینتیس کلومیٹر علاقے پر قبضہ کرلیا ہے۔نجانے کون راتوں رات گاؤں کے مختلف گھروں میں پمفلٹ پھینک جاتا تھا جس پر بھارتی فوج کی ناکامیاں اور مجاہدین کی کامیابیاں درج ہوتیں۔

لوگ چوری چھپے ان کا مطالعہ کرتے تھے۔اُنہیں دھڑکا لگا رہتا کہ اُن کے قریبی عزیزوں کو بھی اس کی خبر نہ ہو۔ایسا پمفلٹ جس کسی سے پکڑا جاتا اُسے بھارتی ایجنسیاں غائب کر دیا کرتی تھیں۔

لیکن اُنہیں جلد ہی علم ہو گیا کہ مجاہدین کے ہاتھوں سینکڑوں بھارتی فوجی مارے گئے ہیں اور بڑے بڑے ہیلی کاپٹروں کے ذریعے جن کی آمد و رفت مسلسل لگی رہتی تھی دراصل مرنے والے بھارتی فوجیوں کو سری نگر پھر وہاں سے جہازوں کے ذریعے ملک کے کونے کونے میں منتقل کیا جاتا تھا۔

یہی وہ حالات تھے جن میں اُس کا ٹکراؤ بخت خان سے ہوا اور اُس نے دل و جان سے اُن کا ساتھ دینے کا عہد کرلیا تھا۔

سکینہ نے ایک کمزور نہتی اور گردش حالات کا شکار لڑکی ہونے کے باوجود اس عہد کو جی جان سے نبھایا۔اُس کی شدید خواہش پر ہی اُس کو مجاہدین نے پستول چلانے کی تربیت دی اور ایک پستول بھی دیا تھا جو اس کے ساتھ پکڑا گیا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

آخری لمحات میں انہوں نے پھر سکینہ سے معافی مانگی اور اُس سے سوال کیا تھا کہ اگر اُن کی جگہ وہ خود ہوتی تو کیا کرتی؟ ظاہر ہے سکینہ نے اس کا جواب اُن کی مرضی کے مطابق ہی دیا تھا تا کہ وہ اطمینان رکھیں کہ اُن کا ''ٹاسک'' مکمل ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اُسی لڑکی کے ساتھ جس نے اپنا نام شیلا کماری بتایا تھا جا رہی تھی لیکن خالی ہاتھ نہیں۔ لڑکی نے ایک بیگ اُٹھا لیا تھا جن میں سکینہ کے لئے کپڑے، کچھ کرنسی نوٹ اور تحائف تھے کیونکہ اُن کے خیال سے سکینہ کی برین واشنگ ہو چکی تھی۔ شیپالی ان ''اُگرواد یوں'' کے حسن سلوک سے پریشان ہو گئی تھی۔ وہ حیران تھی اب تک اُس نے کم از کم بیس مرتبہ انہیں انگریزی میں ڈانٹا اور گالیاں دی تھیں لیکن کیا مجال جو اُن کی طرف سے جواب میں ایک لفظ بھی کہا گیا ہو۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اُن کے جذبات ہی نہیں وہ صرف گوشت پوست کی مشینیں ہیں جن میں سے دل نکال لئے گئے ہیں۔

نہ تو اُس کے کسی سوال کا جواب ملتا تھا۔ نہ ہی اُس کی ڈانٹ ڈپٹ کا کوئی برا مناتا تھا۔ البتہ اُن کی طرف سے شیپالی کو بہترین کھانا، چائے، کافی مسلسل سپلائی ہو رہی تھی۔

شیپالی نے اتفاق سے انہیں بھی کھانا کھاتے دیکھا تھا اور اُسے اُن کی حالت پر رحم آ رہا تھا۔ یہ لوگ عام سی سبزی دال کھا رہے تھے لیکن اُس کے لئے بڑا وی آئی پی قسم کا کھانا لایا جاتا تھا۔

''آخر یہ چاہتے کیا ہیں؟'' اُسے اب گھبراہٹ سی ہونے لگی تھی کیونکہ یہاں کوئی اُس کے کسی سوال کا جواب دینے کے لئے تیار نہیں تھا۔

''اپنی اخلاقیات سے متاثر کرنا چاہتے ہیں مجھے۔ گدھے کہیں کے۔'' اس نے نفرت سے ہونٹ سکوڑے

ساری رات وہ آرام دہ بستر پر کروٹیں بدلتی رہی۔ صبح ہونے پر اُسے نیند آ گئی۔ اُسے بیدار ہونے کے بعد احساس ہوا کہ دوران نیند اس کے لئے بیڈ ٹی BED-TEA آئی تھی جواب ٹھنڈی ہو چکی

تھی۔ شاید انہوں نے شیپالی کو جگانا مناسب نہیں جانا تھا۔

آنکھ کھلنے پر ہڑبڑا کر اُٹھی۔ ڈراؤنا خواب اُس کے لاشعور میں ابھی تک محفوظ تھا جس نے ابھی تک اُس کو ابنارمل کیا ہوا تھا۔ اُس نے خواب میں خود کو کسی جانور کی خوراک بنتے دیکھا تھا اور اب یہ سمجھ رہی تھی کہ قربانی کے جانور کی طرح ذبح کرنے سے پہلے یہ لوگ اُس کی خاطر مدارت کر رہے ہیں تا کہ وقت آنے پر اُسے اچھی طرح ذبح کیا جا سکے۔

''اوہ مائی گاڈ''...... اُس کے منہ سے اچانک نکلا اور سامنے کا دروازہ کھلا۔

اس مرتبہ ہی لڑکی اندر آئی تھی جو کل شام اُس سے ملی تھی۔ اُس نے اپنے ہاتھ میں ٹرے اُٹھا رکھی تھی۔ جس میں تازہ کشمیری چائے کی مہک اُٹھ رہی تھی۔

''صبح بخیر''...... اُس نے شیپالی کے سرہانے دھری تپائی پر چائے کی ٹرے رکھتے ہوئے کہا......'' معاف کیجئے آٹھ بجے ہم چائے لائے تھے۔ آپ سو رہی تھیں۔ جگانا مناسب نہیں سمجھا'' بڑے احترام سے اُس نے کہا اور سامنے کرسی پر بیٹھ گئی۔ اچانک ہی شیپالی بھڑک اُٹھی۔ اُسے غصہ آنے لگا تھا اُس کے خیال مین یہ لوگ اُس سے منافقت کر رہے تھے۔

''کیا سمجھتے ہو تم لوگ خود کو؟ اس طرح کی حرکتیں کر کے تم کیا ثابت کرنا چاہتے ہو...... بیوقوف بنانا چاہتے ہو...... اندھی ہوں کیا میں...... مجھے دکھائی نہیں دے رہا...... تم دہشت گرد ہو...... باغی...... ملک دشمن...... غیروں کے ہاتھوں بکے ہوئے لوگ''...... غصے میں وہ اکثر بے قابو ہو جایا کرتی تھی۔ لیکن اچانک اُسے نجانے کیوں اپنی زیادتی کا احساس ہوا کیونکہ لڑکی ابھی تک مسکراتے ہوئے خاموشی سے اُس کی طرف دیکھ رہی تھی کیا مجال جو اُس نے ایک لفظ بھی جواب میں کہا ہو۔

''اگر آپ کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا ہے تو پلیز چائے پی لیں۔'' شیپالی کو زور کا جھٹکا دھیرے سے لگا۔ اُس نے حیرانگی کے ساتھ لڑکی کی طرف دیکھا۔

''تمہیں غصہ نہیں آتا''...... اُس نے لڑکی سے براہ راست پوچھا۔

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

''آتا ہے......لیکن غصے والی باتوں پر'' مختصر جواب ملا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا''؟......شیپالی نے چڑ کر جواب دیا

''میرا مطلب یہی ہے کہ آپ نے کوئی غلط بات نہیں کہی۔ اگر مجھے بھی اس طرح اغوا کیا جاتا تو میری بھی یہی حالت ہوتی لیکن ایک بات جو آپ بھول جاتی ہیں۔ کمانڈر نے آپ سے کہا تھا ہم عورتوں کو یرغمال نہیں بناتے۔ یہ حالات ہمارے نہیں آپ کے پیدا کردہ ہیں۔ ہماری ایک ساتھی کو صرف اس جرم میں اُٹھالیا گیا کہ اُس سے کسی نے دودھ خریدا تھا...... خریدار کے ماتھے پر تو لکھا نہیں ہوتا کہ وہ کون ہے؟''

لڑکی کے جواب نے شیپالی کو چونکا دیا......

''واقعی......بات تو اُس کی سچ ہے......'' کسی نادیدہ قوت نے اُس کے کانوں میں سرگوشی کی۔

''تم لوگ چاہتے کیا ہو؟''......شیپالی نے چڑ کر کہا۔

''آزادی......جو ہمارا پیدائشی اور بنیادی حق ہے''۔

مطمئن لہجے میں جواب ملا۔

''اس طرح تو بھارت کا ہر صوبہ......''

''نہیں......'' لڑکی نے اُس کی بات کاٹ دی۔ ...''ہمارا مسئلہ ہر صوبے والا نہیں......'' اس کے بعد اُس نے شیپالی کو اپنے مسئلے کے حوالے سے چند باتیں بتائیں اور اُس کے چودہ طبق روشن ہوگئے......

شیپالی نے اُس کی بات کے خاتمے پر اس طرح نظریں جھکالی تھیں جیسے وہ شرمندگی محسوس کررہی ہو۔

''کاش مجھے پہلے سے ان باتوں کا علم ہوتا...... ہمیں تو کچھ اور بتایا گیا ہے''......شیپالی نے وضاحت کی۔

''آپ کے حکمرانوں کو سب باتوں کا علم ہے اور احساس بھی۔ میری آپ سے درخواست ہے کہ کشمیر کے گلی کوچوں میں جائیں۔ لوگوں سے پوچھئے اُن کے گھروں کو کیوں جلایا گیا؟ بچوں کو کیوں اغوا کیا جارہا ہے؟ قبرستانوں میں جائیں ہر قبر ایک کہانی سنائے گی۔ ظلم و بربریت کی اندوہناک داستان......میڈم شیپالی اگر یہ لڑائی ہے تو بھارتی فوج کی ہمارے ساتھ جنگ ہے۔ نہتے اور بے گناہ لوگوں کا کیا گناہ ہے؟ ہمارا بدلہ اُس سے لینا کیا آپ کے نزدیک جائز ہے''......لڑکی کچھ جذباتی ہوگئی تھی۔

''اگر یہی سوال میں تم سے کروں کہ کسی کے بدلے تم نے مجھے کیوں اغوا کیا؟'' اچانک ہی شیپالی نے اُس سے پوچھ لیا۔

''رولز آف بزنس ہم نہیں۔ آپ طے کرتے ہیں۔ ہم تو اُصولوں کی جنگ لڑتے ہیں۔ بتایئے کون سا دھاوا کہ ہم نے کسی سویلین ٹارگٹ پر کیا؟ آپ کے کرتا دھرتا ہمیں مجبور کردیتے ہیں اگر سکینہ اغوا نہ ہوتی تو ہم کبھی آپ کو زحمت نہ دیتے۔ افسوس ہمیں لڑائی آپ کے اُصولوں کے مطابق لڑنی پڑتی ہے۔'' اُس نے مسکراتے ہوئے خود کو نارمل کیا۔

شیپالی نے اُس کی طرف دیکھا۔ جس کی آنکھوں میں ایک ٹھہراؤ تھا۔ جس کے چہرے پر ایک سکون تھا۔ ایسا سکون جو اُس نے کبھی قدیم مندروں کے آدم بیزار پجاریوں کے چہروں پر دیکھا تھا۔

شیپالی نے اپنی نظریں جھکالیں اور چائے بنانے لگی۔ اُس نے چائے کا کپ بنا کر لڑکی کو پیش کیا۔

''شکریہ......'' اُس نے کہا

''کیا میرے ہاتھ سے چائے بھی قبول نہیں کروگی۔''

شیپالی نے عجیب سے لہجے میں کہا

''ایسی بات نہیں......آپ میرے لئے بہت محترم ہیں لیکن یہاں کے کچھ اُصول وضوابط ہیں جن کی پابندی ہم پر لازم ہے۔ ہم اپنے حصے کے راشن سے زیادہ کچھ نہیں کھاتے پیتے، اگر مل جائے تو

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http: / /www.Paksociety.com for More

بانٹ کر کھاتے ہیں''......

لڑکی نے جواب دیا۔

شیپالی نے اپنے کندھے اُچکاتے ہوئے اُس کی طرف دیکھا اور چائے پینے میں مصروف ہوگئی۔

بریگیڈیئر سوری کے فون کی گھنٹی مسلسل بج رہی تھی لیکن دوسری طرف سے اشارہ ہونے کے بعد ہی اُس نے فون اُٹھایا۔

''ہیلو''......اُس نے بھاری بھرکم آواز میں کہا۔

''سوری صاحب اگر آپ نے ''کال ٹریسنگ'' کے لئے فون اُٹھانے میں دیر لگائی ہے تو غلطی کی ......آپ کو ناکامی ہوگی۔ ہم نے آپ سے بہت کچھ سیکھ لیا ہے......''

سوری چونکا......

''کون ہو تم؟''......اُس نے اپنا دبدبہ برقرار رکھا۔

''آپ جانتے ہیں میں کون ہوں...... 24 گھنٹے ہوگئے۔ ہمیں جواب چاہیے...... یہی ہمارے درمیان طے ہوا تھا''......دوسری طرف سے کہا گیا۔

''اچھا تو تم وہی ''اُگروادی'' ہو......؟

''وقت ضائع نہ کریں مسٹر سوری......Yes or no؟ مجھے فوراً جواب چاہیے''......

دوسری طرف بات کرنے والے کے اس نفسیاتی حملے نے بریگیڈیئر سوری کو بوکھلا کر رکھ دیا۔

''دیکھو تم لوگ......''

''yes or no?''......اُس نے پھر بریگیڈیئر سوری کی بات کاٹ دی۔

سوری نے دوسری طرف اپنے انٹیلی جنس ڈائریکٹر کو دیکھا جس نے فون کان سے لگایا ہوا تھا اور اُسے yes کا سائن دے رہا تھا ''yes......'' سوری نے کہا......لیکن سکینہ کو ہم نے سیف ہاؤس میں رکھا ہوا ہے۔ کچھ وقت دینا پڑے گا۔''

''نو پرابلم......'' دوسری طرف سے اطمینان سے کہا گیا......کل دوبارہ رابطہ کریں گے''......

فون بند ہوگیا......

بریگیڈیئر سوری غصے سے فون کو گھور رہا تھا۔

''any clue (کوئی سراغ)''؟ اُس نے ڈائریکٹر انٹیلی جنس کی طرف دیکھا۔

''بہت چالاک لوگ ہیں سر! مس گائیڈ Missguide گجٹ استعمال کر رہے تھے''......

جواب ملا۔

''ڈیم اٹ''......سوری نے غصے سے مُکا میز پر مارا۔) یہ تمہارے سیٹلائٹ کیا جھک مار رہے ہیں''؟ اُس نے انٹیلی جنس ڈائریکٹر کی طرف گھور کر دیکھا۔ جس نے اس سوال کا خاصا غصہ کیا تھا۔ وہ بھی بڑا اپھنے خاں تھا۔

''یہ بالکل غیر متعلقہ سوال ہے سر!''......اُس نے بڑے مودب اور طنزیہ لہجے میں جواب دیا۔

سوری نے خاموشی اختیار کر لی۔

تھوڑی دیر بعد کرائسس سیل'' کی ہنگامی میٹنگ ہوئی جس میں اب تک کی کارگزاری زیر بحث آئی تھی۔ ابھی تک سپیشل ٹیم کو اُن تک رسائی نہیں مِلی تھی۔ معلوم ہی نہیں ہوا تھا کہ وہ لوگ کہاں سے معاملات کو ڈیل کر رہے ہیں۔

''میرا خیال ہے سر! وہ سرحد پار سے بات کر رہے ہیں''۔

اچانک ہی سگنل کور کے کرنل نے اپنی رائے پیش کر کے سب کو چونکا دیا۔

بریگیڈیئر سوری کے لئے تو بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا اب وہ ہیڈ کوارٹرز کو زیادہ بہتر جواز پیش کر سکتا تھا اور اپنے دیرینہ دوست میجر جنرل کلونت سنگھ کی صاحبزادی شیپالی کو گھر واپس لا سکتا تھا۔

آج کل پاکستان کے حوالے سے وہ جو بھی بیان دیتے اُسے صحیح تسلیم کیا جاتا۔

اگلے روز پھر فون آیا اور دونوں ''یرغمالیوں'' کے تبادلے کی سکیم طے پا گئی لیکن یہاں بھی انہیں''

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

اُگرواد یوں'' کے سامنے سرنڈر کرنا پڑا۔ انہوں نے پہلے روز سکینہ کو ایک مخصوص مقام پر چھوڑنے کی ڈیمانڈ کی تھی جس کے چوبیس گھنٹے بعد انہوں نے شیپالی کو رہا کرنا تھا۔

بریگیڈیئر سوری اور اُن کے ساتھی غصے سے بے قابو ہو رہے تھے لیکن وہ سب خود کو ان حالات میں بے حد بے بس محسوس کر رہے تھے اور جانتے تھے کہ اُن کے لئے ان دہشت گردوں کی شرائط تسلیم کرنے کے سوا اور کوئی راستہ باقی ہی نہیں بچا۔

اگلے روز سکینہ کو وہی لڑکی اپنے ساتھ اس پوائنٹ پر لائی تھی جہاں اُسے سکینہ کو پہنچانا تھا۔ وہ تحائف کا بیگ سکینہ کے ساتھ تھا اور اُس کی ساتھی بھی جس کا سکینہ نے دل کی گہرائیوں سے اُن کے حسن سلوک پر شکریہ ادا کیا۔ کیونکہ اُن لوگوں نے سکینہ سے واقعی انسانوں والا برتاؤ کیا تھا۔ بھارتی انٹیلی جنس نے جی ایچ کیو کی سخت ہدایات کے مطابق کوئی بھی ایڈونچر نہیں کیا تھا اور صرف اپنے ہاتھ بے بسی سے اپنے دانتوں سے کاٹ رہے تھے۔

سکینہ کو لینے کے لئے ایک نوجوان آیا تھا جس نے نقاب پہن رکھا تھا گو کہ ارد گرد کے علاقے کو بھارتی انٹیلی جنس نے اچھی طرح اپنی نظروں میں لیا ہوا تھا لیکن وہ یہ بھی اچھی طرح جانتے تھے کہ مجاہدین نے بھی کوئی امکان نظر انداز نہیں کیا ہوگا۔

سکینہ کو نوجوان نقاب پوش کے حوالے کرتے ہوئے وہ لڑکی سکینہ سے بہت جذباتی انداز میں بغلگیر ہوئی تھی۔ بہت کامیاب اداکارہ دکھائی دے رہی تھی جس نے سکینہ کو کافی متاثر کر دیا تھا لیکن اُس نوجوان نے سب سے پہلے سکینہ کے ہاتھ میں پکڑے بیگ کی اچھی طرح تلاشی لے کر اس بات کا مکمل اطمینان کر لیا تھا کہ اس بیگ میں کوئی خفیہ آلہ تو نصب نہیں جو اُس کی اگلی منزل کی نشاندہی کر سکے گا۔

سکینہ کو اپنے ساتھ لے کر وہ پہاڑی بھول بھلیوں میں ایسا کھویا کہ بھارتی ریڈار کے لئے اُس پر نظر رکھنا ممکن ہی نہیں رہا۔ سکینہ زخمی اور خاصی کمزور تھی لیکن آزادی کے احساس نے اس کے جسم میں

توانائیاں بھر دی تھیں۔ دونوں قریباً ایک گھنٹہ پیدل چلتے رہے جس کے بعد سکینہ کو وہاں پہلے سے موجود ایک گھوڑے پر بٹھا دیا گیا اور اگلے مزید دو ڈھائی گھنٹے کے بعد وہ اپنے والد سے بغلگیر ہو رہی تھی۔ اپنی ماں کو وہاں دیکھ کر سکینہ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

بخت خان نے تینوں کو تسلی دی اور اللہ کا شکر ادا کیا کہ وہ بالآخر اپنے مقصد میں کامیاب رہے۔

''چاچا بشیر''...... اُس نے بشیر بکروال کو مخاطب کرتے ہوئے کہا......''میں جانتا ہوں سکینہ کی حالت ایسی نہیں کہ وہ مزید سفر کر سکے لیکن حالات کا جبر ہے...... ہماری مجبوری ہے تمہیں آج رات ہی سرحد عبور کرنی ہے۔ ہم تمہیں سرحد تک لے جائیں گے جس کے بعد تم انشاء اللہ محفوظ ہاتھوں میں پہنچ جاؤ گے''......

''اللہ تمہارا جگ جگ بھلا کرے بیٹا''...... روہانسی آواز میں بشیر نے کہا۔

سکینہ کی ماں نے بخت خان کو گلے لگا کر پیار کیا تھا۔ کچھ دیر آرام کرنے کے بعد وہ ایک مرتبہ پھر عازم سفر تھے اس مرتبہ بخت خان اور اُس کے دو ساتھی بھی اُن کے ساتھ چل رہے تھے۔ بشیر بکروال نے ساری زندگی سرحد کو آر پار کرتے گزاری تھی وہ یہاں کے چپے چپے سے آشنائی رکھتا تھا لیکن جس راستے سے بخت خان انہیں لے جا رہا تھا وہ بشیر بکروال کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ قریباً ڈھائی گھنٹے کے محفوظ سفر کے بعد وہ لائن آف کنٹرول تک آ گئے تھے شدید سردی کا بندوبست بخت خان نے اُن کی روانگی پر انہیں گرم کپڑے اور مضبوط جوتے پہنا کر کر دیا تھا۔ سکینہ کی والدہ کو وہ قریباً آدھا راستہ اپنی کمر پر سوار کر کے لائے تھے گو کہ وہ بار بار ''ناں'' کر رہی تھی لیکن بخت خان کو حالات کی سنگینی کا احساس تھا۔

کنٹرول لائن پر رُک کر اُس نے بشیر بکروال کو ایک ٹارچ دی اور سمجھایا کہ کتنی دیر بعد اُسے ٹارچ سے سامنے کی سمت مخصوص اشارہ کرنا ہے۔ جس پر اُس کے ''میزبان'' اس سنبھال لیں گے۔

سکینہ کے لئے یہ بڑا جذباتی لمحہ تھا۔ وہ آج تک بخت خان اور اپنے رشتے کو کوئی معانی نہیں دے

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

سکی تھی آج اُسے شدت سے اپنے بدن کا کوئی جز و الگ ہونے کا احساس ہو رہا تھا۔

"مجھے واپس جانا ہے سکینہ......لیکن وعدہ کرتا ہوں اگر زندگی نے وفا کی اور ہمارا مشن کامیاب رہا تو ضرور تم لوگوں سے ملنے آؤں گا......ہمارے لئے دعا کرنا"......

بخت خان کو اُس کی دلی کیفیت کا بخوبی اندازہ تھا لیکن اس لمحے وہ کسی کمزوری کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

بشیر بکروال اور اُس کی بیوی نے باری باری بخت خان اور اُس کے ساتھیوں کو سینے سے لگا کر دعائیں دی اور اُس کی کامیابی کے لئے بھیگی آنکھوں اور رُندھے ہوئے گلے کے ساتھ دُعائیں کرتے رہے۔

بخت خان اور اُس کے ساتھ کنٹرول لائن پر پوزیشن لے کر بیٹھ گئے اور بشیر بکروال اپنی بیوی اور بیٹی کیساتھ گہرے اندھیرے کی چادر میں کھو گیا۔ بخت خان نے اندھیرے میں تب تک اُن پر آنکھیں گاڑے رکھیں جب تک وہ اُس کی نظروں سے اوجھل نہیں ہو گئے۔

اپنے ہاتھ سے بندھی گھڑی میں نصب قطب نما کی مدد سے بشیر بکروال اپنے گھرانے کے ساتھ سفر کرتا اب اُس مرحلے میں داخل ہو گیا تھا جب اُس کے "میزبانوں" کی آمد متوقع تھی۔ اُس نے ایک قدرے محفوظ پہاڑی کی اوٹ سے ٹارچ کو مخصوص انداز میں جلایا بجھایا اور جلد ہی اُس کے کانوں نے ایک جیپ کے انجن کی آواز سن لی جس کا مطلب تھا کہ ان کے میزبان آ رہے ہیں۔

جیپ اگلے پانچ منٹ بعد اُن کے نزدیک کھڑی تھی۔ ڈرائیور کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھے نوجوان کے پُروقار انداز نے اُس کا تعارف کروا دیا تھا۔ اُس نے گرمجوشی سے بشیر بکروال سے ہاتھ ملایا۔

اُنہیں اُن کے مختصر سامان سمیت جیپ میں بٹھایا اور بشیر بکروال کی فیملی کا سلامتی سفر شروع ہو گیا۔

"میں تمہیں کبھی نہیں بھول پاؤں گی بخت خان"......اپنی آنکھیں چادر کے کونے سے پونچھتے ہوئے سکینہ نے دل ہی دل میں کہا۔

شیپالی کی روانگی اُس کی زندگی کا انتہائی کمزور اور جذباتی لمحہ تھا۔ اُس نے کبھی تصور نہیں کیا تھا کہ وہ ان "اُگروادیوں" کے لئے ایسے جذبات رکھے گی......شیپالی اُن کے لئے دل میں ایسی ہمدردی محسوس کر رہی تھی جس کا اُس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔

اُس نے دمِ رُخصت اپنی ساتھی کو جس نے اپنا نام شاہینہ بتایا تھا گرمجوشی سے دیر تک اپنے ساتھ چمٹائے رکھا۔

"میں تمہاری کامیابی کے لئے "پرارتھنا" کروں گی" رُندھے ہوئے گلے اور آنسو بھری آنکھوں سے اُس نے شاہینہ اور اُس کے ساتھیوں کی طرف دیکھ کر کہا جنھوں نے اُسے شاندار ساڑھی کا تحفہ اور اُس کی شدید خواہش پر انگریزی ترجمے والا قرآن پاک دیا تھا۔

پہاڑی سلسلے میں رات کے اندھیرے میں وہ دور تک اُس کے ساتھ آئے پھر اُسے سڑک کے قریب چھوڑ کر رخصت ہو گئے۔ دمِ رُخصت وہ دوبارہ شاہینہ سے بڑے جذباتی انداز میں بغل گیر ہوئی تھی۔ "دس منٹ بعد آپ کے لوگ یہاں آ جائیں گے مطمئن رہیے ہم آپ کو دیکھ رہے ہیں۔ آپ کے ساتھیوں کے جانے کے بعد ہی رخصت ہوں گے"......

شاہینہ نے اُس سے کہا تو شیپالی نے بے اختیار اُس کا منہ چوم لیا۔ اُس نے بھیگی آنکھوں سے دونوں مجاہدوں سے جو اُس کے ساتھ آئے تھے مصافحہ کیا اور چھوٹا سا بیگ پکڑ کر اُن سے الگ ہو گئی۔

اُس کے ساتھی تھوڑی دیر بعد پہاڑی سلسلے میں کھو گئے۔

سکارچن کی اس پلاٹون کو بطور ایک اکائی کسی چوکی پر تعین نہیں کیا گیا تھا بلکہ اُنہیں مختلف دفاعی چوکیوں پر بانٹ دیا گیا تھا۔

ان میں دو Buddies معرکے میں دوستی اور بھائی چارے کی لازوال داستانیں رقم کر گئے۔

سب سے پہلے دو ساتھی این ایل آئی رجمنٹ سنٹر بونجی کے بیچ میٹ (Badge Mates) سکار چن کے دو پلاٹون میٹ سپاہی بخل خان اور نائیک فدا علی ان کی دوستی کا یہ سفر بونجی سینٹر میں تربیت

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

کے دوران شروع ہوا۔ نہایت سادہ طبیعت، پرخلوص عادات، اعلیٰ اخلاقی اقدار کے مالک، اعلیٰ تربیت یافتہ اور دشواریوں میں بھی مسکرانے والے چہرے، جسمانی تربیت میں سب سے آگے، بہترین نشانہ باز اور انتہا کی قوت برداشت رکھنے والے۔ یہ وہ چند صفات ہیں جن کا ذکر ان کے ساتھ تربیت حاصل کرنے والے ساتھی کرتے ہیں۔

خالد نذیر سے ان کی ملاقات 4 جولائی دوپہر دو بجے کے قریب ہوئی تھی۔ قادر آگہی چوکی پر وہ حوالدار لالک جان شہید نشان حیدر کے بارہ جانبازوں میں سے تھے۔ 4/5 جولائی کی شب سے 7 جولائی کی شام تک انہوں نے دشمن کی ایک بٹالین کے متواتر حملے نہ صرف ناکام بنائے بلکہ دشمن کو سخت جانی نقصان سے دوچار کیا۔ نائیک فدا علی محدود اسلحہ کے پیش نظر صرف اپنی رائفل سے وہ گولی فائر کرتا تھا جو ہمیشہ کارگر ثابت ہوتی تھی۔ نائیک فدا علی نے علی الصبح سات جولائی کو اس وقت شہادت پائی جب دشمن اس کی چوکی سے تقریباً سو گز دور تھا اور دشمن کی آرٹلری کا ایک گولہ اس کے بالکل قریب آکر پھٹا۔ سپاہی بجل نے بہت محتاط لیکن مؤثر فائر سے دشمن کی یلغار کو روکے رکھا۔ لیفٹیننٹ وسیم شفیق جب سات جولائی کو تازہ کمک لے کر اس چوکی پر پہنچا تو صرف تین جانباز زندہ تھے لیکن تینوں زخمی تھے۔ حوالدار لالک جان، لانس نائیک محمد بشیر اور سپاہی بجل خان، زخمی ہونے کے باوجود دشمن نظر آنے پر اس پر مؤثر فائر گراتے۔ سپاہی بجل خان خون بہہ جانے کی وجہ سے کافی حد تک نڈھال تھا۔ لیکن پھر بھی اپنی مشین گن سے فائر کرتا رہا۔ ان تیرہ جانبازوں کی قربانی اور وسیم شفیق کی قیادت میں تازہ کمک کی آمد سے دشمن کو پسپائی اختیار کرنی پڑی۔ دشمن 35-30 گز تک قریب آیا لیکن وہ آخری 35 گز کی چڑھائی ہی اُن کی ثابت قدمی اور فتح مبین کی امین بنی۔ وسیم شفیق نے حتی الوسع کوشش کی کہ ہر ممکن ابتدائی طبی امداد دے کر ان کی جان بچالے۔ لیکن جس طرح فدا علی اور بجل نے فوجی زندگی کے سفر کا آغاز ایک دن کیا تھا۔ ان کی دوستی سچی تھی اور انہیں ایک ہی دن شہادت نصیب ہوئی۔ وہ تو سکارچن تھے اس دنیا میں ڈوب کر اس دنیا میں طلوع ہو گئے۔

سکارچن کی دوسری جوڑی دو افسروں کی تھی وہ دونوں بھی کورس میٹ، پلاٹون میٹ اور اب جنگی ساتھی تھے۔ کیپٹن ساجد حسین اور کیپٹن طاہر حسین ایک دوسرے پر جانثار کرنے والے ساتھی۔ وہ مثالی لیڈرز جو ملک وقوم کی خاطر جان کی پروا نہیں کرتے۔ ساجد کا تعلق آرٹلری رجمنٹ سے تھا۔ وہ مارٹر پوزیشن آفیسر کے فرائض انجام دے رہا تھا اور طاہر کا تعلق ایک مشہور انفنٹری بٹالین سے تھا۔ وہ مہدی پوسٹ کا کمانڈر تھا۔ جب لڑائی زوروں پر تھی اور اس کے باقی ساتھی حیدران کے ساتھ ثابت قدمی اور دلیری سے دشمن کے ماؤنٹین بریگیڈ کا حملہ روکے ہوئے تھے تو آتش نمرود میں کودنے کے لیے پہلا بیتاب جونیئر لیڈر کیپٹن طاہر حسین تھا۔ مہدی پوسٹ سے خالد نذیر کو اس کا پیغام ملا۔

''مہدی پوسٹ دشمن کی زد سے محفوظ ہے کوئی حرکت نظر نہیں آ رہی۔ میری خدمات حاضر ہیں۔''

سی او کو چونکہ ساری صورت حال کا علم تھا۔ انہوں نے اس آفیسر کے جذبے کو سراہتے ہوئے اسے اعظم پوسٹ پر جانے کے لیے کہا۔ وہ چیتے کی رفتار سے اپنی منزل مقصود کی جانب بڑھا۔ راستہ میں مارٹر پوزیشن تھی جب وہاں پہنچا تو ہماری مارٹرز خاموش ہو چکی تھیں۔ دشمن کے ہوائی حملے اور جوابی توپخانہ فائر کی وجہ سے مارٹر پوزیشن آفیسر ساجد حسین بھی وہیں موجود تھا لیکن اس سے پہلے سی او کو اطلاع دے چکا تھا کہ مارٹروں کا ایمونیشن ختم ہو گیا ہے۔ ساجد کو بھی مراد پوسٹ پر جانے کے احکامات مل چکے تھے۔ اس طرح آٹھ سرفروشوں کا یہ قافلہ اب مراد پوسٹ پر اکٹھا ہو رہا تھا۔ جب یہ لوگ پوسٹ پر پہنچے تو صوبیدار مراد بیگ شدید زخمی تھے۔ نائیک اسمٰعیل، لانس نائیک محمد بشیر، سپاہی محمود عالم، محمد حسین، اسمٰعیل اور محمد امان جام شہادت نوش کر چکے تھے۔

سکارچن کے ان دونوں نوجوان افسران نے بروقت حرکت سے اعظم اور مراد پوسٹ کو اس وقت قیادت مہیا کی جب اس کا کمانڈر زخمی ہو چکا تھا۔ بے لوث خدمت اور بے خوف قیادت کے شاہکار ایسے جانے کتنے جانباز ہوں گے جن کے نام وقت کی گرد میں دب گئے یا پھر جنہیں سیاست کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ ایسی جنگ تاریخ میں کہاں لڑی گئی ہے جہاں ایک بٹالین کا مقابلہ تیرہ بٹالین

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM

Click on http://www.Paksociety.com for More

سے،ایک بیٹری کا مقابلہ 25 بیٹریوں سے ہوااورایک پوسٹ پر بھی دشمن قبضہ نہ کر سکا۔

بالآخروہ مایوس کن لمحہ آ گیا جس نے ان غازیوں کے کلیجے چھلنی کر دیے۔اعلیٰ قیادت کی طرف سے انہیں کنٹرول لائن کی طرف واپسی کا حکم مل گیا۔سپاہی صرف اطاعت کرتا ہے اور یہی اُس کی عظمت کی دلیل بھی ہے۔ان جاں نثاروں نے بھی اس حکم پر عمل کیا۔

واپسی کا سفر مدت کا سفر تھا۔دشمن نے زمین اور آسمان سے قیامت برسانا شروع کی تھی۔8 جولائی کو جب خالد نذیر اور کیپٹن ساجد ایک دوسرے سے محض پندرہ بیس گز کی دوری پر پتھروں کے نیچے آڑ لیے بیٹھے تھے دشمن کے چھ میراج 2000 چیختے چنگھاڑتے اُن کے سروں پر پہنچ گئے۔

''اپنی باری آ گئی سر''۔کیپٹن ساجد نے اونچی آواز سے کہا۔

اس سے پہلے کہ خالد نذیر کوئی جواب دے میراج طیاروں نے 25 ہزار فٹ کی بلندی سے 12 پی جی ایم اُن پر داغ دیئے اگلے ہی لمحے کیپٹن ساجد جام شہادت نوش کر گئے۔خالد نذیر بھاگتے ہوئے اُن تک پہنچے تو ایک ابدی مسکراہٹ کیپٹن ساجد کے چہرے پر جم گئی تھی۔انہوں نے بوجھل دل سے ساجد کا سر اپنے زانوں پر رکھا ہوا تھا جب ساجد کا کورس میٹ طاہر حسین اُن تک پہنچ گیا'' تمہارا دوست تمہارا کورس میٹ حیات جاوداں پا گیا طاہر حسین!''...

انہوں نے طاہر حسین سے نظریں ملائے بغیر کہا۔

طاہر حسین نے جھک کر اپنے کورس میٹ کے ماتھے پر بوسہ دیا اور دونوں وہاں سے ہٹ گئے آسمان میراج کی چنگھاڑوں سے پھر گونجنے لگا تھا۔

کرنل خالد نذیر،کیپٹن سلمان،کیپٹن امیر نواز،میجر بلال اور صوبیدار نے مل کر مائنز لگانے شروع کیے۔باقی مجاہدوں کو ڈمپنگ کی ہدایات جاری ہوئیں اور اپنا کام مکمل کرتے انہوں نے واپسی کا سفر اختیار کیا۔اُن کے لئے Pull back جان لیوا مرحلہ تھا۔تمام پوزیشنوں نے سی او پوزیشن پر رپورٹ کی۔جہاں واپسی کے سفر میں نوکیلی تار اور بارودی سرنگیں نصب کرنے کی منصوبہ بندی پر مکمل

نظم وضبط کے ساتھ عمل کیا گیا۔ایک مرحلے پر جب خالد نذیر کو علم ہوا کہ ایک 12.7 کم ہے تو عاطف ذیشان کو واپس بھیجا گیا جو اپنے ساتھ گن لے کر آیا کنٹرول لائن تک 32 بہادران کے میجر بلال،سلمان اور خالد نذیر نے اکٹھے سفر کیا۔کنٹرول لائن اُن کے سامنے تھی جب بلال اور سلمان نے خالد نذیر کو روک دیا۔

''you should be the last man sir'' اور خالد نذیر دونوں کے بعد پاکستانی سرحد میں قدم رکھا۔کنٹرول لائن پر رُک کر آخری آدمی نے دوزافق پر نظریں جمائیں۔برف پوش نوکیلی پہاڑیوں کی چوٹیاں زمین پر نمایاں ہو رہی تھیں۔یہاں سے دور بھارتی سرحدوں کے اندر تک حیدران کے خون کی ایک لمبی لکیر نمایاں ہو رہی تھی۔خون جو سرحد کے پار بہہ چکا تھا۔خون جو اپنا حساب مانگ رہا تھا!لیکن کون اس کا حساب دے گا؟

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM